معراج النبی پر مُدَلّل تحریر

کائنات کا سب سے بڑا
معجزہ
یعنی
معراج النبی ﷺ



تالیف

علامہ محمد اقبال عطاری

(ایم اے عربی، اسلامیات)

ناشر

اکبر بک سیلرز لاہور

نام کتاب .... کائنات کا سب سے بڑا معجزہ یعنی معراج النبی ﷺ
موضوع .... واقعہ معراج شریف
مؤلف .... علامہ محمد اقبال عطاری
صفحات 288
تعداد 600
کمپوزنگ .... عبدالسلام، قمر الزمان
اشاعت 2012ء
ناشر .... محمد اکبر قادری
قیمت .... -/250 روپے

ناشر
اکبر بک سیلرز
زبیدہ سنٹر
اردو بازار لاہور

انتساب

شیخ طریقت، رہبر شریعت، ریحانِ ملت، مردِ قلندر، آقائے نعمت، عاشق ماہِ رسالت امیر اہلسنّت، پروانۂ شمع رسالت، واقفِ اسرارِ حقیقت، عالمِ شریعت، عارفِ معرفت پیر طریقت، محسن اہلسنّت، ولی باکرامت، رہبر ملت عاشق اعلیٰ حضرت (علیہ الرحمۃ)

نائب اعلیٰ حضرت، سیّدی ومرشدی، نائب غوث الاعظم

یادگارِ امام اعظم، پیکر علم وعمل، مولائی ملجائی وماوائی وآقائی

حضرت علامہ مولانا ابوالبلال

محمد الیاس عطار قادری دامت برکاتہم العالیہ

کے نام

کہ جن کی نگاہِ فیض سے سگِ عطار اس سعی میں کامیاب ہوا

حرزِ جاں شد گر قبول افتد

نذرانہ عقیدت

مخزن العلوم، معدن الفنون فقیہ العصر سلطان المدرسین
جامع المعقول والمنقول شیخ الحدیث والتفسیر
حضرت علامہ مولانا الحاج مفتی

حافظ غلام حیدر خادمی مدظلہ

شیخ الجامعہ و بانی دار العلوم جامعہ نعمانیہ رضویہ شہاب پورہ، سیالکوٹ

فہرست

عرضِ مؤلف

میں اپنے تمام اہل محبت میری مراد:

حضرت علامہ مولانا رفیق نقشبندی، حضرت مولانا علی رضا قادری و حضرت علامہ مولانا علی اصغر ناز نوشاہی، حضرت مولانا الفت رضا عطاری، حضرت علامہ قاری احمد یار خان، حضرت مولانا ذیشان عطاری، حضرت مولانا یعقوب عطاری، حضرت مولانا عبدالقدیر عطاری، حضرت علامہ محمد ظفر اقبال چشتی، حضرت مولانا یٰسین عطاری، حضرت علامہ امتیاز صدیقی، حضرت علامہ مولانا علی، حضرت مفتی عابد حسین قادری، حضرت علامہ قاری امتیاز نقشبندی، حضرت علامہ تنویر احمد قادری (مصنف کتب کثیرہ) حضرت علامہ افضل قادری، حضرت علامہ شاہد القادری (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)، مولانا وقاص سیفی، حضرت مولانا صوفی اصغر سیفی

اور میرے دیگر اہلِ محبت کا بھی ممنون و مشکور ہوں جو میرے لیے دعا کے طالب ہیں۔ میری مراد: محترم جناب میاں محمد بوٹا، محترم جناب چوہدری خالد محمود گھمن، جناب میاں شبیر عطاری، جناب آصف عطاری (پی سی او والے)، جناب اویس گھمن، جناب میاں شہزاد آف کوٹلی، جناب خلیل الرحمٰن چندھڑ، جناب وکی بھائی، جناب ڈاکٹر سعد صاحب، جناب حاجی ارشاد گھمن، جناب آفریدی پٹھان، جناب عباس مغل، جناب ذیشان عطاری، جناب امجد (ٹیلر ماسٹر)، جناب ناصر محمود (کونسلر)، جناب میاں اقبال صاحب، جناب عدنان مجید، سعید ساغر، جناب مظفر اقبال برج، سر افتخار گھمن، جناب سر جماعت علی وغیرہم

اور خصوصی طور پر جناب محمد اکبر قادری آف لاہور جنہوں نے اس کتاب کی ساری اشاعت کا بیڑا اُٹھایا۔ اللہ عزوجل تمام کا تعاون کرنا قبول فرمائے۔

آمین

عاجز

محمد اقبال عطاری

(ایم۔اے عربی واسلامیات)

شیخ الجامعہ: جامعہ صفیہ عطاریہ للبنات

کلی کوٹلی ڈسکہ روڈ' سیالکوٹ

0300-7159620

0301-6300026

تقریظ اوّل

حضرت علامہ مولانا پروفیسر محمد شاہد القادری (ایڈووکیٹ ہائی کورٹ)

ایم اے ایل ایل بی فاضل علوم شریعہ

خطیب ڈسٹرکٹ پولیس جامعہ مسجد سیالکوٹ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مجھ ناچیز کو علامہ محمد اقبال عطاری حفظہ اللہ کی تالیف معراج النبی علیہ الصلوٰۃ والسلام دیکھنے کا موقع ملا۔ میں نے چیدہ چیدہ مقامات سے اس کو پڑھا ہے۔ کتاب ہذا میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سفر معراج کے ہر ہر پہلو پر بڑی جامع اور مدلل گفتگو کی گئی ہے جو وقت کی ضرورت ہے۔ جناب محمد اقبال عطاری صاحب کتب کثیرہ کے مصنف ہیں جن کی تالیفی صلاحیتوں کا لوہا اہلِ قدردان مان چکے ہیں اور ان کی تصانیف کو خواص و عام میں مقبولیت حاصل ہے اور سراہا جاتا ہے۔ کتاب ہذا بھی مصنف کی دیگر تصانیف کی طرح مقبول عام ہوگی۔ جناب محمد اقبال صاحب کی تصانیف کی زبان بڑی سادہ پُر مغز اور قاری کے دل میں اُترنے والی ہوتی ہے۔ کتاب ہذا معراج النبی میں جہاں علماء کرام کے لیے وسیع علمی وفنی مواد موجود ہے وہاں عامۃ المسلمین کے لئے عقائد اور اعمال کی اصلاح کا پہلو بھی مدنظر رکھا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ حضور علیہ السلام کے نعلین پاک کے صدقے سے برادرم محمد اقبال عطاری کے علم وفضل میں اضافہ فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

محمد شاہد قادری ایڈووکیٹ

۳/جون ۲۰۱۲ء

تقریظ دوم

حضرت علامہ مولانا محمد ظفر اقبال چشتی نظامی

پرنسپل: جامعہ گلشن اسلام آڈھا' سیالکوٹ

اللہ تعالیٰ اُمت محمدیہ کے جن نفوس کو خیر و بھلائی سے نوازتا ہے' انہیں دین کی خدمت پر مامور فرماتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے محبوبوں کے تذکرے خود بھی کرتا ہے اور دوسروں سے بھی کرواتا ہے' کتنا بلند قسمت ہے وہ شخص جو سرکار کی تعریف و توصیف کرتا ہے۔ ان خوش قسمت لوگوں میں سے ایک شخصیت علامہ محمد اقبال عطاری کی ہے' جنہوں نے بہت سی کتب تصانیف کی ہیں' جن میں سے ایک کتاب ''معجزہ معراج النبی ﷺ'' ہے۔ عظیم نبی ﷺ کے عظیم معجزوں پر یہ عظیم کتاب ایک عظیم نیکی ہے جو عظیم مصنف کے عظیم کام پر دال ہے۔ اس ایمان افروز اور روح پرور عنوان (Topic) پر یہ کتاب اہلِ ایمان کے لئے باعث فرح و سرور اور سرمایہ افتخار ہوگی۔

علم کے پیاسوں کے لئے ایک بہترین ذخیرہ' مقررین کے لئے بیش قیمت خزانہ اور سرکار کے عاشقوں کے لئے ایک لازوال دولت ہے۔ فاضل موصوف کی یہ قلمِ محبت سے تحریر کی ہوئی کتاب پڑھ کر تو دیکھیے' یقیناً آپ کے دل کو روشنی' روح کو تازگی (Freshness) اور فکر و نظر کو بالیدگی ملے گی۔

سلیس اندازِ بیان' جاندار اسلوب نگارش' خوبصورت اندازِ تحریر' مدلل واقعات (Supported by evidence)' محبت بھرے کلمات' کتاب کے اتنے محاسن اور قلم کی اتنی خوبیاں! سبحان اللہ کیا بات ہے۔

عالم نبیل محترم جناب محمد اقبال عطاری ایک معروف (Known) شخصیت ہیں' میں نے صرف ان کی کتابوں کو ہی نہیں پڑھا' ان کی ذات کا بھی گہرا مطالعہ کیا ہے۔

ان کی شیریں گفتگو (Pleasant Conersation) کو سنا' ان کے کردار کو آنکھوں سے دیکھا' لب پہ سرکار کی عظمتوں کے ترانے' دل میں خدمتِ دین متین کے جذبے' جن کا ظاہر آدابِ شریعت سے آراستہ (Decorated) ہے تو دل خدمت اسلام سے وابستہ (Related) رب لم یزل کی بارگاہِ اقدس میں دعا ہے کہ ہمارے فاضل بھائی نے تحریری میدان میں جو نقوش (Examples) چھوڑے ہیں' وہ قوم مسلم کے لئے چراغِ رہنما ہوں۔ اللہ تعالیٰ جل مجدہ آپ کو سعادت دارین سے نوازے۔ آمین ثم آمین۔

غبار راہِ طیبہ
حافظ محمد ظفر اقبال چشتی نظامی
پرنسپل جامعہ گلشن اسلام آڈھا (سیالکوٹ)

تقریظ سوم

حضرت علامہ مولانا حافظ محمد امتیاز صدیقی

(اول ایوارڈیافتہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد)

خطیب جامع مسجد بھرتھ کینٹ سیالکوٹ

محترم شیخ الجامعہ حضرت علامہ مولانا محمد اقبال قادری عطاری صاحب نے معراج النبی ﷺ کے نام سے بڑی شاندار کتاب تحریر کی ہے۔ مجھے چند مقامات سے پڑھنے کا موقع ملا ہے۔ الحمد للہ علامہ صاحب نے اس کتاب میں معجزے کی تعریف اور تفصیل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک کی سیر اور مسجد اقصیٰ سے لامکاں تک کی معراج کو بڑی تفصیل سے اور مدلل انداز سے بیان کیا ہے اور خاص طور پر اس کتاب کی یہ خصوصیت ہے کہ عام طور پر جو لوگوں کے دلوں میں شکوک وشبہات پیدا ہوتے ہیں ان کا تفصیل سے جواب دیا گیا ہے۔ حضور ﷺ کے سفر معراج سے جو کچھ امت کو حاصل ہوا اس کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ مثلاً اللہ کی طرف سے نمازوں کا تحفہ بے پردگی کا انجام سود کھانے والوں پر عذاب یعنی اس کتاب میں حضور ﷺ کی معراج کے ساتھ ساتھ اصلاحی پہلو کو بھی اجاگر کیا گیا ہے۔ یہ کتاب اہلِ ذوق کے لئے بڑی مفید ثابت ہوگی کیونکہ مواد عالمانہ ہے لیکن الفاظ اس طرح کے استعمال کیے گئے ہیں جن کو ہر آدمی بڑی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ علامہ صاحب الحمد للہ باصلاحیت شخصیت ہیں ان کی دیگر کتب بھی اہمیت کی حامل ہیں۔ اسی گلدستے میں سے نکھرتا ہوا ایک پھول یہ بھی ہے۔ مجھے بھی علامہ صاحب کے ساتھ آٹھ سال درسِ نظامی کا کورس پڑھنے کا شرف حاصل ہے۔ میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ علامہ صاحب کی اس کاوش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور لوگوں کو اس کتاب سے زیادہ سے زیادہ مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

دعا گو: مولانا حافظ محمد امتیاز صدیقی

تقریظ چہارم

حضرت علامہ مولانا حافظ محمد امتیاز نقشبندی

خطیب جامع مسجد پیر بخاری بٹر سیالکوٹ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ اَلصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنْ لَّا نَبِیَّ بَعْدَہٗ

اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

میرے فاضل ساتھی مولانا قاری محمد اقبال عطاری صاحب نے کتاب ''فلسفہ معراج'' لکھی ہے' اسے دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی کہ میرے ساتھی نے بڑی محنت اور جانفشانی سے اس کتاب کو لکھا اور اس میں میرے کریم آقا ﷺ کے مقدس معجزات میں مشہور و معروف معجزہ معراج کا بڑی تفصیلی بیان لکھا ہے۔ میں پوری کتاب تو نہیں پڑھ سکا مگر چیدہ چیدہ صفحات کو پڑھ کر مجھے یہ اندازہ ہو گیا کہ یہ کتاب اپنی مثال آپ ہے۔ عطاری صاحب نے اس کتاب کو بڑے اچھے طریقے سے مرتب کیا ہے اور اس کی تحریر نہایت آسان لفظوں میں جسے عام آدمی بھی سمجھ سکے' تاکہ اُمت مسلمہ اس سے زیادہ سے زیادہ استفادہ حاصل کر سکے۔ غرض ہم جتنی بھی تعریف کریں کم ہے۔ ہم دل کی گہرائیوں سے دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ عطاری صاحب کے علم و قلم میں مزید برکات شامل کرے۔ اور اس سلسلہ کو ہمیشہ جاری و ساری رکھے۔ آمین۔

خادم اہل سنت

حافظ و قاری محمد امتیاز نقشبندی

خطیب جامع مسجد پیر قطب شاہ بخاریؒ

آف بٹر سیالکوٹ

تقریظ پنجم

حضرت علامہ حافظ رفیق نقشبندی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ
وَعَلٰی اٰلِہٖ وَصَحۡبِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ

میرے برادرِ مکرم مولانا العلامہ محمد اقبال قادری عطاری زید مجدہم نے کتاب معراج النبی ﷺ تصنیف فرمائی ہے۔ اس سے قبل مجھے حضرت زید مجدہم متعدد رسائل و کتب اشاعت دین کے لئے تصنیف فرما چکے ہیں۔ رب ذوالجلال نے آپ کو علم راسخ، فہم کامل، نظر بالغ، فکر صائب، مزاج متواضع، قلم سیال جیسی متعدد خوبیوں سے مالا مال فرمایا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ آپ کے مرشد شیخ ریقت حضرت علامہ مولانا محمد الیاس عطار قادری دامت برکاتہم العالیہ کا خصوصی روحانی تصرف آپ پر سایہ فگن ہے۔ اسی طرح فن وتدریس اور تالیف میں بھی آپ کو مہارت حاصل ہے۔

حضرت زید مجدہم کی کتاب کو میں نے بعض مقامات سے دیکھا ہے نہایت مفید اور تحقیق کا شاہکار پایا ہے۔ آپ نے نہایت سلیس اور شستہ زبان میں نہایت ادق مسائل کو بڑے عام فہم اور سہل انداز میں بیان فرمایا، جس کے مطالعہ سے آنکھیں ٹھنڈی، دماغ معطر اور دل مطمئن ہوا، جس کی جھلک پیش نظر کتاب میں نمایاں طور پر دکھائی دے رہی ہے۔ اس طرح حضرت زید مجدہم نے جامعہ صفیہ عطاریہ کے نام سے مسلک کی اشاعت وتبلیغ اور تدریس کی خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔

یہ فقیر اس قابل تو نہیں کہ حضرت موصوف کی کتاب پر تقریظ لکھے لیکن کتاب جس اخلاص ومحبت کے ساتھ تالیف کی گئی ہے، جس محنت سے مستند کتب کے حوالہ جات اور

مندرجات کو نقل کیا اور اس سے ماسوا یہ کہ جس جذبہ عشق رسول حضور پُرنور ﷺ کے تحت لکھی گئی ہے وہ کتاب کی ہر سطر میں نمایاں ہے۔ میری دعا ہے کہ رب ذوالجلال شرف قبولیت عطا فرمائے اور کتاب سے استفادہ کی سعادت نصیب فرمائے۔ حضرت موصوف زید مجدہم کے علم وعمل اور ظاہری و باطنی مراتب میں مزید اضافہ فرمائے اور مجھ سیہ کار کو اعمال خیر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

وصلی اللہ تعالٰی علٰی حبیبہ وصحبہ وسلم

فقیر حافظ محمد رفیق عثمانی نقشبندی
۱۳/رجب المرجب ۱۴۳۳ھ
خادمِ اعلیٰ جامعہ فیضان القرآن سیالکوٹ

تقریظ ششم

حضرت علامہ مولانا محمد افضل قادری

خطیب جامع مسجد نور نبی پکی کوٹلی سیالکوٹ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْمِ

اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی حَبِیْبِهٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّمْ

حمد وصلوٰۃ کے بعد: اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں اپنی وحدانیت کا پیغام دنیا تک پہنچانے کے لئے انبیاء کا سلسلہ شروع فرمایا۔ ان انبیاء کرام علیہم السلام کو اللہ تعالیٰ نے دعویٰ نبوت کے اظہار کے لئے معجزات عطا فرمائے۔ لوگ جب انبیاء کرام علیہم السلام سے اللہ تعالیٰ کے نبی ہونے کی دلیل مانگتے تو انبیاء کرام علیہم السلام اپنی نبوت کے اظہار کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کیا ہوا معجزہ دلیل کے طور پر پیش فرماتے۔

اس طرح ہر دور میں ہر ہر نبی کو جو معجزہ دیا گیا وہ اس دور کی تمام تر تحقیق اور علم سے بلند تر ہوتا تھا اور اس دور کا جو بھی فن اور ثقافت ہوتی وہ معجزہ اس پر حاوی ہوتا' تا آنکہ نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سراپا معجزہ بنا کر اس دنیا میں مبعوث فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے حضور تاجدارِ کائنات ﷺ کو سراپا معجزات بنا کر بھیجا مگر اس کے ساتھ ساتھ دیگر معجزات بھی عطا فرمائے۔ جیسے شق القمر' سورج کا واپس پلٹنا وغیرہ۔

مگر معراج مصطفیٰ ﷺ حضور ﷺ کا ایک ایسا معجزہ ہے جو کائنات کا عظیم ترین معجزہ ہے اور قیامت تک کے تمام تحقیق وعلوم اس معجزہ معراج کی گرد کو نہیں پہنچ سکتے۔

موصوف علامہ محمد اقبال عطاری صاحب جہاں انہوں نے دیگر موضوعات پر زور

قلم آزمایا ہے اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے معجزہ معراج النبی ﷺ پر بھی قلم اٹھایا ہے۔ میں نے ان کی کتاب معراج النبی ﷺ کو چیدہ چیدہ جگہ سے دیکھا ہے۔ علامہ موصوف نے معجزہ معراج کو نہایت احسن انداز میں تحریر فرمایا ہے اور کتاب میں بعض ایسے نکات پر اظہارِ خیال فرمایا ہے جو عام کتب میں دیکھنے کو نہیں ملتے۔ اللہ تعالیٰ علامہ صاحب کی سعی جمیلہ کو اپنی اور اپنے نبی کی بارگاہ میں قبول فرما کر دارین میں اجر عطا فرمائے۔

محمد افضل قادری

۱۴رجون ۲۰۱۲ء

تقریظ ہفتم

حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عابد حسین قادری

خطیب: جامع مسجد القریش بوچڑ خانہ سیالکوٹ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اللہ عزوجل کا کروڑ ہا شکر ہے کہ جس نے حضرت انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور میرے بہترین دوست مولانا محمد اقبال عطاری مدظلہ کو کثیر التعداد کتب تصنیف کرنے کی توفیق بخشی۔ مولانا موصوف کی دیگر کتب بھی نظر سے گزریں، مگر ان کی کتاب ہذا ''معراج النبی'' جس وقت میں نے پڑھی تو دل کو بڑی تسکین ملی۔ اس کتاب میں معجزہ کی تعریف، افادیت کو بڑے احسن انداز میں بیان کیا گیا اور واقعہ معراج کو مفصلاً اور اجمالاً ذکر کیا گیا۔ آخر میں میں دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ مولانا موصوف کے علم و عمل اور سوز و گداز اور قلم میں مزید برکتیں عطا فرمائے۔ آمین

العاجز

حافظ محمد عابد حسین قادری

مدرس: جامعہ نعمانیہ للبنات تاج محل

نزد سردار بیگم ہسپتال، سیالکوٹ

تقریظ ہشتم

حضرت علامہ مولانا حافظ تنویر احمد قادری وٹالوی
معنف کتب کثیرہ' ڈائریکٹر تحریک صوت السلام گجرات
خطیب مرکزی جامع مسجد آستانہ عالیہ ڈھوڈا شریف' گجرات

الحمد للہ! تصنیف و تالیف کا شعبہ بڑا حساس اور معاشرے کی اہم ترین ضرورت ہے۔ ہم غور کریں تو تصانیف کے شعبے میں بڑی بڑی جید ہستیوں نے قلم اٹھایا' مثلاً حضرت امام بخاری علیہ الرحمۃ' حضرت امام مالک علیہ الرحمۃ' حضرت امام زید علیہ الرحمۃ' حضرت امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ اسی طرح ہمارے مہربان دوست مولانا محمد اقبال عطاری پرنسپل جامعہ صفیہ عطاریہ پکی کوٹلی سیالکوٹ بھی بہت سی کتابوں کے مصنف ہیں' میں دعاگو ہوں کہ اللہ عزوجل موصوف کی اس سعی جمیلہ کو قبول فرمائے۔ آمین

عاجز
حافظ محمد تنویر احمد قادری وٹالوی
ڈائریکٹر ادارۃ المصنفین ڈھوڈا شریف
گجرات' لاہور

معرفت معجزہ

اللہ عزوجل کے فضل وکرم اور مہربانی سے اس کائناتِ ارض وسماء میں عجائبات کی ایک دنیا آباد ہے۔ ہر لمحہ پھیلتی ہوئی یہ کائنات جو اربوں، کھربوں کہکشاؤں پر مشتمل ہے، وسعت پذیری کے عمل سے گزرنے کے ساتھ ساتھ داخلی اور خارجی حوالوں سے بھی تغیر پذیر ہے۔ گویا ہر لحظہ تغیرات کا لحہ ہے، ہر ساعت نت نئے انکشافات کی ساعت ہے۔ اس کائنات رنگ وبو میں خالق کائنات کے فرستادہ رسولانِ مکرم اور انبیائے محتشم کے دست حق پرست پر قدرت خداوندی سے رونما ہونے والے ماورائے عقل واقعات کو ''معجزہ'' کہتے ہیں۔ معجزے کی کاملاً مادّی توجیہہ کسی طور بھی ممکن نہیں۔ اس کا تعلق ایمان، ایقان اور وجدان سے ہوتا ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی سبک سیر ترقی کے باعث جدید تر سائنسی انکشافات قدم قدم پر حیران کن حقائق پر سے پردہ اٹھا رہے ہیں کہ انسانی عقل دنگ رہ جاتی ہے اور تصویر حیرت بن کر اپنے دامن شعور کی تنگی کے احساس کا ماتم کرنے لگتی ہے۔ اگرچہ سائنس کائنات کے ان گنت رازہائے سربستہ سے بھی پردہ اٹھاتی دکھائی دیتی ہے لیکن اس کے باوجود وہ ان معجزانہ حقائق کی مادّی توجیہات پیش کرنے سے یکسر عاجز ہے جو خالق ارض وسماء نے اپنے انبیائے محتشم کے دست حق پرست پر صادر فرمائے۔ عقل انہیں تسلیم کرے یا نہ کرے یا خود بھی اِشکالات کا شکار ہو یا ذہن انسانی کو بھی غبارِ تشکیک سے آلودہ کرے، حقائق بہر حال حقائق ہیں، ان کے انکار سے اِن کی نفی لازم نہیں آتی۔ اگر ہم غور وفکر اور تدبر سے مادّے ہی کے اسرار ورموز پر سے پردہ اٹھائیں تو کائنات میں رونما ہونے والے محیر العقول واقعات کی توثیق بھی ملتی نظر

آتی ہے۔ سائنس جو مادّے کی کائناتی سچائیوں کی تعبیر اور انسانی زندگی میں اس کے عملی اطلاق پر مامور ہے۔ واضح اور روشن زبان میں دراصل عالم اسباب وعلل کے تحت رونما ہونے والے انہی محیر العقول واقعات کی مادّی توجیہہ وتعبیر کا فریضہ سرانجام دے رہی ہے۔ سائنسدان مادّے کی ارتقائی صورتوں کے مسلسل مشاہدے کے ذریعے اس نتیجے پر پہنچتے دکھائی دے رہے ہیں کہ کوئی تو ہے جو نظامِ ہستی چلا رہا ہے، وہی خدا ہے۔

سائنس عالم اسباب اور اللہ رب العزت کی طے کردہ فطرت کے قوانین کے مطالعہ کا نام ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ میں ذکر کیا ہے:

سَنُرِيهِمْ اٰيٰتِنَا فِي الْاٰفَاقِ وَفِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُ الْحَقُّ ؕ (حم السجدہ، ۴۱: ۵۳)

ہم عنقریب انہیں دنیا میں اور خود ان کی ذات میں (اپنی قدرت وحکمت کی) نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر یہ حقیقت عیاں ہو جائے کہ یہ (قرآن) حق ہے۔

عالم اسباب کو اپنا موضوع بحث بنانے والی سائنس عالم مافوق الفطرت کے مطالعہ سے تو کجا اس کی ابجد کے شعور سے بھی محروم ہے۔ آج جو اعمال وافعال ہم اسباب اختیار کر کے سرانجام دیتے ہیں اور انہیں سائنس وٹیکنالوجی کی ترقی کے مظہر قرار دیتے ہیں، ان میں سے بہت سے اعمال اسباب وعلل کے بغیر سائنسی زبان میں یکسر ناممکن قرار پاتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ سائنس اپنے مخصوص دائرہ کار (عالم اسباب) میں مقید ہونے کے سبب مادون الاسباب اور مافوق الفطرت افعال کا سرانجام دینا تو کجا ان کی تعبیر وتوجیہہ اور تفہیم وتوثیق کے قابل بھی کسی صورت نہیں ہو سکتی۔ یہاں اس امر کی وضاحت ضروری ہے کہ معجزہ کسی مادّی تعبیر وتفہیم یا توجیہہ وتوثیق کا محتاج نہیں، مقصود صرف اس امر کی نشاندہی ہے کہ جن حقائق کا انکشاف حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے آج سے چودہ سو سال قبل وحی الٰہی اور علم نبوت کی بنیاد پر کیا تھا، آج سائنس اپنے

ارتقائی سفر کے ان گنت مراحل طے کرنے کے بعد ان حقائق کی اپنی سی جزوی تعبیر و توجیہہ کرنے کے قابل ہوئی ہے۔ یقیناً اس بات کا امکان موجود ہے کہ سائنس آگے چل کر اپنے موجودہ نظریات سے رجوع کر لے یا ان میں ترمیم و اضافہ کو ضروری گردانے، لیکن ہمارے لئے سرکار دو عالم، نور مجسم، شاہ بنی آدم، رسول محتشم تاجدارِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ اقدس سے نکلا ہوا ہر حرف، حرفِ آخر ہے اور یہی ہماری ایمانیات کا بنیادی پتھر ہے۔

معجزہ کا لغوی مفہوم

لفظ معجزہ کا مادّہ اشتقاق: عجز، یعجز عجزا ہے، جس کے معنی: ''کسی چیز پر قادر نہ ہونا''، ''کسی کام کی طاقت نہ رکھنا'' یا ''کسی امر سے عاجز آجانا'' وغیرہ ہیں۔ محاورہ عرب میں کہتے ہیں: عجز فلان عن العمل ''فلاں آدمی وہ کام کرنے سے عاجز آ گیا۔'' أی کبرو صارلا یستطیعہ فہو عاجز (المنجد: ۴۸۸) یعنی اس کام کا بجالانا مشکل بھی ہے اور وہ اس کام کو کرنے کی استعداد بھی نہیں رکھتا...... اسے رُو بہ عمل لانے کی بنیادی صلاحیت اس میں موجود نہیں، اس لئے وہ یہ کام کرنے سے عاجز ہے۔ المفردات میں امام راغب اصفہانی معجزے کا مفہوم بیان کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

> والعجز أصله التاخر عن الشي و حصوله عند عجز الأمر، أی: مؤخره ...... وصار فی التعارف اسماء للقصور عن فعل الشیء، وهو ضد القدرة
>
> ''عجز'' کے اصلی معنی کسی چیز سے پیچھے رہ جانے یا اس کے ایسے وقت میں حاصل ہونے کے ہیں جبکہ اس وقت نکل چکا ہو...... عام طور پر یہ لفظ کسی کام کے کرنے سے قاصر رہ جانے پر بولا جاتا ہے اور یہ ''القدرة'' کی ضد ہے۔

معجزہ کا اِصطلاحی مفہوم

مختلف ادوار میں اربابِ علم وفن نے معجزہ کی مختلف تعریفات بیان کی ہیں۔

چند اہم تعریفات یہ ہیں:

۱ – أمر خارق العادة يعجز البشر عن أن يأتوا بمثله ۔

(المنجد:۴۸۸)

معجزہ اس خارق العادت چیز کو کہتے ہیں جس کی مثل لانے سے فرد بشر عاجز آ جائے۔

۲–قاضی عیاض مالکی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

اعلم ان معنى تسميتنا ما جاء ت به الأنبياء معجزة هو أن الخلق عجز و اعن الاتيان بمثلها ۔ (الشفاء،۱:۳۴۹)

یہ بات بخوبی جان لینی چاہیے کہ جو کچھ انبیاء علیہم السلام اپنے ساتھ لے کر آتے ہیں اسے ہم نے معجزے کا نام اس لئے دیا ہے کہ مخلوق اس کی مثل لانے سے عاجز ہوتی ہے۔

۳–امام خازن رحمۃ اللہ علیہ معجزہ کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

المعجزة مع التحدى من النبى قائمة مقام قول الله عزوجل: "صدق عبدى فاطيعوه و اتبعوه" و لأن معجز النبى شاهد على صدقه فيما يقوله سميت المعجزة معجزة لأن الخلق عجزوا عن الاتيان بمثلها ۔ (تفسیر الخازن،۲:۱۲۴)

"میرے بندے نے سچ کہا: پس تم اس کی (کامل) اطاعت اور پیروی کرو۔" اس لئے کہ نبی ورسول کا معجزہ جو کچھ اس نے فرمایا ہوتا ہے اس کی حقانیت اور صداقت پر دلیل ناطق ہوتا ہے اسے (عرفاً وشرعاً) معجزہ کا نام اس لئے دیا گیا ہے کہ اس کی مثل (نظیر) لانے سے مخلوق انسانی عاجز ہوتی ہے۔

۴– المعجزة عبارة عن اظهار قدرة الله سبحانه و تعالى وحكمته على يد نبى مرسل بين أمته بحيث يعجز اهل

عصرہ عن ایراد مثلھا ۔(معارج النبوۃ،۴:۲۷۷)۔

معجزہ اللہ سبحانہ، وتعالیٰ کی قدرت اور حکمت کا اس کے برگزیدہ نبی کے دست مبارک پر اظہار ہے تاکہ وہ اپنی امت اور اہل زمانہ کو اس کی مثل لانے سے عاجز کردے۔

فطرتِ حضرت انسان اور تسلیم حق

کشورِ ایمان وایقان تسلیم ورضا کی خوئے دلنواز سے آباد ہے، لیکن حق وصداقت کو قبول کرنا عقلی اور رُوحانی دونوں حوالوں سے انسان کا بنیادی مسئلہ رہا ہے۔ عقل وشعور کے سارے دائرے انسان کے اسی بنیادی مسئلے کی ماہیت اور اصلیت کو سمجھنے کے لئے مصروفِ عمل ہیں۔ تاریخ ارتقائے نسل انسانی اس امر کی شاہد عادل ہے کہ حق وصداقت کو قبول وتسلیم کرنے کے حوالے سے انسانی فطرت ہمیشہ دو طریقوں سے مانوس رہی ہے۔ ایک یہ کہ مدعیٔ حق کی صداقت اور حقانیت دلائل وبراہین کے ذریعہ ثابت ہو جائے اور ذہن انسانی اسے دل وجان سے قبول کرلے۔ دوسرا یہ کہ دلائل وبراہین کے ساتھ ساتھ عقلی بنیادوں کے علاوہ اذن الٰہی سے اللہ کے نبی یا اس کے رسول کے دست اقدس سے ایسے عجیب اور حیرت انگیز امور صادر ہوں جو عام قوانین قدرت کے تابع ہوں اور نہ ظاہری اسباب وعلل ہی کے محتاج، حتیٰ کہ ان کا تعلق اکتساب علم وفن سے بھی نہ ہو۔ عوام وخواص ان کے مقابلے میں نہ صرف عاجز آجائیں بلکہ اسباب وعلل کے دائرے میں رہتے ہوئے ان کی تخلیق وایجاد سے بھی کلیتاً بے بس ہو جائیں۔

پہلے طریق کے ساتھ دوسرا طریق انسانی عقل وفکر اور ہوش وتدبیر کو یہ سوچنے پر مجبور کردیتا ہے کہ داعیٔ حق (نبی یا رسول) کا یہ فعل ہرگز ہرگز اس کا ذاتی فعل نہیں بلکہ اس واقعہ کے پس منظر میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کارفرما ہے۔ اس حقیقت کو قرآنِ مجید نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى ج (الانفال، ۸:۱۷)

(اے حبیبِ محتشم!) جب آپ نے (ان پر سنگریزے) مارے تھے (وہ) آپ نے نہیں مارے تھے بلکہ (وہ تو) اللہ نے مارے تھے o

فرمایا جا رہا ہے کہ: "اے حبیب! یہ فعل آپ کا نہ تھا بلکہ ہمارا تھا۔ آپ کے دشمنوں پر خاک آپ نے نہیں ہم نے پھینکی تھی۔" دوسرے لفظوں میں اللہ معجزے کے ذریعے اپنے نبی کا دِفاع بھی کرتا ہے اور اس کی عظمت کا سکہ بھی انحراف کرنے اور قبول کرنے والوں کے دلوں پر بٹھاتا ہے۔

حق کو تسلیم کرنے کے دو فریق

مذکورہ دونوں طریق کی قبولیت کے حوالے سے دو گروہ پائے جاتے ہیں۔ پہلا گروہ ان اصحاب علم و دانش پر مشتمل ہے جو امور و مسائل پر غور و فکر کرنے اور سوچنے سمجھنے میں اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک ہیں۔ ان کے نزدیک قبولیت کا پہلا طریق زیادہ موثر اور کارگر ہے، جبکہ دوسرے طریق کو وہ پہلے کی تائید و تصدیق کی حیثیت سے قبول کرتے ہیں۔ دعویٰ نبوت کی صداقت پر عملی دلیل دیکھنے سے ان کے یقین میں اضافہ ہوتا ہے اور وہ بلا تامل دائرہ ایمان میں داخل ہو جاتے ہیں۔ دوسرا گروہ ان ارباب، قوت و اقتدار اور عام انسانوں پر مشتمل ہے جو عجائب سے متاثر ہوتے ہیں۔ محیر العقول واقعات سے اثر پذیری ان کے مزاج کا حصہ ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں کے لئے طریق ثانی زیادہ کارگر ثابت ہوتا ہے جب یہ لوگ اللہ کے برگزیدہ نبی اور رسول کے معجزانہ افعال کا کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کرتے ہیں اور انہیں قوانین قدرت اور ظاہری اسباب و علل سے ماوراء دیکھتے ہیں تو وہ یہ یقین کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ نبی یا رسول کے اس معجزانہ فعل میں اللہ کا ارادہ ضرور کارفرما ہے۔ یہ اسی کی قدرت کاملہ سے ظہور پذیر ہو رہا ہے جو ہر چیز پر قادر اور اس کائنات رنگ و بو کا خالق و مالک ہے۔ یوں وہ اس معجزے کو "آیۃ اللہ" تصور کرتے

ہوئے دل و جان سے قبول کر لیتے ہیں۔ قرآنِ حکیم فرقانِ مجید نے اکثر مقامات پر پہلے طریق ہی کو ''حجۃ اللہ''، ''برہان'' اور ''حکمۃ'' کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ سورۂ انعام میں اسلام کے بنیادی عقائد بیان کرنے کے بعد فرمایا:

قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ج (الانعام، ۶:۱۴۹)

فرما دیجئے کہ دلیل محکم تو اللہ ہی کی ہے۔

ایک دوسرے مقام پر سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرے میں فرمایا:

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ط (الانعام، ۶:۸۳)

اور یہی ہماری (توحید کی) دلیل تھی جو ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنی (مخالف) قوم کے مقابلہ میں دی تھی۔

نبیوں اور رسولوں کے حوالے سے ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے:

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَ مُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌ م بَعْدَ الرُّسُلِ ط (النساء، ۴:۱۶۵)

رسول جو خوشخبری دینے والے اور ڈر سنانے والے تھے (اس لئے بھیجے گئے) تاکہ (ان) پیغمبروں (کے آجانے) کے بعد لوگوں کے لئے اللہ پر کوئی عذر باقی نہ رہے۔

سورۂ نساء میں ہی ایک اور مقام پر فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ (النساء، ۴:۱۷۴)

اے لوگو! بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے (ذاتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں ذاتِ حق جل مجدہٗ کی سب سے مضبوط، کامل اور واضح) دلیل قاطع آ گئی ہے۔

سورۂ یوسف میں فرمایا:

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ

بِالَّتِیۡ ہِیَ اَحۡسَنُ ؕ (النحل،۱۶:۱۲۵)

(اے رسولِ معظم!) آپ اپنے ربّ کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ بلایئے اور ان سے بحث (بھی) ایسے انداز سے کیجئے جو نہایت حسین ہو۔

سورۂ نساء ہی میں ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَ اَنۡزَلَ اللّٰہُ عَلَیۡکَ الۡکِتٰبَ وَ الۡحِکۡمَۃَ (النساء،۴:۱۱۳)

اور اللہ نے آپ پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی ہے۔

قرآن کے کائناتی اسلوب کا ایک منفرد وصف یہ بھی ہے کہ اس میں گنجلک سے گنجلک مسئلہ بھی کھول کھول کر بیان کیا گیا ہے تاکہ ذہن انسانی پر ہر مسئلہ اور مسئلے کا ہر پہلو روزِ روشن کی طرح واضح ہو جائے۔ چنانچہ قرآنِ مجید میں دوسرے طریق دلیل کو اکثر آیۃ اللہ یا آیات اللہ اور بعض مقامات پر آیاتِ بینات یا صرف بینات کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے۔ حضرت صالح علیہ السلام کی اونٹنی کے بارے میں فرمایا:

قَدۡ جَآءَتۡکُمۡ بَیِّنَۃٌ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ ؕ ہٰذِہٖ نَاقَۃُ اللّٰہِ لَکُمۡ اٰیَۃً (الاعراف،۷:۷۳)

بیشک تمہارے پاس تمہارے ربّ کی طرف سے ایک روشن دلیل آ گئی ہے۔ یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے نشانی ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا ذکر کرتے ہوئے بیان فرمایا:

وَ لَقَدۡ اٰتَیۡنَا مُوۡسٰی تِسۡعَ اٰیٰتٍۭ بَیِّنٰتٍ (بنی اسرائیل،۱۷:۱۰۱)

اور بے شک ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو نو روشن نشانیاں دیں۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کی والدہ ماجدہ حضرت مریم علیہ السلام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

وَ جَعَلۡنٰہَا وَ ابۡنَہَاۤ اٰیَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ ○ (الانبیاء،۲۱:۹۱)

اور ہم نے اسے اور اس کے بیٹے (عیسیٰ) کو جہان والوں کے لئے (اپنی

قدرت کی) نشانی بنادیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کے حوالے سے فرمایا:

اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ۝ (المائدہ، ۵:۱۱۰)

جب تم ان کے پاس واضح نشانیاں لے کر آئے تو ان میں سے کافروں نے (یہ) کہہ دیا کہ: "یہ تو کھلے جادو کے سوا کچھ نہیں"۔

سورۂ بقرہ میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ (البقرہ، ۲:۲۵۳)

اور ہم نے مریم کے فرزند عیسیٰ (علیہ السلام) کو واضح نشانیاں عطا کیں۔

معجزہ پیغمبرانہ جلال کا آئینہ دار ہوتا ہے

حضرت محترم بلاشبہ باری تعالیٰ نے ہر دور میں اپنے برگزیدہ نبیوں اور رسولوں کو آیات و معجزات سے نوازا کیونکہ اللہ رب العزت کو اپنے ان مقرب نبیوں اور رسولوں کی عظمت کا اظہار مقصود تھا کہ لوگ انہیں احترام اور تقدس کی نگاہ سے دیکھیں۔ ساری کائنات انسانی ہر دور میں معجزاتِ انبیاء علیہم السلام کے سامنے بے بسی اور عاجزی کی تصویر بنی رہی۔ اللہ کے نبیوں اور رسولوں کو اگرچہ ابتلاء و آزمائش کے ان گنت مراحل سے گزرنا پڑا، اعلانِ حق پر باطل اپنے تمام تر مادی وسائل کے ساتھ حرکت میں آتا اور روشنی کی راہ میں دیوار بننے کی کوشش کرتا رہا۔ ذہنوں میں فتنے پرورش پاتے رہے، سازشیں تیار ہوتی رہیں، اکثر و بیشتر ان مقربانِ خدا کو مرحلہ ہجرت سے بھی گزرنا پڑا، تاہم ان کے منصبِ رسالت و نبوت کے گرد جلال و جمال کا ہالہ پوری آب و تاب کے ساتھ روشن رہا اور کفر اپنی تمام تر مخالفتوں اور چیرہ دستیوں کے باوجود ان پیکرانِ وفا کو جھٹلانے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ کفار و مشرکین پیغمبرانہ جلال اور معجزات کے ظہور کے سامنے بے بس نظر آتے ہیں۔ عقل و خرد ہر دور میں متعجب و حیران ہوئی، کبھی تسلیم کرنے

کے لئے آگے بڑھی اور کبھی انکار پر اتر آئی۔ کبھی زبانیں تعصب کے زہر سے آلودہ ہو کر سحر سحر کا راگ الاپنے لگیں اور کبھی غرور و تکبر اور گھمنڈ قبولِ حق کی راہ میں آن کھڑا ہوا۔ دل اقرار اور زبانیں انکار کرتی رہیں۔ چونکہ معجزہ ایک ابدی حقیقت ہے اس لئے قبولِ حق سے انکار کے باوجود اسے دل سے جھٹلایا نہیں جا سکتا۔

اللہ عزوجل کی عطا

قارئین کرام! مقصد، ضرورت اور افادیت ہی ارض و سماوات کی تمام تر گردشوں کا مرکز و محور ہے۔ خالق کائنات نے کوئی چیز بھی مقصد کے بغیر پیدا نہیں کی، یہ الگ بات ہے کہ ہماری عقل کسی چیز کی غایت تخلیق کے تمام تر پہلوؤں کا احاطہ کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ضرورتِ معجزہ کیا ہے؟ عقل کو عاجز کر دینے والے واقعات اور مشاہدات کے ظہور سے کیا مقصود ہے؟ دوسرے لفظوں میں منزلِ حق کے لئے ہدایت آسمانی کے فروغ میں اور نبی یا رسول کی عظمت و فضیلت کے اظہار میں معجزے کی اہمیت و افادیت کیا ہے؟ نبی اور رسول کی بعثت کا مقصد کائناتِ انسانی کی رُشد و ہدایت اور خیر و فلاح ہوتا ہے۔ انبیاء و رُسل وحی الٰہی کے ذریعہ ہدایات خداوندی وصول کر کے اپنے فرائض منصبی ادا کرتے ہیں اور علم و برہان اور محبت حق کے ذریعہ اللہ کی وحدانیت اور اپنے مشن کی صداقت و حقانیت کا یقین دلاتے ہیں۔ وہ ہرگز ہرگز یہ دعویٰ نہیں کرتے کہ وہ فطرت اور ماورائے فطرت اُمور میں تصرف اور تغیر کی مستقل بالذات قدرت رکھتے ہیں۔ یہ معجزات خدائے دو جہاں کی قدرتِ کاملہ کے مظہر ہوتے ہیں۔ انبیاء بارہا یہ اعلان کرتے ہیں کہ وہ اللہ ربّ العزت کی طرف سے بشیر و نذیر اور داعی الی اللہ بنا کر بھیجے گئے ہیں۔

تاریخ انسانی گواہی ہے کہ جب اللہ کا نبی یا اس کا رسول اپنی نبوت کا اعلان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ وہ منصب نبوت یا منصب رسالت پر مامور من اللہ ہے، یعنی یہ منصب اسے ربّ کائنات نے عطا کیا ہے تو اس کا ہرگز ہرگز یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ منصب اسے

عبادات و مجاہدات اور نیک افعال و اعمال کے صلے میں عطا ہوا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ منصب محض عطائے الٰہی سے حاصل ہوتا ہے۔ نبی یا رسول اس عظیم منصب پر فائز ہو کر انسانوں کی رہنمائی کا فریضہ سرانجام دیتا ہے اور انسان کے مقصد تخلیق کا احیاء کرتا ہے، فطرت کے مقاصد کی نگہبانی کرتا ہے اور اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ معاشرے میں آسمانی ہدایت کے نفاذ کی بھرپور سعی کرتا ہے، اپنی جدوجہد کو نتیجہ خیز بناتا ہے اور کرۂ ارضی پر پرامن معاشرے کے قیام کے بعد اس کی کامیابی کو ہدایت آسمانی کی روشنی میں اپنا راستہ متعین کرنے سے مشروط کرتا ہے۔

معجزے کی حاجت

۱۔ انسانی ذہن اس طرف متوجہ ہو سکتا ہے کہ اگر اس نبی یا رسول کا دعویٰ نبوت و رسالت صحت پر مبنی ہے تو اس نبی یا رسول کو اللہ کے حضور یقیناً ایسا مقام قرب حاصل ہوگا جو عام انسانوں کو میسر نہیں ہو سکتا۔

۲۔ تاریخ شاہد عادل ہے کہ اللہ کے نبیوں اور رسولوں کی دعوت و تبلیغ سے باطل کے ایوان لرز اٹھتے اور فرسودہ نظام کی دیواروں میں دراڑیں پڑ جاتیں، ظالمانہ رسم و رواج اور عقائد باطلہ کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا اور پھر باطل کے ہر نشان کو مٹانے کے لئے عملاً میدانِ کارزار میں سینہ سپر ہونا اور اپنے وقت کی باطل استحصالی قوتوں کو للکارنا ان برگزیدہ ہستیوں کے کارِ نبوت میں سرفہرست رہا ہے۔

۳۔ ذہن انسانی میں اُبھرنے والے اَن گنت شکوک و شبہات کا ازالہ معجزے کے ظہور سے ہوتا ہے۔ یہ اللہ اور اس کے نبی کے درمیان ایک رُوحانی واسطہ اور رابطہ کی علامت بھی ہے۔ اللہ کے نبیوں اور رسولوں سے ماورائے فطرت اور خارقِ عادت اُمور کا صدور ان کے دعویٰ نبوت کا ثبوت بھی ہے۔ معجزات دراصل قربِ الٰہی کی نشانی اور تائید کے مظہر ہوتے ہیں۔

۴۔ اَنبوہِ اولادِ آدم میں ایسے گروہ اور طبقات بھی ہوتے ہیں جو خود بھی نشۂ اقتدار و

قوت میں مبتلا ہوتے ہیں اور زبان بھی اقتدار اور قوت ہی کی سمجھتے ہیں۔ ان پر کوئی امر حق اس وقت تک موثر نہیں ہوتا جب تک ان کے تکبر اور رعونت کو غیبی ٹھوکر سے جگایا نہ جائے اور ان کے شعور کو فطرت کے جلال و جمال کے مظاہروں سے بیدار نہ کیا جائے۔ وہ اس بات کے منتظر رہتے ہیں کہ اللہ کے پیغمبر کے دست حق پرست پر کوئی ایسا معجزہ صادر ہو یا عقل کو عاجز کر دینے والے ایسے امر کا ظہور ہو جس کے بعد اس پیغمبر کی صداقت اور حقانیت کو جھٹلانے کا ان کے پاس کوئی جواز باقی نہ رہے اور ان کو یقین ہو جائے کہ وہ واقعی اللہ کے پیغمبر ہیں اور رب کائنات نے بغیر اسباب و علل کے انہیں یہ عظیم معجزہ عطا فرمایا ہے۔ وہ قادرِ مطلق یقیناً ہر لحہ اپنے نبی کی دستگیری کر رہا ہے۔ اس نبی کو اپنے خالق کی ہر آن تائید غیبی حاصل ہے۔

جدید سائنسی تحقیقات اور معجزہ

حضرات قارئین کرام!

ابتدائے آفرینش سے آج تک تاریخ ارتقائے انسانی اس امر پر شاہد عادل ہے کہ اس کرۂ ارضی پر بسنے والی اولادِ آدم نے مادّی اور رُوحانی دونوں دنیاؤں میں تحقیق و جستجو اور علم و عمل کے چراغوں کی روشنی میں حرفِ حق کی تلاش کا سفر ہمیشہ جاری رکھا ہے۔ ہر عہد کی اپنی ایک سچائی ہوتی ہے۔ ذہن انسانی ہر واقعہ اور ہر نظریہ کو اس سچائی کی کسوٹی پر رکھتا ہے اور قلب و نظر میں تیقن کے چراغ جلا کر اطمینان، سکون، امن، آسودگی اور عافیت کے جواہر سے اپنے دامن آرزو کو سجاتا ہے۔ فاران کی چوٹیوں پر جب ہر عہد کی دانش کا آفتاب بے لازوال طلوع ہوا تو دنیا جہالت اور گمراہی کے اندھیروں کی دبیز تہہ میں لپٹی ہوئی تھی، شعور و آگہی کی ہر کرن غبار تشکیک کے تاریک سمندر کا رزق بن چکی تھی۔ اگر کہیں تفکر کے چراغ روشن بھی تھے تو وہ بھی فلسفیانہ مُوشگافیوں اور عقل عیار کی من مانی تاویلات کی گرد میں کچھ اس طرح سے اَٹے ہوئے تھے کہ زندگی کے آئینہ خانے کا ہر عکس

اپنی شناخت سے محروم ہو چکا تھا اور ہر طرف مقصدیت سے محروم بے چہرہ لوگ ہجوم در ہجوم جنگل کی خوفناک تاریکی میں بھٹک رہے تھے۔

ظہورِ اسلام کے وقت دنیا سائنسی علوم سے یکسر نابلد تھی۔ یونانی فلسفہ ہی عقل کا معیار متصور ہوتا تھا۔ تفسیر حیاتِ انسانی فلسفے کی لوح پر رقم تھی اور جملہ حقائق و واقعات کو فلسفے کے حوالے سے دیکھنے کا رواج تھا۔ چنانچہ اوائل دورِ اسلام میں یونانی فلسفے سے متاثر سیرت نگار حضور مختارِ کل کائنات فخر موجودات آمنہ کے لال حضور ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزات کو فلسفے کی روشنی میں حق ثابت کرتے نظر آتے ہیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ دورِ اسلام کی ابتدائی صدیوں میں معجزات حضور سرکار مدینہ، راحت قلب وسینہ فیض گنجینہ صلی اللہ علیہ وسلم کے موضوع پر جتنا بھی علمی کام ہوا اس کے پس منظر میں یہی فلسفیانہ توجیہات کارفرما تھیں۔

آج کا دور سائنس کا دور ہے، جس میں سائنٹیفک اپروچ (Scientific Approach) ہر تحقیق کا بنیادی وصف قرار پائی ہے۔ آج کا کم پڑھا لکھا سادہ انسان جو سائنسی علوم سے براہِ راست اس قدر شغف نہیں رکھتا، وہ بھی کم از کم سائنسی طریق کار سے آگاہ ضرور ہے۔ اس کے اطمینان قلب کے لئے بھی سائنس کو کسوٹی بنا کر حقائق کو پرکھنے کا عمل جاری رکھنا ضروری ہے۔ جدید ذہن محض سنی سنائی بات پر یقین نہیں رکھتا۔ ہمارے عہد کے بچے بھی جگنو کی روشنی کو دن کے اجالوں میں پرکھنے کی ضد کرتے ہیں۔ شعور و ادراک کی یہ منزل صحت مند سوچ کے ایوان کا بنیادی پتھر ہے۔

جس طرح کا زمانہ اس طرح کے تقاضے

عہد جدید کا ایک عام آدمی بھی جانتا ہے کہ سائنسی بنیادوں پر کام کرنے سے نتائج کس طرح درست برآمد ہوتے ہیں۔ چنانچہ عصر حاضر کے انسان سے مخاطب ہونے اور اسے اسلامی عقائد و تعلیمات سے روشناس کرانے کے لئے کہ وہ ان عقائد و تعلیمات کو اپنے روز و شب کا عنوان بنالے ''جدید علم کلام'' کی ضرورت ہے۔ موجودہ دور ''صغریٰ''

اور ''کبریٰ'' کے مابین واقع ''حدِ اوسط'' کو گرا کر ''نتیجے'' تک پہنچنے کا دور نہیں بلکہ اس دور میں تجربہ، مشاہدہ، مفروضہ اور پھر بارہا تجربات سے حاصل شدہ تنظیم نتائج کے ذریعے ''نظریئے'' تک پہنچنے کا اسلوب، حقیقی عقلی اسلوب کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔ ہر عہد کے بنیادی تقاضے مختلف ہوتے ہیں۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے: ''اپنے بچوں کو وہ تعلیم نہ دو جو تمہارے والدین نے تمہیں دی تھی، کیونکہ ان کا زمانہ تمہارے زمانے سے مختلف ہے۔'' یہ انتہائی ترقی پسندانہ رویہ اجتماعی سطح پر وہی قومیں اپنا سکتی ہیں جو ستاروں پر کمندیں ڈالنے کے ہنر سے بہرہ ور ہوں اور جو آسمان کے کناروں سے نکل کر تسخیر کائنات کے سفر کو اپنا شعار بنائیں۔

قرونِ وسطیٰ میں یونانی فلسفے کی اسلامی عقائد پر یلغار کے جواب میں اس دور کے علمائے کرام اور ائمہ عظام نے علم کلام کو فروغ دیا اور اس کے ذریعے ثابت کیا کہ اسلام ہی وہ سچا دین ہے جو ہر شعبہ زندگی میں انقلاب آفریں تبدیلیوں کا متمنی ہے۔ آج کے زوال پذیر دور میں اگر ہم عظمت رفتہ کی بازیابی کے آرزومند ہیں اور چاہتے ہیں کہ ہم قوموں کی امامت کا فریضہ سرانجام دیں اور ہر دستارِ فضیلت ہمارے برہنہ سروں کا مقدر بنے تو ہمیں تبلیغ دین اور فروغِ اسلام کا سارا کام از سرِ نو سائنسی بنیادوں پر مرتب کرتے ہوئے ذہن جدید کو یہ باور کرانا ہوگا کہ بطور نظامِ حیات اسلام کے نفاذ کے جتنے امکانات آج روشن ہیں شاید ماضی قریب میں اس سے پہلے کبھی نہ تھے۔ ہمیں سائنسی بنیادوں پر اسلام کی حقانیت کا پرچم بلند کرنا ہوگا۔ مستشرقین کے بے تکے الزامات کا منہ بند کرنے کے لئے ...... فقط جذباتی سطح پر نہیں ...... عقلی اور فکری سطح پر کام کرنے کی ضرورت ہے۔ ہمیں اپنا پس منظر اور پیش منظر روشنیوں سے تحریر کرنے کے لئے جدید علم کلام کو اپنانا ہوگا تاکہ ہم سائنسی اندازِ فکر رکھنے والے آج کے جدید معاشروں کے ناآسودہ ذہنوں کو آسودہ لمحوں کی بشارت دینے کا کارنامہ سرانجام دیتے ہوئے انہیں نظری اور فکری حوالوں سے یہ باور کرا سکیں کہ اسلام ہی ہر دور کے انسان کا فطری عقیدہ ہے اور سکون سے محروم انسان

کو اگر امن، عافیت اور آسودگی کی تلاش ہے تو اسے دہلیزِ مصطفےٰ حضور سرکار مدینہ، راحت قلب وسینہ فیض گنجینہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جھک جانا ہوگا کہ اس دہلیز سے پھوٹنے والی روشنی کی ہر کرن معجزاتی تاثیر لئے ہوئے ہے جو انسان کے حال وقال دونوں کو لذتِ آشنائی سے ہمکنار کرنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔

معجزہ ایک اَزلی صداقت کا نام ہے

یہاں اس امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ فلسفہ وسائنس معجزے کی حقیقت کو حیطہ شعور میں لانے میں ممد ومعاون تو ثابت ہو سکتے ہیں اور ایمان کی پختگی کا باعث بھی بن سکتے ہیں لیکن انہیں معجزات کی تفہیم کی اساس یا کلید قرار نہیں دیا جا سکتا، اس لئے کہ معجزات جو ربِ کائنات کی قدرتِ مطلقہ کا مظہر ہوتے ہیں کسی فلسفیانہ اور سائنسی توجیہہ کے محتاج نہیں ہوتے۔ معجزہ ایک اَزلی صداقت کا نام ہے۔ یہ بات بھی ذہن نشین رہنی چاہئے کہ معجزہ وہ حقیقت ہے جو عقل انسانی کی تمام تر پرواز سے بالاتر ہے۔ معجزہ خلافِ معمول اور خارقِ عادت افعال میں سے ہے۔ اس لئے کہ یہاں عقل مجبورِ محض ہو کر رہ جاتی ہے۔ تاجدارِ کائنات حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ ستودہ صفات تو سراپا معجزہ ہے۔ وہ اس لئے بھی کہ قرآن اگر معجزہ ہے...... اور یقیناً ہے...... تو صاحبِ قرآن کی حیاتِ مقدسہ کا اسلوب بھی تمام معجزاتی کمالات کی تفسیر وتعبیر ہے۔ جس طرح آقائے نامدار حضور سراج السالکین، راحت العاشقین، سید المبلغین صلی اللہ علیہ وسلم تمام نبیوں اور رسولوں کے جلو میں ممیز وممتاز حیثیت کے مالک ہیں اور منصب اُولیٰ پر جلوہ افروز ہیں، بالکل اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزاتی نظم بھی انبیائے ماسبق کے معجزات پر حاوی ہے اور انبیاء کے گروہ پاکبازاں کا کوئی فرد بھی نبوت کے خصائص و کمالات میں اور عظمت معجزات میں حضور سراج السالکین، راحت العاشقین، سید المبلغین درِ یتیم، آمنہ کے لال صلی اللہ علیہ وسلم کا ہمسر نہیں۔

بے بسی انسانی عقل کی

عقل کو کسی مسئلہ کی تفہیم کے لئے ایک خاص طریق کار میں سے گزرنا ہوتا ہے اور ایک خاص اسلوب اپنانا ہوتا ہے۔ مثلاً جب تک کوئی چیز آنکھوں سے دکھائی نہ دے عقل اس کے عدم اور وجود میں امتیاز نہیں کر سکتی، زبان جب تک کسی چیز کو چکھ نہ لے عقل اس کے ذائقے کی نوعیت کو پہچاننے سے معذور ہوتی ہے، ہاتھ جب تک کسی چیز کو چھو نہ لیں عقل اس کی سختی یا نرمی کا تعین کرنے سے قاصر رہتی ہے۔ انسان کو اپنی عقل پر بڑا ناز ہے، بھولا بھٹکا انسان یہ سمجھ بیٹھا ہے کہ جو چیز عقل کے حیطۂ ادراک میں نہ آسکے وہ حقیقت ہی نہیں۔ ذہن انسانی آج بھی غبارِ تشکیک کی تاریکیوں میں گم ہے۔

یہ دورِ تشکیک نیا نہیں بلکہ آج سے تین ہزار سال پہلے بھی اس کرۂ ارضی پر ایسے ہی ایک دور کا غلبہ ہوا تھا، جو تاریخ کا متمدن دور کہلاتا ہے۔ مادّی حوالے سے انسان ترقی کی کئی منازل طے کر چکا تھا۔ جمہوری شعورِ انسانی سوچوں کا مرکز و محور بنا ہوا تھا۔ یونان کی فضائیں علم و ہنر کی روشنی سے معمور تھیں لیکن فکری اور روحانی طور پر بانجھ ساعتوں کا قافلہ بھی زمین پر اتر آیا تھا۔ فلاسفہ یونان نے اپنی سوچ اور فہم و ادراک کی تاریخ کا آغاز بھی اسی نکتے سے کیا تھا کہ جس بات کا ادراک عقل کرے وہ حقیقت، باقی سب فسانہ۔ فلسفہ کی تاریخ میں اس دور کو دورِ اوّلیت کہا جاتا ہے۔

یونانی فلاسفرز کے نزدیک کسی بھی چیز کی حقیقت کو جاننے کا ذریعہ محض عقل ہی ہے لیکن اس کے ساتھ وہ اس حقیقت سے بھی انکار نہ کر سکے کہ ہزاروں حقیقتیں ایسی بھی ہیں کہ جن کو عقل انسانی بھی سمجھنے سے قاصر ہے۔ اس لئے کہ عقل انسانی کا انحصار حواسِ خمسہ پر ہے۔ گویا عقل کی بنیاد پر اٹھائے گئے افکار و نظریات کی خود ہی نفی کر دی گئی کہ کچھ چیزیں ورائے عقل بھی ہوتی ہیں۔ بہر حال یہ دور بنیادی طور پر حسیت کا دور تھا، کیونکہ علم کا ماخذ و منبع حواسِ خمسہ کو قرار دیا گیا تھا اور اس بنا پر انہیں اپنے نقطہ نظر کے کھوکھلے پن کا احساس ہو گیا۔ طویل مدت کے بعد ہی سہی...... بہر حال اس نقطہ نظر سے انحراف کی راہ

اپنانے کے سوا کوئی چارہ ہی نہ تھا۔ پھر اس کے بعد دور تشکیک کا آغاز ہوا۔

فلسفہ کی تاریخ کا بیان ہمارا مقصود نہیں بلکہ بتانا یہ مقصود ہے کہ جس طرح آج کا انسان عقل کو فیصلہ کن سمجھتا ہے، آج سے تین ہزار سال پہلے کا انسان بھی عقل ہی کو فیصلہ کن گردانتا تھا۔ چنانچہ تاریخ کی روشنی میں کہا جاسکتا ہے کہ آج کے انسان کا نقطہ نظر بھی حتمی نہیں کہ عقل جس حقیقت کا انکار کر دے وہ حقیقت ہی نہیں۔ انبیائے کرام علیہم السلام کے معجزات کو عقل کے پیمانے اور شعور کی کسوٹی پر پرکھنا اور کہتے پھرنا کہ چاند کسی ہستی کی انگلی کے اشارے پر کیسے دولخت ہوسکتا ہے! کسی کی مرضی پر سورج کیسے الٹی گردش پھر سکتا ہے! اور یہ کیسے ممکن ہے کہ کنکریوں میں جان پڑ جائے اور وہ بلند آواز سے کلمہ پڑھنا شروع کر دیں! کہاں کی دانائی ہے۔

اعترافاتِ جدید سائنس

اس کائناتِ رنگ و بو میں ورائے عقل بھی بہت سے حقائق ہیں۔ عقل کو خود اپنے اس عجز کا احساس ہے کہ کائنات کی ہر حقیقت اس کے حیطۂ ادراک میں نہیں آسکتی۔ سائنس ان حقائق کو تسلیم کرنے پر مجبور ہے لیکن کما حقہٗ انہیں سمجھنے سے قاصر رہتی ہے۔ انسانی عقل حواسِ خمسہ کے ساتھ پرواز کرتی ہے۔ جہاں حواسِ خمسہ ساتھ چھوڑ دیں وہاں عقل کی پرواز موقوف ہو کر رہ جاتی ہے۔ حواس کے خام مواد کے بغیر عقل عضو معطل ہے۔ ایک پیدائشی بہرہ آواز کی حقیقت تک رسائی حاصل نہیں کرسکتا، اسی طرح پیدائشی نابینا رنگ اور روشنی کی آمیزش سے لطف اندوز ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ اب یہ عقل کے لئے تدبر و تفکر کا مقام ہے کہ جس طرح چار حواس کی موجودگی میں پانچویں جس سے متعلقہ محسوسات سے آگاہی ممکن نہیں بالکل اسی طرح اس کائنات ہست و بود میں ہزار ہا ایسی اشیاء اور ایسے حقائق موجود ہیں جو ہمارے پانچوں حواس کے دائرۂ محسوسات سے ماوراء ہیں۔ کیا یہ ضروری ہے کہ تمام کائنات کی خلقت اسی بنیادی ڈھانچے کی مطابقت میں عمل میں لائی گئی ہو جس بنیادی ڈھانچے کے مطابق انسانی حواس کی تخلیق ہوئی ہے؟ کائنات

کے تمام موجودات کو حواسِ خمسہ کی کسوٹی پر پرکھنا ایسے ہی خلافِ عقل بات ہے جیسے کوئی نابینا اسے چار حواس کے بل بوتے پر پرکھتا پھرے، وہ یقیناً صحیح نتیجے پر نہیں پہنچ سکتا۔ پوری کائنات تو دور کی بات ہے، اس کرۂ ارضی پر بھی کئی جاندار ایسے ہیں جن کی تخلیق اس بنیادی ڈھانچے سے بہت مختلف طریق پر ہوئی ہے اور وہ ایسی بے شمار محسوسات سے یکسر نابلد ہیں جو حضرتِ انسان کے دائرۂ اختیار میں شامل ہیں۔ اس ضمن میں چھپکلی اور سانپ کی بعض اقسام خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں جو محض دو ابعاد سے شناسا ہیں اور تیسرے بعد (Dimention) کا وجود ان کے حواس کے مطابق ناپید ہے۔ اس کے علاوہ بہت سے جانوروں کا مخصوص رنگوں کے لئے ''کلر بلائنڈ'' ہونا بھی اسی ضمن میں آتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بے شمار احوال، واقعات اور حقائق انسان کے خواسِ خمسہ کی گرفت سے بھی کلیتاً آزاد ہیں۔

جدید سائنسی علوم تو قدیم فلسفے کی طرح اس بات سے بھی انکاری نہیں کہ حقیقت وہ ہے جس کی خواسِ خمسہ سے تصدیق و توثیق ممکن ہو۔ جدید سائنسی خود ایسی سینکڑوں مخلوقات اور احوال و واقعات کی دریافت کا کارنامہ سرانجام دے چکی ہے۔ جنہیں صرف حواسِ خمسہ اور محض عقلِ انسانی کے بل بوتے پر جاننا ممکن نہ تھا۔ مثلاً خورد بین (Microscope) ''دور بین'' (Telescope) اور پس موجی سراغ رساں (Microwave Detector) جیسے آلات نے انسانی فہم و ادراک کو اس قابل کر دیا ہے کہ وہ اَن دیکھی مخلوقات کو دیکھ سکے اور لاکھوں نوری سال کی مسافت پر پیدا ہونے والے، سیاہ شگافوں، (Black Holes) سے نکلنے والی ''ایکس ریز'' کی بدولت ان کا مشاہدہ کر سکے۔ چنانچہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قدیم فلسفے کی نسبت جدید سائنس کو معجزات اور دیگر ماوراء العقل عقائد پر قائل کرنا نسبتاً آسان ہے۔ جس طرح آج سے چند صدیاں پیشتر آج کے سائنسی حقائق سے کوئی واقف نہ تھا بالکل اسی طرح آج کی جدید سائنس بھی اگلی صدیوں میں پیش آمدہ حقائق کا ادراک کرنے سے قاصر ہے۔ جدید سائنس نے دینِ اسلام..... جو در حقیقت دینِ فطرت ہے..... کی بیان کردہ بہت سی حقیقتوں کو من و عن

تسلیم کرلیا ہے۔ باقی چند ایک مقامات پر اگر اشکال ہے تو عین ممکن ہے کہ اکیسویں صدی میں جو یقیناً اسلام کی صدی ہے۔ اسلام کے تمام عقائد و اعمال کے مبنی بر فطرت اور مبنی بر حقیقت ہونے کی شہادت بھی اس وقت کی جدید ترین سائنس دینے کا اعزاز حاصل کرے۔ مغربی مفکرین اور مستشرقین نے اسلام اور حضور پرنور، مکی مدنی سرکار، سرکار ابد قرار، ہم غریبوں کے غمخوار پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں فکری مغالطوں اور علمی بددیانتیوں کے جو طومار باندھے تھے، اب انہیں جدید سائنسی انکشافات کی روشنی میں اپنی مفروضوں پر مبنی آراء سے رجوع کر لینا چاہئے کیونکہ جن حقائق کو ان نام نہاد مفکرین نے تضحیک کا نشانہ بنا کر اسلام کو بدنام کرنے کی کوشش کی تھی انہیں جدید سائنس تسلیم کرتی جارہی ہے۔ انہیں اپنی تحقیق اور اپنے گھر کی گواہی کو تسلیم کر لینا چاہئے اور ضد اور تعصب کی دلدل سے نکل کر اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کرنا چاہئے کہ یہی اہل علم کا شیوہ ہے۔

یہ معاملہ تو تھا تمام اسلام کے عقائد و اعمال کے فطری ہونے کا، اب جہاں تک معاملہ ہے معجزات کا تو معجزہ وہ حقیقت ہے جو کسی بھی دور میں کاملاً فہم انسانی میں سمانے سے قاصر ہے۔ جدید سائنس کی روشنی میں معجزے کو جزواً سمجھنا اور اس کی جزوی توجیہہ کرنا کسی حد تک ممکن ہے مگر کاملاً معجزے کا ادراک تاقیامت ممکن نہیں کیونکہ معجزہ ان حقائق پر مشتمل ہوتا ہے جو حواس خمسہ اور عقل انسانی تو کجا انسان کے ایجاد کردہ تمام تر سائنسی آلات کی حدود سے بھی ماوراء ہوتا ہے۔

سیاہ شگاف (Black Hole) کی کامل تفہیم کے بعد اگلی نسلوں کو اس کی بدولت وقت میں سفر کی ترغیب دینے والا آج کا انسان اپنی حیرت انگیز ایجادات کی بدولت اس کرۂ ارضی سے کروڑوں اور اربوں میل کی مسافت پر وقوع پذیر ہونے والے کائناتی تغیرات کا نہ صرف مشاہدہ کر رہا ہے بلکہ ان مشاہدات کی روشنی میں اہل زمین کی سلامتی اور بقاء کے منصوبے بھی بنا رہا ہے اور اولادِ آدم کے لئے آسودہ لمحوں کی تلاش میں اپنے نظام شمسی سے بھی بہت دور خلاء کی بے انت وسعتوں میں انسانی بستیاں آباد کرنے کا آرزو مند ہے۔ کائنات کی تسخیر کے اس سفر میں اسے جن تجربات و مشاہدات سے گزرنا پڑا، وہ

اسے تخلیق آدم اور تخلیق کائنات کی ان ابدی سچائیوں کے بہت قریب لے آئے ہیں جن کا ذکر آخری الہامی صحیفے ...... قرآن مجید ...... میں رب کائنات نے کھول کھول کر بیان کیا ہے اور جنوں اور انسان کو آسمانوں کی حدود سے نکل کر مشاہدۂ حق کی ترغیب دی ہے۔ جوں جوں انسان جدید سائنسی علوم میں مہارت حاصل کر رہا ہے توں توں قرآن حکیم میں درج سائنسی حقائق کی تصدیق و توثیق ہوتی جارہی ہے اور آج کا سائنسدان اس نتیجے پر پہنچ چکا ہے کہ آج سے چودہ سو سال پہلے حضور پر نور، مکی مدنی سرکار ابد قرار، ہم غریبوں کے غمخوار حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سائنسی انکشافات کئے تھے وہ الہام کے بغیر ممکن ہی نہیں، اس لئے قرآن آسمانی ہدایت کی سچی کتاب اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اس کائنات کے خالق و مالک کے سچے رسول ہیں۔

عادتِ الٰہیہ اور قدرتِ خداوندی کی تفہیم

جدید ترین کمپیوٹر ٹیکنالوجی اور انٹرنیٹ سے لے کر مصنوعی سیاروں اور خلائی سٹیشنوں کے وسیع و عریض نظام تک، انسانی زندگی میں تحقیق و جستجو کے ان گنت چراغ روشن ہیں۔ انسان اس تگ و دو میں ہے کہ کائنات کے رازہائے سربستہ سے پردہ اٹھا کر اس کی تخلیق، مقصد تخلیق اور کائنات کے انجام سے آگاہی حاصل کرے اور پھر انسان کی تخلیق، اس کائنات میں اس کے کردار اور دیگر حقائق کی تہہ تک پہنچ سکے۔ یہ سب کچھ ایک مربوط نظام کے تحت تکمیل پذیر ہے۔ اسے سادہ اور آسان الفاظ میں ''فطری نظام'' کہتے ہیں جبکہ اصطلاحاً اسے ''تکوینی نظام'' اور ''مکافاتِ عمل'' کا نام بھی دیا جاتا ہے۔ اس کائنات رنگ و بو میں صرف دو چیزوں کا ظہور ہوتا ہے۔

۱- اللہ رب العزت کی عادت ۲- اللہ رب العزت کی قدرت

یہ بات ذہن نشین رہنی چاہئے کہ خالق کائنات کی عادت بھی اس کی قدرتِ کاملہ ہی کے تحت ہوتی ہے، تاہم اصطلاحاً اللہ کی عادت سے مراد اللہ تعالیٰ کا تخلیق کردہ نظامِ فطرت یا تکوینی نظام ہے، جس کے تحت یہ کائنات پست و بالا مسلسل حرکت پذیر ہے۔ یہ

بات قابل غور ہے کہ کائنات کا آغاز تکوینی نظام کے تحت ہوا اور بالآخر اس کا انجام بھی اس تکوینی نظام کے تحت ہوگا۔

''اللہ کی قدرت'' سے مراد تمام وہ افعال ہیں جو عام نظامِ فطرت سے ہٹ کر وقوع پذیر ہوتے ہیں۔ اللہ رب العزت کی عادت کا ادراک و شعور اور اس کے آغاز سے انجام تک تمام پہلوؤں کا احاطہ، عقل انسانی کی جہد مسلسل اور کوشش بسیار کا ماحصل ہے۔ اس کے برعکس اللہ کی قدرت کا ادراک ذہن انسانی کے بس کی بات ہی نہیں۔ مثلاً اگر نر اور مادہ کے امتزاج سے بچہ پیدا ہو تو بات اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ انسانی عقل میں سما جائے گی کہ یہ تیسرا فرد کیسے تخلیق ہوا اور اگر اسباب و علل کے بغیر قدرتِ الٰہیہ کا ظہور ہو تو عقل اس کا ادراک حاصل کرنے سے قاصر رہے گی۔ مثلاً ربِّ ذوالجلال محض خاک سے ابوالبشر سیدنا آدم علیہ السلام کی تخلیق فرمادے تو یہ اللہ رب العزت کی قدرت کا ظہور ہے، جس کا ادراک عقل سے ممکن نہیں۔ حضرت صالح صلی اللہ علیہ وسلم کے ڈنڈے سے پہاڑ کا پھٹنا اور اونٹنی کا برآمد ہونا، حضرت مریم علیہ السلام کے پاس بند کمرے میں بے موسمی پھل آنا...... یہ سب قدرت الٰہیہ کے نظارے ہیں۔ عقل ان نظاروں کے ادراک کی طاقت نہیں رکھتی۔ عقل کی پہنچ عادت کے مطابق ہوتی ہے اور جو چیز ماہیت کے لحاظ سے تو وقوع پذیر ہو مگر عادت کے خلاف ہو وہ عقل کی سمجھ میں نہیں آسکتی۔ عقل ایک مقررہ اصول، سبب اور نتیجے کے تحت عادت کے نظام کو سمجھتی ہے اور جب عادت کا نظام ہی بدل جائے اور خدا کو اپنی قدرت کا اظہار مقصود ہو تو عقل اپنی تمام تر صلاحیتوں کے باوجود معطل ہو کر رہ جاتی ہے۔ اس لئے انبیائے کرام کے معجزات کو اپنی عقل کے پیمانے سے ماپنے والوں کو اس بنیادی نکتہ سے متفق ہونا پڑے گا کہ معجزہ کہتے ہی اس امر کو ہیں جو عقل کی جملہ صلاحیتوں کو عاجز کر دے۔ اگر وہ واقعتاً عقل کے دائرے میں آجائے تو وہ معجزہ نہیں ہے اور اگر معجزہ، معجزہ نہ رہے تو نبی کے کمالات کا انکار ہو جاتا ہے اور یہ صورتحال قدرتِ الٰہیہ کو کسی صورت میں قبول نہیں۔

تمدنی اور ثقافتی پس منظر میں معجزات کا ظہور

تاریخ انبیاء و مرسلین ہمیں بتاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر نبی اور ہر رسول کو کوئی نہ کوئی ایسا معجزہ ضرور عطا فرماتا ہے جو اپنے عہد کے معروضی حالات اور تقاضوں کے مطابق ہوتا ہے۔ تاریخ کے مختلف ادوار میں عقل انسانی کسی نہ کسی فن کو اپنے عروج پر لے جا چکی ہوتی ہے۔ لہٰذا اس نبی کے عہد کے لوگوں کے ذہنی اور فکری ارتقاء کو مدنظر رکھتے ہوئے اسے ایسا معجزہ عطا کیا جاتا ہے کہ اس کے پورے دور میں عقل انسانی کسی ایسی چیز کو ایجاد نہ کر سکے جو اس نبی یا رسول کے معجزہ کو (نعوذ باللہ) مات کر دے یا اس معجزے کی نفی کر دے۔ معجزے کے لئے ضروری ہے کہ وہ عقل انسانی کی ماحصل تمام تر ایجادات سے آگے نکل جائے۔ مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دور نبوت میں یونانی اطباء حضرات عجیب عجیب بیماروں کو دوا دے کر دور کر دیتے تھے۔ یہ کارنامہ عقل انسانی کا تھا۔ ان فکری اور نظری پس منظر میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ معجزہ عطا ہوا کہ آپ مردوں کو زندہ کر دیتے، مادر زاد اندھوں کی قوت بینائی عطا کر دیتے، کوڑیوں کو اذن شفا سے ہمکنار کرتے۔ آپ کا پورا عہد اپنی تمام تر تہذیبی، تمدنی اور ثقافتی ترقی کے باوجود اللہ کے نبی کے ایک بھی معجزے کا جواب پیش نہ کر سکا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عہد مبارکہ میں عقل انسانی نے جادو جیسے فن کو ایجاد کیا۔ قرآنِ حکیم میں فرعون کے دربار کا ذکر تفصیل کے ساتھ موجود ہے۔ فرعون نے اللہ کے نبی کے مقابلے میں بڑے بڑے جادوگروں کو اکٹھا کیا اور انہیں اپنے کمالات دکھانے کے لئے کہا۔ جادوگر زمین پر اپنی رسیاں پھینکتے تو وہ رسیاں سانپ بن جاتیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان جادوگروں کے مقابلے میں اپنا عصا پھینکنے کا حکم ہوا اور یوں قدرت الٰہیہ کے مظہر کے طور پر آپ کا عصا ایک اژدھا بن کر سارے سانپوں کو نگل گیا۔

معجزاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہمہ گیریت

سابقہ تمام انبیائے کرام علیہ السلام کی نبوتیں چونکہ زمان و مکان کی پابند تھیں اس لئے انہیں اسی سطح کے محدود معجزات عطا کیے گئے۔ جب حضور تمام نبیوں کے سرور، سرور

معصوم، حسن اخلاق کے پیکر نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کا ظہور ہوا تو گو پوری دنیا جہالت کی تاریکیوں میں لپٹی ہوئی تھی، تاہم تمدنی اور ثقافتی حوالوں سے آپ کا عہد ماضی سے یکسر مختلف تھا۔ یہ تاریخ ارتقائے نسل انسانی کا ایک ایسا دور تھا جس میں عقل انسانی ترقی کی کئی منازل طے کر چکی تھی اور اسے قیامت تک تعمیر و ترقی کے ان گنت مراحل سے گزرنا تھا اور کائنات کی وسعتوں میں بستیاں آباد کرنا تھیں۔ اس لئے حضور تمام نبیوں کے سرور، سرور معصوم، حسن اخلاق کے پیکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جو معجزات عطا کیے گئے وہ بھی جدید سائنسی علوم کے ذریعہ خلاؤں میں انسان کی پیش رفت کو مدنظر رکھ کر عطا کیے گئے۔ اس لئے اب قیامت تک عقل انسانی سائنس اور ٹیکنالوجی کے میدان میں جتنی بھی ترقی کرتی چلی جائے معجزہ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی وسعتوں اور عظمتوں کا جزوی طور پر بھی جواب پیش کرنے سے معذور رہے گی۔

دورِ نبوت مصطفوی میں عقل انسانی کا سب سے بڑا کارنامہ جو بیسویں صدی کے آخر تک منصفہ شہود پر چھایا رہا، وہ خلا کی تسخیر ہے۔ آج کا انسان زمین کی پستیوں سے اٹھ کر خلا کی بلندیوں کو پھلانگتا ہوا چاند کو مسخر کر چکا ہے اور اکیسویں صدی میں مریخ اور دیگر سیارگانِ فلکی کی تسخیر کے لئے بھی کوشاں ہے۔ سائنس اور ٹیکنالوجی کی بدولت ہونے والی نت نئی ایجادات کے بعد عقل انسانی کے پاس معجزہ معراج مصطفوی کو جھٹلانے کی کوئی گنجائش ہی باقی نہیں رہی۔ اگر آج ناقص العقل انسان کا مادی اسباب کی بناء پر خلاؤں کا سینہ چیرتے ہوئے چاند پر قدم جمانا اور اپنے نظام شمسی کی آخری بلندیوں کو چھونا ممکن ہے تو مسبب الاسباب کی عطا کردہ روحانی قوت کے ذریعہ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا آسمانوں کی وسعتوں کو چیرتے ہوئے سدرۃ المنتہٰی اور قاب قوسین تک جا پہنچنا کیونکر ممکن نہیں! عقل انسانی ایجادات کے جو انبار لگا رہی ہے وہ معجزات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحت کی دلیل کا کوئی نہ کوئی راستہ ہے۔ معجزے کا پورا ادراک عقل انسانی سے ممکن نہیں لیکن جب عقل اپنے کمال ...... یعنی اقرار نقص ...... کی طرف بڑھی تو معجزے کی صحت کے قریب ہوتی چلی گئی۔ عقل جب تک عقل ناقص ہو ...... حضور تمام نبیوں کے سرور، سرور

معصوم، حسن اخلاق کے پیکر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمتوں کا اعتراف کرنے سے قاصر رہتی ہے لیکن جب اپنے نقص کا اقرار و اعتراف کر کے عقل کامل بن جاتی ہے تو عظمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی نہ کوئی گوشہ اس پر بھی آشکار ہو جاتا ہے۔ علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے اسی عقل ناقص کے بارے میں فرمایا تھا:

گزر جا عقل سے آگے کہ یہ نور
چراغِ راہ ہے، منزل نہیں ہے

جدید سائنسی علوم کی تمام تر سعی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی عادت کا راز تلاش کرنے میں پنہاں ہے۔ عادت الٰہیہ کے راز کی جستجو ہی سائنس کا مکمل دائرہ عمل ہے۔ معجزہ اللہ کی قدرت کا اظہار ہونے کے ناطے جدید سائنسی تحقیقات کی ساری جدوجہد اور ہر طرح کی کاوش کے باوجود اس کے دائرہ کار سے خارج ہے۔ معجزے کی سطح کا آغاز ہی عادت الٰہیہ کی آخری سرحدوں سے ہوتا ہے اور سائنس تو ابھی عادت الٰہیہ کی ابجد بھی نہیں سیکھ پائی۔ البتہ قاعدۂ مطابقت اور مماثلت کے تحت اللہ رب العزت کی عادت کے بیان میں بعض اوقات سائنس لاشعوری طور پر معجزے کی موید اور مصدق ضرور بنتی چلی جاتی ہے۔ اس حوالے سے تفصیلی بحث آگے آئے گی۔

معجزہ معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور جدید سائنس

جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ جدید سائنسی علوم جن کائناتی سچائیوں پر سے پردہ اٹھا رہے ہیں اور قدم قدم پر انکشافات کی نئی نئی دنیاؤں کے ظہور کی تصدیق کر رہے ہیں۔ اس سے اسلام اور حضور پیکر شرافت، محبوب رب العزت، محسن انسانیت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی آفاقی تعلیمات کی سائنسی توجیہہ خود بخود ہوتی جا رہی ہے اور آج کا سائنسدان اپنی سائنسی تحقیقات کے حوالے سے قرآن کو الہامی کتاب اور حضور پیکر شریعت، محبوب رب العزت، محسن انسانیت حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کے فرستادہ پیغمبر آخر صلی اللہ علیہ وسلم تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔ اپنے تمام تر تعصبات کے

باوجود انہیں اعتراف حقیقت کرتے ہی بنی ہے کہ اس کے سوا ان کے پاس کوئی چارہ نہیں۔ عہد رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں شاید اس کی ضرورت بھی نہ تھی مگر آج چودہ صدیاں گزر جانے کے بعد معجزاتِ نبوی پر سائنسی حوالوں سے غور وفکر کیا جا رہا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہ مثالی ایمان کے مالک تھے۔ خلافِ عادت واقعات دیکھ کر نہ وہ کسی فکری تذبذب کا شکار ہوتے، یقین کی راہوں پر ان کے قصر ایمان کی دیواروں میں شگاف پڑتے اور نہ وہ مشروط کمٹمنٹ کے لئے حیلے بہانے تراشتے۔ ان کے پائے استقلال میں لغزش کا سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا، اس لئے کہ ان کے سینے یقین محکم کی دولت سے معمور تھے۔ شکوک وشبہات کی گردان کے آئینہ دل پر ذرا سی بھی خراش نہ ڈال سکتی تھی۔

عہد جدید کا مسلمان غبارِ تشکیک میں گم ہے اور اسے معجزاتِ نبوی اور کمالاتِ مصطفوی صلی اللہ علیہ وسلم سے بخوبی آگاہ کرنے کے لئے اس کے ساتھ جدید سائنسی تناظر میں بات کرنا ضروری ہے۔ اگر مسلمان دانشور اس سلسلے میں محنت کریں تو نہ صرف یہ کہ نوجوان نسل کا ایمان غارت ہونے سے بچایا جا سکتا ہے بلکہ غیر مسلموں کو بھی عظمت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے روشناس کراتے ہوئے دعوت وتبلیغ دین کا فریضہ بطریق احسن ادا کیا جا سکتا ہے۔

ذیل میں ہم سردار انبیاء حضور دو جہاں کے تاجور، نبی مکرم، نور مجسم، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض معجزات جلیلہ کا جدید سائنسی حوالوں سے بالاختصار ذکر کریں گے تاکہ عقل کے غلام اور مادی سوچ رکھنے والے محققین بھی ربوبیت باری تعالیٰ کو دل وجان سے تسلیم کر کے بارگاہ خداوندی میں سر بسجود ہونے کا اعزاز حاصل کریں گے۔ اس جگہ تفصیل میں جائے بغیر چند چیدہ چیدہ معجزات کا ذکر صرف اجمالاً ہی کیا جائے گا۔ تفصیلی مطالعہ کے لئے کتاب کے آخری حصے میں موجود واقعاتِ معجزات پر مبنی حصہ ملاحظہ کیا جا سکتا ہے۔

عالم بشریت کی زد میں

معراج کمالِ معجزاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ یہ وہ عظیم خارقِ عادت واقعہ ہے جس نے تسخیر کائنات کے مقفل دروازوں کو کھولنے کی ابتداء کی۔ انسان نے آگے

چل کر تحقیق و جستجو کے بند کواڑوں پر دستک دی اور خلاء میں پیچیدہ راستوں کی تلاش کا فریضہ سرانجام دیا۔ رات کے مختصر سے وقفے میں جب اللہ رب العزت حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد حرام سے نہ صرف مسجد اقصیٰ تک بلکہ جملہ سماوی کائنات (Cosmos) کے بے انت وسعتوں کے اس پار ''قاب قوسین'' اور ''او ادنیٰ'' کے مقاماتِ بلند تک لے گیا اور آپ مدتوں وہاں قیام کے بعد اسی قلیل مدتی زمینی ساعت میں اس زمین پر دوبارہ جلوہ افروز بھی ہو گئے۔

آج سے چودہ سو سال قبل علوم انسانی میں اتنی وسعت تھی اور نہ اتنی گیرائی اور گہرائی کہ معجزاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ادنیٰ جزو ہی ان کے فہم و ادراک میں آ جاتا حتیٰ کہ اس وقت بہت سے علوم جدیدہ کی مبادیات تک کا بھی دور دور تک کہیں نام و نشان نہ تھا۔ آج عقل انسانی اپنے ارتقا، اپنی تحقیق اور جستجو کے بل بوتے پر جن کائناتی صداقتوں اور سچائیوں کو تسلیم کر رہی ہے۔ ہزاروں سال قبل ان کی تصدیق و توثیق وحی الٰہی کے بغیر ممکن نہ تھی۔ تاریخ شاہد عادل ہے کہ جمیع مسلمانانِ عالم ایمان بالغیب اور قدرت الٰہیہ کے ظہور پر ایمان رکھنے کی وجہ سے بغیر دلیل معجزات مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمیشہ قائل رہے۔ عہد حضور دو جہاں کے تاجور، نبی مکرم، نور مجسم، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم عہد صحابہ اور بعد میں آنے والے ان مسلمانوں کا ایمان قابل رشک اور قابل داد تھا کہ ظہورِ قدرتِ الٰہیہ کے ناقابل فہم و ادراک ہونے کے باوجود ان کا ایمان کبھی متزلزل نہیں ہوا، ان کے آئینہ دل پر کبھی بھی شبہات کی گرد اور وسوسوں کی دھول نہیں پڑی۔ ان کے آئینہ شعور میں بھی کبھی کوئی بل نہیں آیا۔ آج سے چودہ سو سال قبل عقلی بنیادوں پر دورانِ معراج آن کی آن میں ساتوں آسمانوں کی حدود سے گزر کر لامکاں تک جا پہنچنا اور اسی لمحے میں اس کھربوں نوری سال کی مسافت کو طے کر کے واپس سرزمین مکہ پر تشریف لے آنا تو کجا زمین کی بالائی فضا میں پرواز کا تصور بھی ناقابل یقین محسوس ہوتا ہے اور دوسری طرف آج کا انسان اللہ رب العزت کی عطا کردہ تخلیقی صلاحیتوں کی بدولت عالم اسباب کے اندر رہتے ہوئے اپنی کی سعی اتباع معجزہ معراج میں کائنات کو مسخر کرنے کا

عزم لے کر نکلا ہے۔ اگرچہ آج کا انسان صبح و شام فضائے بسیط میں محوِ پرواز ہے لیکن اگر واقعہ معراج کو اپنی تمام تر جزئیات کے ساتھ حیطہ شعور میں لایا جائے تو خلائی سفر کے مخصوص لوازمات کے بغیر کرہ فضا سے باہر ایتھر (Ather) میں کروڑوں نوری سال کا سفر طے کرنے کا تصور آج بھی ناممکن دکھائی دیتا ہے۔

آسمانی فضا کی مختلف حالتیں

یہ کرۂ ارضی گیسوں پر مشتمل ایک ایسے شفاف غلاف میں لپٹا ہوا ہے جو زمین پر زندگی کو ممکن بھی بناتا ہے اور شہابِ ثاقب کی بارش میں اس پر پرورش پانے والی زندگی کو تحفظ کی ردا بھی فراہم کرتا ہے۔ آج کے اس خلائی تحقیقات کے دور میں جب انسان خلاء کے سفر پر روانہ ہوتا ہے تو سب سے پہلے مرحلے میں اسے سینکڑوں کلومیٹر کی گہرائی پر مشتمل زندگی بخش ہواؤں کے اسی سمندر کو عبور کرنا ہوتا ہے۔

ہوائی سفر میں زیادہ بلندی پر آکسیجن کی کمی کی صورت میں گیس ماسک (Gas Mask) استعمال کیا جاتا ہے۔ جہاز کے اندر مصنوعی طور پر ہوا کا دباؤ (Air Pressure) بھی بنایا جاتا ہے اور اگر کسی تکنیکی خرابی کی وجہ سے مکیف (Air Tight) جہاز میں سوراخ ہو جائے تو جہاز کے اندر کا مصنوعی دباؤ تیزی سے گر جاتا ہے جس سے مسافروں کے اجسام سخت اضمحلال کا شکار ہو جاتے ہیں۔ بعض صورتوں میں مسافروں کے منہ، ناک اور کانوں سے خون بھی بہنا شروع ہو جاتا ہے۔ اگر فوری طور پر دوبارہ مصنوعی دباؤ بنانا ممکن نہ ہو تو پائلٹ تیزی سے جہاز کی بلندی گراتے ہوئے اسے اس مخصوص سطح تک لے آتے ہیں جہاں ہوا کا مناسب دباؤ موجود ہوتا ہے اور مسافر مزید پریشانی اور جانی نقصان سے بچ جاتے ہیں۔

خلائی سفر کی لابدی ضروریات

خلائی سفر پر روانگی کے دوران کرہ ہوائی (Atmosphere) سے باہر نکلنے کے

لئے کم از کم 40,000 کلومیٹر فی گھنٹہ کی رفتار درکار ہوتی ہے۔ چنانچہ خلانوردوں (Astronauts) کو آکسیجن اور مصنوعی دباؤ کے ساتھ ساتھ ایک مخصوص لباس "Pressuresuit" بھی درکار ہوتا ہے جو انہیں درجہ حرارت کی شدت کے علاوہ برقی مقناطیسی لہروں (Electro Magnetic Radiations) سے بھی محفوظ رکھتا ہے۔ EVA Spacesuit جو ایک انسان کو خلائی سفر کے دوران آکسیجن کی فراہمی، مناسب حرارت، کمیونی کیشن اور خلاء میں قیام کے لئے دیگر ضروری سہولیات فراہم کرتا ہے، کے علاوہ Manned Maneuvering Unit (MMU) کی بدولت انسان اس قابل بھی ہو چکا ہے کہ خلائی شٹل سے باہر نکل کر ایک مصنوعی سیارے کی طرح زمین کے مدار میں طویل وقت کے لئے بآسانی چہل قدمی کر سکے۔

تسخیر ماہتاب......ان کا بعید ترین خلائی سفر

ہوائی سفر کی مشکلات پر بتدریج قابو پایا جا رہا ہے اور اب یہ سفر کسی حد تک محفوظ خیال کیا جاتا ہے لیکن خلائی سفر میں انسان کو فنی اور تکنیکی پیچیدگیوں کا ہی سامنا نہیں کرنا پڑتا بلکہ نفسیاتی الجھنیں بھی اس کا دامن تھام لیتی ہیں۔ خلاء کا سفر خطرات سے خالی نہیں، لیکن جذبۂ تسخیر کائنات عزم کو عمل کے سانچے میں ڈھالتا ہے تو انسان چاند کی سطح پر اپنی عظمت کا پرچم نصب کرنے کے بعد اپنے خلائی سفر کے اگلے مرحلے کی منصوبہ بندی میں مصروف ہو جاتا ہے۔ بیسویں صدی میں یہ کارنامہ سرانجام دیا جا چکا ہے۔

خلائی تحقیقات کے امریکی ادارے National Aeronautic Space Agency (NASA) کی طرف سے تسخیر ماہتاب کے لئے شروع کئے گئے دس سالہ اپالو مشن کے تحت جولائی 1969ء میں چاند کا پہلا کامیاب سفر کرنے والے Apolo-11 کے مسافر امریکی خلانورد ''نیل آرمسٹرانگ'' (Neil Armstrong) اور ''ایڈون بز'' (Edwin Buzz) تاریخ انسانی کے وہ پہلے افراد تھے جو چاند کی سطح پر اترے جبکہ ان کا تیسرا ساتھی ''کولنز'' (Collins) اس دوران مصنوعی سیارے کی مانند

چاند کے گرد محو گردش رہا۔ اس دوران امریکی ریاست فلوریڈا میں قائم زمینی مرکز Kennedy Space Centre (KSC) میں موجود سائنسدان انہیں براہِ راست ہدایات دے رہے تھے۔ ضروری تجربات کے علاوہ مختلف ساخت کے چند پتھروں کے نمونے وغیرہ لے کر، روانگی سے محض دو دن بعد خلانوردوں کا یہ مہم جو قافلہ واپس زمین پر آ گیا۔ اس مہم کے دوران پل پل کی خبر ٹی وی اور ریڈیو کے ذریعہ زمین کے مختلف خطوں میں بسنے والے انسانوں تک پہنچائی جاتی رہی۔ عالم انسانیت کی ان خلائی فتوحات اور تسخیر ماہتاب کا ذکر چودہ صدیاں قبل صحیفہ کمال یعنی قرآن مجید میں پوری وضاحت کے ساتھ کر دیا گیا تھا۔ ارشاد خداوندی ہے:

وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ۝ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ۝ فَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (الانشقاق، ۸۴: ۱۸-۲۰)

قسم ہے چاند کی جب وہ پورا دکھائی دیتا ہے ۝ تم یقیناً طبق در طبق ضرور سواری کرتے ہوئے جاؤ گے ۝ تو انہیں کیا ہو گیا ہے کہ (قرآنی پیشینگوئی کی صداقت دیکھ کر بھی) ایمان نہیں لاتے ۝

قرآن حکیم کے علاوہ بائبل سمیت دیگر صحائف آسمانی اور مذہبی کتب میں اس قدر درست سائنسی حوالے بالکل نہیں ملتے۔ درج بالا آیت مبارکہ میں تسخیر ماہتاب کا جو واضح اشارہ ہے، بیسویں صدی کے انسان نے اس اشارے کی عملی تفسیر اپنی آنکھوں سے دیکھی۔ آج کے انسان نے کامیابی و کامرانی کی ان گنت منازل طے کر لی ہیں۔ علوم جدیدہ انسان کے ذہن کو کشادگی بخش رہے ہیں۔ الجھی ہوئی گرہیں کھل رہی ہیں اور کائنات اپنی ازلی صداقتوں کے ساتھ نکھر کر اس کے سامنے بے نقاب ہوتی چلی آ رہی ہے لیکن اپنی تمام تر مادی ترقی کے باوجود ابھی تک انسان روشنی کی رفتار سے سفر کرنے کی صلاحیت حاصل نہیں کر سکا۔ روشنی 1,86,000 میل (تین لاکھ کلومیٹر) فی سیکنڈ کی رفتار سے سفر کرتی ہے اور سائنس کی زبان میں اس قدر رفتار کا حصول کسی بھی مادی شے کے لیے محال ہے۔

روشنی کی رفتار کے حصول میں حائل رکاوٹیں

ممتاز سائنسدان ''البرٹ آئن سٹائن'' نے 1905ء میں نظریہ اضافیت مخصوصہ (Special Theory of Relativity) پیش کیا۔ اس تھیوری میں آئن سٹائن نے وقت اور فاصلہ دونوں کو تغیر پذیر قرار دیتے ہوئے واضح کیا کہ زمان و مکاں (Time & Space) کی گتھیاں اس تھیوری کے کما حقہ، ادراک کے بغیر نہیں سلجھ سکتیں۔

آئن سٹائن نے ثابت کیا ہے کہ مادّہ (Matter) توانائی (Energy) کشش (Gravity) زمان (Time) اور مکان (Space) میں ایک خاص ربط اور ایک خاص نسبت پائی جاتی ہے۔ اس نے یہ بھی ثابت کیا کہ ان سب کی مطلقاً کوئی حیثیت نہیں۔ مثلاً جب ہم کسی وقت یا فاصلے کی پیمائش کرتے ہیں تو وہ اضافی (Relative) حیثیت سے کرتے ہیں۔ گویا کائنات کے مختلف مقامات پر وقت اور فاصلہ دونوں کی پیمائش میں کمی و بیشی ممکن ہے۔ نظریہ اضافیت میں آئن سٹائن نے یہ بھی ثابت کیا کہ کسی بھی مادّی جسم کے لئے روشنی کی رفتار کا حصول ناممکن ہے اور ایک جسم جب دو مختلف رفتاروں سے حرکت کرتا ہے تو اس کا حکم بھی اسی تناسب سے گھٹتا اور بڑھتا ہے۔

آئن سٹائن برسوں کے غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچا کہ انتہائی تیز رفتار متحرک جسم کی لمبائی اس کی حرکت کی سمت میں کم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ روشنی کی 90% رفتار سے سفر کرنے والے جسم کی کمیت دوگنا ہو جاتی ہے، جبکہ اس کا حجم نصف رہ جاتا ہے اور اسی کے ساتھ ہی ساتھ وقت کی رفتار بھی اس پر نصف رہ جاتی ہے

مثال:

مثال کے طور پر اگر کوئی راکٹ 1,67,000 میل فی سیکنڈ (روشنی کی رفتار کا 90%) کی رفتار سے دس سال سفر کرے تو اس میں موجود خلا نورد کی عمر میں صرف 5 سال کا اضافہ ہوگا جبکہ زمین پر موجود اس کے جڑواں بھائی پر 10 سال گزرنے کی وجہ سے خلانورد اس سے 5 سال چھوٹا رہ جائے گا۔ آئن سٹائن نے اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ

انسانی جسم کی اس محیر العقول رفتار پر نہ صرف دل کی دھڑکن اور دورانِ خون بلکہ انسان کا نظامِ انہضام اور تنفس بھی سست پڑ جائے گا۔ جس کا لازمی نتیجہ اس خلانورد کی عمر میں کمی کی صورت میں نکلے گا۔

آئن سٹائن کے اس نظریہ کے مطابق روشنی کی رفتار کا 90% حاصل کرنے سے جہاں وقت کی رفتار نصف رہ جاتی ہے وہاں جسم کا حجم بھی سکڑ کر نصف رہ جاتا ہے اور اگر مادی جسم اس سے بھی زیادہ رفتار حاصل کر لے تو اس کے حجم اور اس پر گزرنے والے وقت کی رفتار میں بھی اسی تناسب سے کمی ہوتی چلی جائے گی۔ اس نظریئے میں سب سے دلچسپ اور قابلِ غور نکتہ یہ ہے کہ اگر بفرضِ محال کوئی مادّی جسم روشنی کی رفتار حاصل کر لے تو اس پر وقت کی رفتار بالکل تھم جائے گی اور اس کی کمیت بڑھتے بڑھتے لامحدود ہو جائے گی اور اس کا حجم سکڑ کر بالکل ختم ہو جائے گا، گویا جسم فنا ہو جائے گا۔ یہی وہ کسوٹی ہے جس کی بنیاد پر آئن سٹائن اس نتیجے پر پہنچا کہ کسی بھی مادّی جسم کے لئے روشنی کی رفتار کا حصول ناممکن ہے۔

معجزۂ معراج میں براق کا سفر

آئن سٹائن کے نظریہ اضافیت (Theory of Relativity) کے مطابق روشنی کی رفتار کا حصول اور اس کے نتیجے میں حرکت پذیر مادّی جسم پر وقت کا تھم جانا اور اثر پذیری کھو دینا ناممکن ہے (کیونکہ اس صورت میں مادّی جسم کی کمیت لامحدود ہو جانے کے ساتھ ساتھ اس کا حجم بالکل ختم ہو جائے گا)۔ آئن سٹائن کے نظریہ کی رو سے یہی قانونِ فطرت پورے نظامِ کائنات میں لاگو ہے۔ اب اس قانون کی روشنی میں سفرِ معراج کا جائزہ لیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ ''اللہ کی عادت'' کا یہ نظامِ فطرت اس کی ''قدرت'' کے مظہر کے طور پر بدل گیا۔ وقت بھی تھم گیا...... جسم کی کمیت بھی لامحدود نہ ہوئی اور وہ فنا ہونے سے بچا رہا...... اس کا حجم بھی جوں کا توں برقرار رہا...... اور خلائی سفر کی لابدی مقتضیات پورے کیے بغیر حضور شہنشاہ خوش خصال، پیکر حسن و جمال سیاح

لامکاں صلی اللہ علیہ وسلم نے براق کی رفتار (Multiple Speed of Light) سے سفر کیا، بیت المقدس میں تعدیل ارکان کے ساتھ نمازیں بھی ادا کیں، دورانِ سفر کھایا اور پیا بھی، لامکاں کی سیر بھی کی، اللہ کے برگزیدہ انبیاء کے علاوہ خود اللہ رب العزت کا ''قاب قوسین'' اور ''اوادنی'' کے مقاماتِ رفعت پر جلوہ بھی کیا اور بالآخر سفر معراج کے اختتام پر واپس زمین کی طرف پلٹے تو تھما ہوا وقت حضور شہنشاہ خوش خصال، پیکر حسن و جمال صلی اللہ علیہ وسلم کی واپسی کا منتظر تھا۔ وضو کا پانی بہہ رہا تھا، بستر ہنوز گرم تھا اور دروازے کی کنڈی ہل رہی تھی۔ اگرچہ معجزہ کسی مادی توجیہہ کا محتاج نہیں لیکن اس حقیقت کا ادراک ہمیں ضرور ہونا چاہئے کہ سائنس سفر ارتقاء کے ہر قدم پر معجزات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں تسخیر کائنات کرتے ہوئے اسلام کے عمومی مذہب ہونے کے بالواسطہ اعتراف کا اعزاز حاصل کر رہی ہے۔ نظریۂ اضافیت میں روشنی کی عام رفتار کا حصول بھی ناممکن بنا کر پیش کیا گیا ہے، جبکہ حضور شہنشاہ خوش خصال، پیکر حسن و جمال حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم براق پر سوار ہو کر ہزار ہا روشنیوں کی رفتار سے سفر معراج پر تشریف لے گئے، براق برق کی جمع ہے، جس کے معنی روشنی کے ہیں۔ آج کا انسان اپنی تمام تر مادی ترقی کے باوجود روشنی کی رفتار کا حصول اپنے لئے ناممکن تصور کرتا ہے۔ یہ احساسِ محرومی اسے احساس کمتری میں مبتلا کر دیتا ہے، جبکہ تاجدار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم روشنی سے بھی کئی گنا تیز رفتار براق پر سوار ہو کر سفر معراج پر روانہ ہوئے۔ معراج کا واقعہ علم انسانی کے لئے اشارہ ہے کہ اس کائنات رنگ و بو میں موجود عناصر ہی کی باہم کسی انوکھی ترکیب سے اس بات کا قوی امکان ہے کہ انسان روشنی کی رفتار کو پا لے۔ اگر ایسا نہ ہوا تو لاکھوں کروڑوں نوری سال کی مسافتوں میں بکھری ہوئی اس کائنات کی تسخیر کا خواب ادھورا رہ جائے گا۔ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے کہا تھا:

خبر ملی ہے یہ معراجِ مصطفٰی سے مجھے
کہ عالم بشریت کی زد میں ہے گردوں

معجزۂ معراج طیٔ زمانی اور طیٔ مکانی کی جامعیت کا مظہر

اب جدید سائنس بھی اپنی تحقیقات کو بنیاد بنا کر اس کائناتی سچائی تک رسائی حاصل کر چکی ہے کہ رفتار میں کمی وبیشی کے مطابق کسی جسم پر وقت کا پھیلنا اور سکڑ جانا اور جسم کے حجم اور فاصلوں کا سکڑنا اور پھیلنا قوانین فطرت اور منشائے خداوندی کے عین موافق ہے۔ ربّ کائنات نے اپنی آخری آسمانی کتاب قرآنِ مجید فرقانِ حمید میں طیٔ زمانی اور طیٔ مکانی کی بعض صورتوں کا ذکر فرما کر بنی نوع انسان پر یہ واضح کر دیا ہے کہ انسان تو بیسویں صدی میں اپنی عقل کے بل بوتے پر وقت اور جگہ (Time & Sapce) کے اضافی (Relative) تصورات کو اپنے حیطۂ ادراک میں لانے میں کامیاب ہوگا لیکن ہم ساتویں صدی عیسوی کے اوائل ہی میں اپنی وحی کے ذریعہ اپنے محبوب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کائناتی سچائیوں کو منکشف کر رہے ہیں۔

طیٔ مکانی

لاکھوں کروڑوں کلومیٹرز کی وسعتوں میں بکھری مسافتوں کے ایک جنبش قدم میں سمٹ آنے کو اصطلاحاً ''طیٔ مکانی'' کہتے ہیں۔

طیٔ زمانی

صدیوں پر محیط وقت کے چند لمحوں میں سمٹ آنے کی کو اصطلاحاً ''طیٔ زمانی'' کہتے ہیں۔

خدائے قدیر وخبیر اپنے برگزیدہ انبیائے کرام اور اولیائے عظام میں سے کسی کو معجزہ اور کرامت کے طور پر طیٔ زمانی اور کسی کو طیٔ مکانی کے کمالات عطا کرتا ہے لیکن حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر معراج معجزاتِ طیٔ زمانی اور طیٔ مکانی دونوں کی جامعیت کا مظہر ہے۔ سفر کا ایک رخ اگر طیٔ زمانی کا آئینہ دار ہے تو اس کا دوسرا رخ طیٔ مکانی پر محیط نظر آتا ہے۔ معراج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دوران میں ان معجزات کا صدور نص قرآن وحدیث سے ثابت ہے، جن کی صحت میں کسی صاحب ایمان کے لئے انحراف کی

گنجائش نہیں ہے۔

قرآنِ حکیم میں طیِ مکانی کا ذکر

حضرت سلیمان علیہ السلام ملکۂ سبا ”بلقیس“ کے تخت کے بارے میں اپنے درباریوں سے سوال کرتے ہیں:

قَالَ يٰٓاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَيُّكُمْ يَاْتِيْنِىْ بِعَرْشِهَا قَبْلَ اَنْ يَّاْتُوْنِىْ مُسْلِمِيْنَ ○ (النمل، ۲۷:۳۸)

(حضرت سلیمان علیہ السلام نے) فرمایا: اے دربار والو! تم میں سے کون اس (ملکہ) کا تخت میرے پاس لا سکتا ہے، قبل اس کے کہ وہ لوگ فرمانبردار ہو کر میرے پاس آجائیں○

ملکۂ سبا بلقیس کا تخت دربارِ سلیمان علیہ اسلام سے تقریباً 900 میل کے فاصلے پر پڑا ہوا تھا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام چاہتے تھے کہ ملکۂ سبا جو مطیع ہو کر ان کے دربار میں حاضر ہونے کے لئے اپنے پایۂ تخت سے روانہ ہو چکی ہے، اس کا تخت اس کے آنے سے قبل ہی سرِ دربار پیش کر دیا جائے۔ قرآن مجید کہتا ہے:

قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ۚ وَاِنِّىْ عَلَيْهِ لَقَوِىٌّ اَمِيْنٌ ○ (النمل، ۲۷:۳۹)

ایک قوی ہیکل جن نے عرض کیا: ”میں اسے آپ کے پاس لا سکتا ہوں قبل اس کے کہ آپ اپنے مقام سے اٹھیں اور بے شک میں اس (کے لانے) پر طاقتور (اور) امانت دار ہوں○

قرآن مجید کی اس آیت کریمہ سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ سیدنا سلیمان علیہ السلام کے دربار کے ایک جن کو قاعدۂ طیِ مکانی کے تحت یہ قدرت حاصل تھی کہ وہ دربار برخاست ہونے سے پہلے 900 میل کی مسافت سے تختِ بلقیس لا کر حاضر کر دے لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام کو اتنی تاخیر بھی گوارا نہ ہوئی۔ اس موقع پر آپ کا ایک صحابی،

آصف بن برخیا، جس کے پاس کتاب اللہ کا علم تھا، خود کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں پیش کرتا ہے۔ اس انداز کو قرآنِ کریم نے اس طرح بیان فرمایا:

قَالَ الَّذِیْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِیْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّرْتَدَّ اِلَیْكَ طَرْفُكَ ؕ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّیْ ۫

(النمل، ۲۷:۴۰)

(پھر) ایک ایسے شخص نے عرض کیا جس کے پاس (آسمانی) کتاب کا کچھ علم تھا کہ میں اسے آپ کے پاس لا سکتا ہوں۔ قبل اس کے کہ آپ کی نگاہ آپ کی طرف پلٹے۔ پھر جب سلیمان (علیہ السلام) نے اس (تخت) کو اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا (تو) کہا یہ میرے رب کا فضل ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا ایک برگزیدہ صحابی آنکھ جھپکنے سے پیشتر تخت بلقیس اپنے نبی کے قدموں میں حاضر کر دیتا ہے۔ یہ طیِ مکانی کی ایک ناقابل تردید قرآنی مثال تھی کہ فاصلے سمٹ گئے، جسے قرآن حکیم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک اُمتی سے منسوب کیا ہے۔ اگر اس کرامت کا صدور حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک اُمتی سے منسوب کیا ہے۔ اگر اس کرامت کا صدور حضرت سلیمان علیہ السلام کے ایک اُمتی سے ہو سکتا ہے تو اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے نفوسِ قدسیہ کے کمالات کی کیا حد ہو گی! مردِ مومن کا اشارہ پاتے ہی ہزاروں میل کی مسافت اس کے ایک قدم میں سمٹ آتی ہے اور اس کے قدم اٹھانے سے پہلے شرق و غرب کے مقامات زیرِ پا آ جاتے ہیں۔ بقول علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ:

دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

قرآنِ حکیم میں طیِ زمانی کا ذکر

قرآن ہر علم، حکمت اور دانائی کا سرچشمہ ہے جو کائنات کے رازہائے سربستہ کو

ذہن انسانی پر منکشف کرتا ہے اور اس میں شعور و آگہی کے ان گنت چراغ روشن کرتا ہے۔ طی زمانی کا ذکر بھی ربِّ اَرض و سماوات کی آخری الہامی کتاب میں پوری وضاحت کے ساتھ موجود ہے۔ اصحاب کہف اور حضرت عزیز علیہ السلام کے واقعات طی زمانی کی خوبصورت مثالیں ہیں۔ ان دونوں واقعات میں خرقِ عادت اور محیر العقول میں قدر مشترک یہ ہے کہ یہ دونوں واقعات اسی کرۂ ارضی پر وقوع پذیر ہوئے اور طی زمانی کے حصول کے لئے سماوی کائنات (Outer Cosmos) میں روشنی کی رفتار سے سفر نہیں کیا گیا، مگر پھر بھی ظہور قدرت الٰہیہ کا نظارہ کیا عجب ہے کہ وقت تھم گیا اور مادّی اجسام بھی محفوظ رہے اور صدیوں پر محیط عرصہ بھی بیت گیا۔

اصحابِ کہف اور طی زمانی

قرآنِ حکیم طی زمانی کی مثال اصحاب کہف کے حوالے سے یوں بیان کرتا ہے کہ تین سو نو سال تک وہ ایک غار میں لیٹے رہے اور جب سو کر اٹھے تو انہیں گمان ہوا گویا وہ محض ایک دن یا دن کا کچھ حصہ سوئے رہے ہیں۔ قرآن مجید اس محیر العقول واقعہ کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ كَمْ لَبِثْتُمْ ط قَالُوْا لَبِثْنَا يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ط

(الکہف، ۱۸:۱۹)

ان میں سے ایک کہنے والے نے کہا: ”تم (یہاں) کتنا عرصہ ٹھہرے ہو؟“
انہوں نے کہا: ”ہم (یہاں) ایک دن یا اس کا (بھی) کچھ حصہ ٹھہرے ہیں۔“

309 سال گزر جانے کے باوجود انہیں یوں محسوس ہوا کہ ایک دن بھی نہیں گزرنے پایا اور ان کے اجسام پہلے کی طرح تروتازہ اور توانا رہے۔ طی زمانی کی یہ کتنی حیرت انگیز مثال ہے کہ مدت مدید تک اصحابِ کہف اور ان کا کتا غار میں مقیم رہے اور مرورِ ایام سے انہیں کوئی گزند نہ پہنچا۔ قرآنِ مجید کے اس مقام کے سیاق و سباق کا عمیق مطالعہ کیا جائے تو اصحابِ کہف کے حوالے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ وہ اپنے غار

میں 309 سال تک آرام فرما رہے۔ کھانے پینے سے بالکل بے نیاز قبر کی سی حالت میں 309 سال تک ان کے جسموں کو گردشِ لیل ونہار سے پیدا ہونے والے اثرات سے کلیتاً محفوظ رکھا گیا۔ سورج رحمت خداوندی کے خصوصی مظہر کے طور پر ان کی خاطر اپنا راستہ بدلتا رہا تاکہ ان کے جسم موسمی تغیرات سے محفوظ و مامون اور صحیح و سالم رہیں۔ 309 قمری سال 300 شمسی سالوں کے مساوی ہوتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کرۂ ارضی کے 300 سالوں کے شمسی موسم ان پر گزر گئے مگر ان کے اجسام تروتازہ رہے۔ تین صدیوں پر محیط زمانہ ان پر انتہائی تیز رفتاری کے ساتھ گزر گیا اور وہ بیدار ہونے پر صدیوں پر محیط اس مدت کو محض ایک آدھ دن خیال کرتے رہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی خاص نشانی اور قدرتِ الٰہیہ کا ظہور تھا جس سے عادتِ الٰہیہ کے پیمانے سمٹ گئے۔ قرآن مجید فرماتا ہے:

وَ تَرَى الشَّمْسَ اِذَا طَلَعَتْ تَّزٰوَرُ عَنْ كَهْفِهِمْ ذَاتَ الْيَمِيْنِ وَ اِذَا غَرَبَتْ تَّقْرِضُهُمْ ذَاتَ الشِّمَالِ وَ هُمْ فِيْ فَجْوَةٍ مِّنْهُ ؕ

(الکہف، ۱۸، ۱۷)

اور آپ دیکھتے ہیں جب سورج طلوع ہوتا ہے تو ان کے غار سے دائیں جانب ہٹ جاتا ہے اور جب غروب ہونے لگتا ہے تو ان سے بائیں جانب کترا جاتا ہے اور وہ اس کشادہ میدان میں (لیٹے) ہیں۔

اللہ کی وہ خاص نشانی جس کا ظہور اس نے اصحابِ کہف کی کرامت کے طور پر کیا، یہ ہے کہ اس نے اپنے مقربین کو ظالم بادشاہ کے شر سے محفوظ رکھنے کے لئے 309 قمری سال تک سورج کے طلوع و غروب کے اصول تک بدل دیئے اور ذٰلک تقدیر العزیز العلیم کی رو سے ایک معین نظامِ فلکیات کو سورج کے گرد زمین کی 300 مکمل گردشوں تک کے طویل عرصے کے لئے تبدیل کر دیا گیا اور فطری ضابطوں کو بدل کر رکھ دیا گیا۔

(معراج النبی از: پروفیسر طاہر القادری)

خدائے رحمٰن ورحیم نے اپنی خصوصی رحمت سے اصحابِ کہف کو تھپکی دے کر پرکیف

نیند سلا دیا اور ان پر عجیب سرشاری کی کیفیت طاری کر دی۔ پھر انہیں ایک ایسے مشاہدۂ حق میں مگن کر دیا کہ صدیاں ساعتوں میں تبدیل ہوتی محسوس ہوئیں۔ جیسا کہ قیامت کا دن بھی طی زمانی ہی کی ایک صورت میں برپا ہوگا جس میں پچاس ہزار سال کا دن اللہ کے نیک بندوں پر عصر کی چار رکعتوں کی ادائیگی جتنے وقت میں گزر جائے گا جبکہ دیگر لوگوں پر وہ طویل دن ناقابل بیان کرب و اذیت کا حامل ہوگا۔ مشاہدۂ حق کے استغراق میں وقت سمٹ جاتا ہے اور صدیاں لمحوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔

مہینے وصل کے گھڑیوں کی صورت اُڑتے جاتے ہیں
مگر گھڑیاں جدائی کی گزرتی ہیں مہینوں میں

معراج النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم

ساری کائنات کے پالنے والے اللہ جل مجدہٗ کے عبد منیب اور حضور پرنور، مکی مدنی سرکار، سرکار ابد قرار، ہم غریبوں کے غمخوار حبیب لبیب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے جو آنسو طائف کی زمین پر ٹپکے، خون ناب کے جو معطر قطرے گلشن اسلام کی آبیاری کے لئے جسم اطہر سے بہے شان کریمی نے انہیں موتی سمجھ کر چن لیا۔ اور دعا کے لئے اٹھنے والے ہاتھ کیا اٹھے کہ قدرت کی بندہ نوازیوں نے روشن مستقبل کی کلیدان مبارک ہاتھوں میں تھما دی۔ آئے روز الطاف الٰہی کا یوں مسلسل ظہور ہونے لگا کہ خاطر عاطر پر حزن و ملال کا جو غبار پڑا تھا۔ وہ صاف ہوتا گیا آخر وہ مبارک رات آئی۔ جب کہ دست قدرت نے اپنے مادی، معنوی اور روحانی خزانوں کے منہ کھول دیئے۔ نور ذات پر صفات کے جو پردے پڑے تھے ایک ایک کر کے اٹھنے لگے۔ بیکراں مسافتیں سمٹتی گئیں اور عبد کامل حریم قدس میں دنا فتدلی کی منزلیں طے کرتا ہوا قرب وحضوری کے اس مقام رفیع پر فائز کر دیا گیا جس کی تعبیر زبان قدرت نے فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنَىٰ ۝ کے پیارے پیارے کلمات سے فرمائی۔ اس سے مزید قرب کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا اور اس قرب خاص کے بیان کے لئے اس سے دل نشین کوئی اسلوب بیان اختیار نہیں کیا جا سکتا۔ رب

قدوس نے اپنے محبوب کریم کے غلاموں کو لیلۃ القدر کے انعام سے بہرہ ور فرمایا اور اس ایک رات کی عبادت کو ایک ہزار مہینوں کی عبادتوں سے افضل قرار دے دیا اور جس محبوب کے صدقے ہم بے نواؤں اور خطا کاروں پر یہ لطف و کرم ہوا اس حبیب کے علو مرتبت کے اظہر کے لئے اور دن رات ماہیٔ بے آب کی طرح تڑپنے والے دل کو اپنے دیدار سے مشرف کرنے کے لئے رات کو سفر معراج کا اہتمام فرمایا۔

وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

''اور اللہ تعالیٰ مخصوص فرماتا ہے اپنی رحمت سے جس کو چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ صاحب فضل عظیم ہے۔'' (البقرہ:۱۰۵)

وَ كَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ۝

''اے حبیب! اللہ تعالیٰ کا آپ پر فضل عظیم ہے۔'' (النساء:۱۱۳)

اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا ۝

''یقیناً اس کا فضل و کرم اے حبیب! آپ پر بہت بڑا ہے۔'' (بنی اسرائیل:۸۷)

ان کے علاوہ قرآن کریم میں سینکڑوں آیات ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اس لطف و کرم اور فضل عظیم و کبیر کا اظہار فرمایا ہے جس سے اس نے اپنے برگزیدہ رسول کو سرفراز فرمایا۔

واقعہ معراج اپنی اہمیت کے پیش نظر اس بات کا مقتضی ہے کہ اس پر تفصیلی بحث کی جائے اس کے بارے میں جو اعتراضات اور شکوک و شبہات پیش کیے جاتے ہیں حقیقت پسندی سے ان کا جائزہ لیا جائے ان کی وضاحت کی جائے تاکہ اپنے اور بیگانے۔ ماننے والے اور انکار کرنے والے حسب استطاعت سب اس سے مستفید ہو سکیں وباللہ التوفیق۔

یہ سفر مبارک کس ماہ کی کس تاریخ کو پیش آیا اس کے بارے میں علماء کے متعدد اقوال ہیں۔ کسی نے ربیع الاول، کسی نے ربیع الآخر اور کسی نے رمضان المبارک کے مہینے کی کوئی تاریخ مقرر کی ہے۔'' لیکن ابن قتیبہ دینوری (المتوفی ۲۶۷ھ) اور علامہ ابن

عبدالبر (المتوفی ۴۶۳ھ) نے ماہ رجب کی تعیین کی ہے اور متاخرین میں امام رافعی اور امام نووی نے روضہ میں اسی کو تیقن کے ساتھ ظاہر کیا ہے اور محدث عبدالغنی مقدسی نے بھی اسی مہینہ کو اختیار کیا ہے بلکہ ۲۷ رتاریخ کی بھی تصریح کردی ہے اور علامہ زرقانی نے لکھا ہے کہ لوگوں کا اسی پر عمل ہے اور بعض کی رائے ہے کہ یہی قوی ترین روایت ہے کیونکہ اصول یہ ہے کہ جب کسی بات میں سلف کا اختلاف ہو اور کسی رائے کی ترجیح پر کوئی دلیل قائم نہ ہو تو بظن غالب وہ قول صحیح ہوگا جس پر عملدرآمد ہو اور جو لوگوں میں مقبول ہو۔"

(السیرۃ النبویہ علامہ سید سلیمان ندوی، جلد سوم، صفحہ ۳۶۰)

رہی یہ بات کہ کس سال اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم کو "ملکوت السموت والارض" کی سیاحت کرائی۔

اس کے بارے میں علامہ علی بن برہان الدین حلبی کی یہ عبارت جملہ اقوال علماء کی جامع ہے وہ لکھتے ہیں۔

وذلك قبل الهجرة بسنة وبه جزم ابن حزم و ادعى فيه الاجماع و قيل بسنتين و قيل بثلاث سنين و كان بعد خروجه الى الطائف

"یہ سفر ہجرت سے ایک سال پہلے ہوا۔ ابن حزم نے اسے یقین کے ساتھ لکھا ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ اس پر سب کا اجماع ہے۔ اور بعض کے نزدیک یہ سفر ہجرت سے دو سال پہلے اور بعض کے نزدیک تین سال پہلے وقوع پذیر ہوا۔" (انسان العیون، جلد اول، صفحہ ۳۴۸)

بہرحال طائف کے حادثہ فاجعہ کے بعد لامکان کی سیر کرائی گئی اور آیات الٰہی کا مشاہدہ کرایا گیا۔

البتہ دو چیزیں مسلمات میں سے ہیں کہ طائف سے واپسی کے بعد اور مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت سے پہلے اس درمیانی مدت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو معراج کا

شرف ارزانی فرمایا۔

دوسرا مسئلہ جو یہاں غور طلب ہے وہ یہ ہے کہ یمن و برکت سے لبریز یہ سفر، حالت خواب کا واقعہ ہے یا عالم بیداری میں ہوا۔ اگر عالم بیداری میں ہوا تو ملکوت السموات و الارض کی سیاحت صرف روح نے کی یا روح اور جسم دونوں کو قدرت خداوندی کی آیات بینات کے مشاہدہ کی سعادت میسر آئی۔ اگرچہ بعض اقوال ایسے بھی ہیں جن میں یہ مذکور ہے کہ معراج حالت خواب کا واقعہ ہے اور بعض علماء کی یہ رائے بھی نظر سے گزری ہے کہ معراج ہوا تو عالم بیداری میں۔ لیکن صرف روح کو۔ لیکن امت کے جمہور علماء کا یہی فیصلہ ہے کہ منزل دنا کا یہ سفر پیکر نور رحمۃ للعالمین خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جسم اور روح دونوں کے ساتھ طے کیا۔

چنانچہ قاضی عیاض الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ میں رقم طراز ہیں:

وذهب معظم السلف والمسلمين الى انه اسراء بالجسد وفى اليقظة وهذا هو الحق وهو قول ابن عباس و جابر، و انس، و حذيفة، و عمر و ابى هريرة و مالك بن صعصعه وابى حبه البدرى، ابن مسعود، والضحاك و سعيد بن جبير وقتادة و ابن المسيب و ابن شهاب وابن زيد ...... وجماعة عظيمة من المسلمين و قول اكثر المتاخرين من الفقهاء و المحدثين و المتكلمين و المفسرين۔

”سلف صالحین اور امت مسلمہ کی غالب اکثریت کی رائے یہ ہے کہ اسراء جسم مبارک کے ساتھ حالت بیداری میں ہوا اور یہی قول حق ہے اور مندرجہ ذیل حضرات کا بھی یہی مذہب ہے۔

حضرات، ابن عباس، جابر، انس، حذیفہ، عمر، ابوہریرہ، مالک بن صعصعہ، ابی حبہ البدری اور ابن مسعود (یہ سب صحابہ ہیں) اور ضحاک، سعید بن جبیر،

قتادہ، ابن المسیب، ابن شہاب، ابن زید، حسن، ابراہیم، مفروق، مجاہد، عکرمہ اور ابن جریج، ان کے علاوہ طبری، امام ابن حنبل اور مسلمانوں کی ایک عظیم جماعت کا یہی قول ہے نیز علماء متاخرین میں سے فقہاء محدثین متکلمین اور مفسرین کی اکثریت کا یہی قول ہے۔

(الشفاء، جلد اول، صفحہ ۲۴۹ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

اس سفر مبارک کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے پہلا حصہ حرم مکہ سے بیت المقدس تک اور دوسرا حصہ بیت المقدس سے سدرۃ المنتہیٰ اور ماوراء تک۔ اس ماورا کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ جانتا ہے یا اس کا رسول مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

پہلے حصہ کو اسراء کہتے ہیں اور دوسرے کو معراج۔ ہم آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ کی روشنی میں اس سفر کے دونوں حصوں کو ناظرین کرام کی خدمت میں علیحدہ علیحدہ پیش کرتے ہیں۔

اسراء

اسراء کا تذکرہ سورہ بنی اسرائیل کی پہلی آیت میں کیا گیا ہے ارشاد الٰہی ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ط اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ○

"ہر عیب سے پاک ہے وہ ذات جس نے سیر کرائی اپنے بندے کو رات کے قلیل حصہ میں مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک۔ بابرکت بنا دیا ہے ہم نے اس کے گرد و نواح کو تا کہ ہم دکھائیں اپنے بندے کو اپنی قدرت کی نشانیاں۔ بیشک وہی ہے سب کچھ سننے والا سب کچھ دیکھنے والا۔ (سورۂ بنی اسرائیل: ۱)

اس آیت کی تشریح اور وضاحت کے لئے تفسیر ضیاء القرآن سے ایک اقتباس پیش خدمت ہے۔

اس آیت کریمہ میں حضور فخر موجودات سید کائنات حضور سید دو عالم، فخر بنی آدم، سلطان مدینہ، راحت قلب و سینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے ایک عظیم الشان معجزہ کو بیان کیا گیا ہے اس کے متعلق عقل کوتاہ اندیش اور فہم حقیقت ناشناس نے پہلے بھی رد و قدح کی اور آج بھی واویلا مچا رکھا ہے اس لئے اس مقام کا تقاضا یہ ہے کہ بے سود طوالت سے دامن بچاتے ہوئے ضروری امور کا تذکرہ کر دیا جائے تاکہ حق کی جستجو کرنے والوں کے لئے حق کی پہچان آسان ہو جائے اور شکوک و شبہات کا جو غبار حسن حقیقت کو مستور کرنے کے لئے اٹھایا جا رہا ہے اس کا سدباب ہو جائے......

حضور سید دو عالم، فخر بنی آدم، سلطان مدینہ، راحت قلب و سینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک رات خانہ کعبہ کے پاس حطیم میں آرام فرما رہے تھے کہ جبرئیل امین حاضر خدمت ہوئے اور خواب سے بیدار کیا۔ اور ارادہ خداوندی سے آگاہی بخشی حضور اٹھے چاہ زمزم کے قریب لائے گئے۔ سینہ مبارک کو چاک کیا گیا قلب اطہر میں ایمان و حکمت سے بھرا ہوا طشت انڈیل دیا گیا پھر سینہ مبارک درست کر دیا گیا۔ حرم سے باہر تشریف لائے تو سواری کے لئے ایک جانور پیش کیا گیا جو براق کے نام سے موسوم ہے۔ اس کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ جہاں نگاہ پڑتی تھی وہاں قدم رکھتا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس پر سوار ہو کر بیت المقدس آئے اور جس حلقہ سے انبیاء کی سواریاں باندھی جاتی تھیں براق کو باندھ دیا گیا۔ حضور مسجد اقصیٰ میں تشریف لے گئے جہاں جملہ انبیاء سابقین، حضور کے لئے چشم براہ تھے۔ حضور سید دو عالم، فخر بنی آدم، سلطان مدینہ، راحت قلب و سینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی اقتدا میں سب نے نماز ادا کی۔ اس طرح ارواح انبیاء سے روز ازل جو یہ عہد لیا گیا تھا۔ لتومنن بہ ولتنصرنہ (آل عمران آیت ۸۱) کہ تم میرے محبوب پر ضرور ایمان لانا اور ضرور اس کی مدد کرنا۔ کی تکمیل ہوئی ازاں بعد مرکب ہمایوں بلندیوں کی طرف پر کشا ہوا۔ مختلف طبقات آسمانی پر مختلف انبیاء سے ملاقاتیں ہوئیں۔

پہلے آسمان پر ابوالبشر آدم علیہ السلام اور ساتویں آسمان پر اپنے جد کریم ابوالانبیاء

حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات ہوئی۔ حضرت خلیل نے ''مرحبا بالنبی الصالح والابن الصالح یعنی اے نبی صالح خوش آمدید اور اے فرزند دلبند مرحبا! کے محبت بھرے کلمات سے استقبال کیا۔ حضرت ابراہیم بیت المعمور سے پشت لگائے بیٹھے تھے۔ حضور شہنشاہ مدینہ، راحت قلب وسینہ، فیض گنجینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم آگے بڑھے اور سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچے جو انوار ربانی کی تجلی گاہ تھی اس کی کیفیت الفاظ کے پیمانوں میں سما نہیں سکتی۔ عقاب ہمت۔ یہاں بھی آشیاں بند نہیں ہوا اور آگے بڑھے۔ کہاں تک گئے ماوشما اسے کیا سمجھیں زبان قدرت نے مقام قرب کا ذکر اس طرح کیا ہے۔

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰی ۝ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی ۝

''پھر وہ قریب ہوا اور قریب ہوا یہاں تک کہ صرف دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔'' (سورۃ النجم: ۸-۹)

وہاں کیا ہوا۔ یہ بھی میری اور آپ کی عقل کی رسائی سے بالاتر ہے قرآن کریم نے بتایا ہے۔

فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی ۝ (سورۃ النجم: ۱۰)

''پس وحی کی اللہ نے اپنے محبوب بندے کی طرف جو وحی کی۔''

علامہ سید سلیمان ندوی کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

پھر شاہد مستور ازل نے چہرہ سے پردہ اٹھایا اور خلوت گاہ راز میں ناز و نیاز کے وہ پیغام عطا ہوئے جن کی لطافت و نزاکت بار الفاظ کی متحمل نہیں ہو سکتی۔ فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰی (سیرت النبی جلد سوم)

اسی مقام قرب اور گوشۂ خلوت میں دیگر انعامات نفیسہ کے علاوہ پچاس نمازیں ادا کرنے کا حکم ملا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عرضداشت پر حضور شہنشاہ مدینہ، راحت قلب وسینہ، فیض گنجینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کئی بار بارگاہ رب العزت میں تخفیف کے لئے التجا کی چنانچہ نماز کی تعداد پانچ کردی گئی اور ثواب پچاس کا ہی رہا۔

فرازِ عرش سے محبوب رب العالمین مراجعت فرمائے خاکدان ارضی ہوئے۔ ابھی یہاں رات کا سماں تھا۔ ہر سو رات کی تاریکی پھیلی ہوئی تھی سپیدۂ سحر کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔

واقعہ معراج کو انتہائی اختصار کے ساتھ آپ کے سامنے پیش کر دیا گیا۔ یہ مسافت بیشک بڑی طویل ہے۔ اس سفر میں پیش آنے والا ہر واقعہ بلاشبہ عجیب و غریب ہے۔ اس لئے وہ دل جو نورِ ایمان سے خالی تھے۔ انہوں نے اسے اسلام اور داعی اسلام کے خلاف سب سے بڑا اعتراض قرار دیا۔ کئی ضعیف الایمان لوگوں کے پاؤں ڈگمگا گئے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ جن کے دل میں یقین کا چراغ ضوفشاں تھا انہیں قطعاً کوئی پریشانی اور تذبذب نہیں ہوا اور نہ دشمنان اسلام کی ہرزہ سرائی اور غوغہ آرائی سے وہ متاثر ہوئے بلکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے جب اس واقعہ کا ذکر کیا گیا تو آپ نے بلا جھجک جواب دیا کہ اگر میرے آقا و مولیٰ نے ایسا فرمایا ہے تو یقیناً سچ ہے اہل ایمان کے نزدیک کسی واقعہ کی صحت اور عدم صحت کا انحصار اس پر نہیں تھا کہ ان کی عقل اس بارے میں کیا رائے رکھتی ہے بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت بے پایاں کے سامنے کسی چیز کو ناممکن خیال نہیں کرتے تھے ان کا یہ یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ جو چاہے، جس طرح چاہے کر سکتا ہے۔ ہمارے وضع کئے ہوئے قواعد و ضوابط اس کی قدرت کی بیکرانیوں کو محیط نہیں کر سکتے اور جو اس واقعہ کی خبر دینے والا ہے وہ اتنا سچا ہے کہ اس کی صداقت کے متعلق شک و شبہ کیا ہی نہیں جا سکتا۔ جب اس نے بتا دیا جس کی صداقت ہر شک و شبہ سے بالاتر ہے کہ اس قدرت والے نے ایسا کیا ہے جو علیٰ کل شی قدیر ہے تو پھر وہ امکان و عدم امکان کے چکر میں کیوں پڑیں۔ اس لئے جب شب اسریٰ کی صبح کو حرم کعبہ میں نبی برحق نے کفار کے بھرے مجمع میں اس عنایت ربانی کا ذکر فرمایا تو لوگ دو حصوں میں بٹ گئے۔ بعض نے انکار کر دیا اور بعض نے بلا چون و چرا تسلیم کر لیا۔ یہ اس زمانہ کا ذکر ہے جب یہ واقعہ پیش آیا۔

لیکن آج صورت حال قدرے مختلف ہے، ایک گروہ تو وہی منکرین کا ہے۔ دوسرا

گروہ وہی ماننے والوں کا ہے لیکن اب ایک تیسرا گروہ بھی نمودار ہو گیا ہے یہ وہ لوگ ہیں جن کے اذہان اس منکر گروہ کی علمی اور مادی برتری کے حلقہ بگوش ہیں اور ادھر اسلام سے بھی ان کا رشتہ ہے نہ وہ اسلام سے رشتہ توڑنے پر رضا مند ہیں اور نہ اپنے ذہنی مربیوں کے مزعومات و نظریات رد کرنے کی ہمت رکھتے ہیں۔

ناچارہ وہ اس واقعہ کی ایسی ایسی تاویلیں کرتے ہیں کہ واقعہ کا نام تو رہ جاتا ہے لیکن اس کے سارے حسن و جمال پر پانی پھر جاتا ہے اور اس کی معنویت کالعدم ہو جاتی ہے۔ یہ لوگ اپنے اس طریقہ کار پر بڑے مطمئن نظر آتے ہیں۔ وہ دل میں یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے اسلام پر وارد ہونے والا ایک بہت بڑا اعتراض دور کر دیا اس لئے ہمیں مختصراً دونوں گروہوں کو ایسے دلائل فراہم کرنا ہیں کہ اگر وہ تعصب کو بالائے طاق رکھ کر ان سے فائدہ اٹھانا چاہیں تو اٹھا سکیں۔

جو لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرت و عظمت اور اس کی شان کبریائی پر ایمان رکھتے ہیں اور حضور فخر موجودات، باعث تخلیق کائنات سیدنا و مولانا محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کا سچا رسول مانتے ہیں ان کے لئے تو واقعہ معراج کی صداقت پر اس آیت کریمہ کے بعد مزید کسی دلیل کی ضرورت نہیں۔ اسی موقع پر اس آیت کریمہ ''سبحان الذی اسریٰ الایہ'' کی مختصر تشریح کی جاتی ہے۔

آیت کا آغاز سبحان کے کلمہ سے کیا گیا ''سبحان سبح یسبح تسبیحا'' باب تفعیل کے مصدر تسبیح کا علم ہے اس کا معنی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے عیوب و نقائص سے مبرا اور منزہ ہے۔ علامہ زمخشری لکھتے ہیں:

علم للتسبیح کعثمان للرجل و انتصابه بفعل مضمر و دل علی التنزیه البلیغ من جمیع القبائح التی یضیف الیه اعداء الله

''یعنی سبحان، تسبیح مصدر کا علم ہے جس طرح عثمان، (جو اس کا ہم وزن ہے) کسی شخص کا علم ہوتا ہے اور یہاں فعل مضمر ہے جو اس کو نصب دیتا ہے

اس کا معنی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام ان کمزوریوں، عیبوں اور کوتاہیوں سے بالکل پاک اور منزہ ہے جن سے کفار اللہ تعالیٰ کو متہم کرتے ہیں۔"

علامہ آلوسی نے حضرت طلحہ سے حضور تاجدار انبیاء، سردار مکہ مکرمہ، سلطان مدینہ حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا جو ارشاد نقل کیا ہے وہ بھی اس معنی کی تائید کرتا ہے۔

عن طلحة قال سئلت رسول الله صلى الله عليه وسلم عن تفسير سبحان الله وقال تنزيه الله عن كل سوء

"یعنی حضرت طلحہ فرماتے ہیں کہ میں نے سبحان اللہ کی تفسیر، حضور مکی مدنی سرکار، دو عالم کے مختار، آمنہ کے لال، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھی۔ حضور تاجدار انبیاء، سردار مکہ مکرمہ، سلطان مدینہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو ہر برائی سے پاک اور منزہ کہنے کو سبحان اللہ کہتے ہیں۔"

سبحان کے کلمہ سے یہ دعویٰ کیا گیا کہ اللہ تعالیٰ ہر عیب، نقص، کمزوری اور بے بسی سے پاک ہے۔ اس کے لئے دلیل کی ضرورت تھی کیونکہ کوئی دعویٰ دلیل کے بغیر قابل قبول نہیں ہوا کرتا۔ بطور دلیل ارشاد فرمایا "الذی اسری بعبدہٖ" کیونکہ اللہ تعالیٰ وہ ہے جس نے اپنے محبوب بندے کو رات کے تھوڑے سے حصہ میں اتنا طویل سفر طے کرایا اور اپنی قدرت کی بڑی بڑی نشانیاں اور آیات بینات دکھائیں۔ جو ذات اتنے طویل سفر کو اتنے قلیل وقت میں طے کرا سکتی ہے واقعی اس کی قدرت بے پایاں، اس کی عظمت بیکراں ہے اور اس کی کبریائی کے دامن پر کسی کمزوری اور بے بسی کا کوئی داغ نہیں۔ تو جس واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے اپنی سبحانیت کی دلیل کے طور پر ذکر فرمایا ہے وہ کوئی معمولی واقعہ نہیں ہو سکتا بلکہ کوئی بڑا اہم۔ عظیم الشان اور محیر العقول واقعہ ہوگا اس لئے معراج کا انکار کرنا گویا اللہ تعالیٰ کی قدرت اور سبوحیت کی ایک قرآنی دلیل کو منہدم کرنا ہے۔

(ضیاء القرآن، جلد دوم، صفحہ ۶۲۴ تا ۶۲۶)

کونسٹانس جیور جیو، سابق وزیر خارجہ رومانیہ نے سیرت کے موضوع پر ایک کتاب

لکھی ہے جس کا عربی ترجمہ حلب یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر محمد التونجی نے کیا۔ جو نظرۃ جدیدۃ فی سیرت رسول اللہ کے عنوان سے بیروت سے شائع ہوا ہے اس میں وزیر موصوف نے معراج کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔

کہ اس واقعہ پر علوم طبیعات کی رو سے دو اعتراضات وارد ہوتے ہیں۔ پہلا اعتراض رفتار کی سرعت کے متعلق ہے دوسرا یہ کہ کیا جسم خاکی کے لئے ممکن ہے کہ فضا میں روشنی کی رفتار سے بھی تیز تر پرواز کر سکے۔ معراج کی روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور تاجدار انبیاء، سردار مکہ مکرمہ، سلطان مدینہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کائنات کے افق اعلیٰ تک تشریف لے گئے پھر واپس بھی تشریف لے آئے حالانکہ آئن سٹائن مشہور عالم سائنس دان اور ریاضی دان کے نزدیک کائنات کے دائرہ کے قطر کے ایک کونے سے دوسرے کونہ تک اگر روشنی سفر کرے تو اس کو یہ مسافت طے کرنے کے لئے تین ہزار ملین نوری سالوں کا عرصہ درکار ہے جب کہ روشنی کی اپنی رفتار تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ ہے جسے ہندسوں میں یوں لکھا جا سکتا ہے۔ ۱۰۰۰۰۰۰×۳۰۰۰=۳۰۰۰۰۰۰۰۰۰ یعنی تین ارب نوری سال۔

وزیر موصوف لکھتا ہے کہ اگرچہ علم طبیعیات کے نزدیک یہ امر ممکن نہیں کہ اتنی مسافت رات کے ایک قلیل حصہ میں طے ہوئی ہو لیکن مذہبی نقطہ نظر سے ہمیں اس پر اعتراض کا کوئی حق نہیں کہ ہم عیسائی بھی بہت سی ایسی چیزوں کو اپنے مذہبی عقائد میں شمار کرتے ہیں اور ان کی صداقت پر ایمان رکھتے ہیں۔ اس لئے ہمیں مسلمانوں پر اعتراض کرنے کا کوئی حق نہیں۔ (نظرۃ جدیدہ صفحہ ۱۴۳ مطبوعہ بیروت)

اگرچہ انہوں نے عقائد کا ذکر نہیں کیا جن پر عیسائی کا ایمان لانا ضروری ہے حالانکہ وہ علم طبعی کے رو سے ناممکن ہے لیکن میں انجیل کے حوالہ سے ایک واقعہ کا تذکرہ ضرور سمجھتا ہوں۔

سب عیسائیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو آسمان کی طرف اٹھا لیا

گیا۔ مختلف انجیلوں کی آیات سے یہ عقیدہ ثابت ہے۔ انجیلِ مرقس کے سولہویں باب کی انیسویں آیت ملاحظہ فرمائیں۔

غرض خداوند یسوع ان سے کلام کرنے کے بعد آسمان پر اٹھایا گیا اور خدا کی دہنی طرف بیٹھ گیا۔ (انجیل مرقس باب ۱۶ آیت ۱۹)

اسی مضمون کی ایک آیت انجیل لوقا میں بھی ہے۔

پھر وہ انہیں بیت عنیاہ کے سامنے تک لے گیا اور اپنے ہاتھ اٹھا کر انہیں برکت دی جب وہ انہیں برکت دے رہا تھا تو ایسا ہوا کہ ان سے جدا ہو گیا اور آسمان پر اٹھایا گیا۔

(انجیل لوقا باب ۲۴ آیت ۵۰-۵۱)

اگر حضرت مسیح علیہ السلام زمین سے آسمان کی ان بلندیوں تک پرواز فرما سکتے ہیں جہاں وہ خدا کے دہنے جانب بیٹھ سکتے ہیں تو وہ ہستی جس کے جوتوں کے تسمے کھولنے کی حسرت مسیح علیہ السلام کو عمر بھر بے چین کیے رہی وہ کیوں یہ سفر قلیل مدت میں طے نہیں کر سکتی۔

دائرہ کائنات کے قطر کے دو کناروں میں بعد کا جو اندازہ آئن سٹائن نے لگایا ہے یا روشنی کی سرعت رفتار کا جو تخمینہ اس نے بیان کیا ہے ہمیں اس کی تردید کی ضرورت نہیں لیکن ہم آئن سٹائن سے یہ پوچھنے کا حق تو رکھتے ہیں کہ اس کے پاس کوئی علمی دلیل ہے جس پر اعتماد کر کے وہ یقین سے یہ کہہ سکتا ہے کہ روشنی سے زیادہ تیز رفتار اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔

ہو سکتا ہے کہ کوئی اور چیز ہو جو روشنی سے بھی کئی گنا زیادہ تیز رفتار ہو۔ یا روشنی کی طبعی رفتار تو تین لاکھ کلومیٹر فی سیکنڈ ہو لیکن کیا یہ ممکن نہیں کہ کسی اور قوت سے اس کی تیز رفتاری میں مزید اضافہ کیا جا سکتا ہو جب یہ سب امکانات موجود ہیں اور کسی سائنس دان نے ان کا انکار نہیں کیا تو پھر جن کا یہ عقیدہ ہو کہ اس عبد کامل نے خود سیر کرنے کا دعویٰ نہیں کیا بلکہ کہا تو یہ کہا کہ۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ

''ہر عجز و ناتوانی سے پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے محبوب بندے کو سیر کرائی۔ تو اس امر پر کیا اعتراض ہو سکتا ہے کہ کیا علوم طبیعیہ کا کوئی قاعدہ اس کی نفی کر سکتا ہے۔'' (ضیاء القرآن، جلد دوم، صفحہ ۶۳۶)

سبحان کی تشریح کے بعد اس کلمہ اسریٰ کے اس مفہوم پر غور فرمائیے۔

اسریٰ = رات کو سیر کرانے کو کہتے ہیں۔ لیلا پر تنوین تقلیل کی ہے۔ یہ سفر رات کے وقت ہوا لیکن اس سفر میں ساری رات ختم نہیں ہوئی بلکہ رات کے ایک قلیل حصہ میں بڑے اطمینان اور عافیت سے یہ سفر طے پایا اسریٰ کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ حضور نبی کریم، رؤف و رحیم، سید دو عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر بعبدہ کے لفظ سے فرمایا گیا۔ اس کی متعدد حکمتیں ہیں۔ ان میں سے ایک تو یہ ہے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی بے مثل رفعت شان اور علو مرتبت کو دیکھ کر کوئی اس غلط فہمی میں مبتلا نہ ہو جائے جس میں عیسائی کمالات عیسوی کو دیکھ کر مبتلا ہو گئے تھے۔ (کہ وہ آپ کو اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہنے کے بجائے اللہ کا بیٹا کہنے لگے تھے) اس کے علاوہ مفسرین نے لکھا ہے جب حضور نبی کریم، رؤف و رحیم، سید دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم بارگاہ صمدیت میں مقام قاب قوسین او ادنیٰ پر فائز ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا۔

بم اشرفک یا محمد اے سراپا حمد و ستائش! آج میں تجھے کس لقب سے سرفراز کروں۔ حضور نے جواباً عرض کی بنسبتی الیك بالعبودیۃ مجھے اپنا بندہ کہنے کی نسبت سے مشرف فرما۔ (ضیاء القرآن، جلد دوم، صفحہ ۶۳۹)

اس لئے اللہ تعالیٰ نے ذکر معراج کے وقت اسی لقب کو ذکر فرمایا جو اس کے حبیب نے اپنے لئے خود پسند فرمایا تھا۔ نیز بعبدہ کے کلمہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ سفر حالت خواب میں طے نہیں ہوا یا صرف روح نے یہ شرف باریابی حاصل نہیں کیا بلکہ روح و جسم نے بحالت بیداری یہ سفر کیا کیونکہ عبد کے لفظ کا اطلاق صرف روح پر نہیں ہوتا بلکہ

روح اور جسم کے مجموعہ کو عبد کہتے ہیں۔

خاب میں تو ہر کس و ناکس طویل مسافتیں پل بھر میں طے کر سکتا ہے اس پر نہ انکار کیا جاتا ہے اور نہ اظہار تعجب۔ لیکن حضور مختار کل کائنات، فخر موجودات، جان کائنات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب یہ واقعہ کفار کو سنایا تو اسے سن کر انہوں نے وہ اودھم مچایا کہ خدا کی پناہ بلکہ کئی کمزور ایمان والے مسلمان مرتد ہو گئے۔ اگر حضور نے انہیں بتایا ہوتا کہ لوگو! میں نے ایسا ایسا خواب دیکھا ہے تو منکرین کی طرف سے یہ ردعمل کبھی ظاہر نہ کیا جاتا۔

لِنُرِيَهُ مِنْ اٰيٰتِنَا (بنی اسرائیل:۱)

"تا ہم ہم دکھائیں اپنے بندے کو اپنی قدرت کی نشانیاں۔"

ان کلمات سے اس سفر کی غرض وغایت بیان فرمائی کہ یہ سفر یوں نہیں ہوا کہ بھاگم بھاگ حضور گئے ہوں اور اسی عجلت سے واپس آ گئے ہوں نہ کچھ دیکھا۔ نہ سنا۔ بلکہ صحیفہ کائنات کے ہر ہر صفحہ پر گلشن ہستی کی ہر ہر پتی پر اللہ تعالیٰ کی قدرت، عظمت، علم وحکمت کے جتنے کرشمے رقم تھے۔ سب بے نقاب کر کے اپنے محبوب کو دکھا دیئے۔

اب آپ خود فرمایئے کہ جو لوگ معراج کو عالم خواب کا ایک واقعہ کہتے ہیں ان کے نزدیک یہ واقعہ اللہ تعالیٰ کی سبوحیت اور پاکی کی دلیل کیونکر بن سکتا ہے۔ قرآن کریم کا یہ انداز بیان صاف بتا رہا ہے کہ یہ واقعہ خواب کا نہیں بلکہ عالم بیداری کا ہے۔

جسمانی معراج کے منکرین کے دلائل

اس پر یہ شبہ کیا جا سکتا ہے کہ قرآن کریم کی دوسری آیت میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ یہ رؤیا تھا یعنی خواب تھا۔ ارشاد باری ہے۔

مَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ

"یہاں رؤیا کا لفظ ہے اس کا معنی خواب ہے آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے یہ خواب آپ کو صرف اس لئے دکھایا تا کہ لوگوں کی آزمائش کی جا

سکے۔“

جب خود قرآن پاک نے تصریح کر دی کہ یہ خواب تھا تو پھر اس کا انکار کیسے کیا جا سکتا ہے۔ جواباً عرض ہے کہ اکثر مفسرین کی یہ رائے ہے کہ اس آیت کا تعلق واقعہ معراج سے ہے ہی نہیں بلکہ کسی دوسرے خواب سے ہے اور اگر اس پر ہی اصرار ہو کہ اس آیت میں معراج ہی کا ذکر ہے تو پھر حضرت ابن عباس کی تصریح کے بعد کوئی التباس نہیں رہتا آپ نے فرمایا یہاں رؤیا سے مراد عالم بیداری میں آنکھوں سے دیکھنا ہے۔

قال ابن عباس هی رؤیا عین اریها رسول الله صلی الله علیه وسلم

”یعنی حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ رؤیا کا معنی ان آنکھوں سے دیکھنا ہے جس کا مشاہدہ حضور مختار کل کائنات، فخر موجودات، جان کائنات رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو کرایا گیا۔“

ولو کانت رؤیا منام ما افتتن بها احد . ولا انکرها فانه لا یستبعد علی احد ان یری نفسه یخترق السموات و یجلس علی الکرسی . و یکلمة الرب

”یعنی اگر معراج عالم خواب کا واقعہ ہوتا تو کوئی اس سے فتنہ میں مبتلا نہ ہوتا۔ اور کوئی اس کا انکار نہ کرتا کیونکہ اگر کوئی شخص خواب میں اپنے آپ کو دیکھے کہ وہ آسمان کو چیرتا ہوا اوپر جا رہا ہے یہاں تک کہ وہ کرسی پر جا کر بیٹھ گیا اور اللہ تعالیٰ نے اس سے گفتگو فرمائی، تو ایسے خواب کو بھی مستبعد اور خلاف عقل قرار دے کر اس کا انکار نہیں کیا جاتا۔“ (احکام القرآن لابن العربی صفحہ ۱۱۹۵)

یہ لوگ حضرت انس کی اس حدیث سے بھی استدلال کرتے ہیں کہ واقعہ معراج بیان کرنے کے بعد حضور نے فرمایا۔

ثم استیقظت و انا فی المسجد الحرام

"پھر میں نیند سے بیدار ہوا اور اپنے آپ کو مسجد حرام میں پایا۔"

اس روایت کے متعلق فن حدیث کے ماہرین کی تصریح ملاحظہ فرمائیے خود بخود شبہ دور ہو جائے گا۔

علامہ آلوسی فرماتے ہیں کہ یہ الفاظ حضرت انس سے شریک نے نقل کیے ہیں اور "شريك ليس بالحافظ عند اهل الحديث یعنی اہل حدیث کے نزدیک، شریک حافظ حدیث نہیں ہے۔ (روح المعانی جلد ۱۵)

دوسری روایت سنئے۔

ان هذا اللفظ رواه شريك عن انس و كان قد تغير باخره فيعول على روايات الجميع

"کہ یہ الفاظ حضرت انس سے صرف شریک نے روایت کیے ہیں ان کا حافظہ آخر میں کمزور ہو گیا تھا اس لئے ان کی روایت کی بجائے ان روایات پر بھروسا کیا جائے جو باقی تمام راویوں نے بیان کی ہے۔"

(احکام القرآن لابن العربی)

عجیب بات یہ ہے کہ حضرت انس سے یہ حدیث شریک کے علاوہ دیگر ائمہ حدیث ابن شہاب، ثابت البنانی اور قتادہ نے بھی روایت کی ہے لیکن ان کی روایات میں یہ الفاظ نہیں۔

قد روى حديث الاسراء من انس جماعة من الحفاظ المتقنين والائمة المشهورين كابن شهاب و ثابت البناني و قتادة ولم يات احد منهم بما اتى به شريك (روح المعانی جلد ۱۵)

ہر ہر صفحہ پر گلشن کی ہر ہر پتی پر اللہ تعالیٰ کی قدرت، عظمت، علم و حکمت کے جتنے کرشمے رقم تھے۔ سب بے نقاب کر کے اپنے محبوب کو دکھا دیئے۔

علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

وقوله فی حدیث شریك عن انس ـ ثم استیقظت فاذا انا فی الحجر معدود فی غلطات الشریك

"یعنی ان الفاظ کا شمار شریک کی غلطیوں میں ہوتا ہے۔"

اس حدیث کے علاوہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے قول سے بھی استشہاد کیا جاتا ہے کہ ان حضرات کا بھی یہی خیال تھا کہ یہ خواب کا واقعہ ہے، لیکن محدثین پہلے تو اس قول کی نسبت ان حضرات کی طرف کرنے کو ہی مشکوک سمجھتے ہیں اور اگر روایت ثابت ہو بھی جائے تو ان کے قول پر جمہور صحابہ کے ارشادات کو ترجیح دی جائے گی۔ کیونکہ اس وقت حضرت صدیقہ تو بالکل کمسن بچی تھیں اور امیر معاویہ ابھی تک مشرف باسلام ہی نہ ہوئے تھے۔ نیز یہ ان صاحبان کی اپنی ذاتی رائے ہے حضور کا ارشاد نہیں۔ علامہ ابن حیان اس کے متعلق لکھتے ہیں:

ما روی عن عائشة و معاویة انه کان مناما فلعله لا یصح ولو صح لم یکن فی ذلك حجة لانهالم یشاهدا ذلك لصغر عائشة و کفر معاویة و لانهما لم یسندا ذلك الی رسول الله صلی الله علیه وسلم ولا حدثا به عنه .

اسی سلسلہ میں مقالات سر سید کے مطالعہ کا بھی اتفاق ہوا انہوں نے بڑی شد و مد سے معراج کو خواب ثابت کیا ہے اور اس ضمن میں طول طویل بحث کی ہے ان کا مقالہ پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مستشرقین اور عیسائی مورخین کے اعتراضات سے گھبرائے ہوئے ہیں اور ان کے زہر میں بجھے ہوئے طعن و تشنیع کے تیروں سے اسلام کو ہر قیمت پر بچانا چاہتے ہیں خواہ اس کوشش میں اسلام کا حلیہ ہی کیوں نہ بگڑ جائے اور عظمت مصطفوی کا عقیدہ ہی کیوں نہ متزلزل ہو جائے اور اللہ تعالیٰ کے قادر مطلق ہونے کے دلائل و براہین کو ہی کیوں نہ منہدم کرنا پڑے۔ آپ اس جذبہ کے اخلاص کی تعریف کر سکتے ہیں لیکن عواقب و نتائج کے لحاظ سے آپ اس کی تحسین نہیں کر سکتے کیا معراج کا انکار کر کے

آپ نے کسی کو حلقہ بگوش اسلام بنالیا ہے۔ کیا آپ کی معذرت خواہی کو انہوں نے قبول کر کے آپ کے پیش کردہ ماڈرن اسلام پر اظہار ناراضگی چھوڑ دیا ہے ہرگز نہیں۔ تو پھر اس محنت کا کیا حاصل۔ بجز اس کے ان صحیح واقعات کا انکار کر کے اپنے تمام علمی ورثہ کو مشکوک اور مشتبہ کر دیا جائے۔ ہاں میں اس طویل مقالہ کا ذکر کر رہا تھا جس میں سرسید نے لکھا ہے کہ واقعہ معراج کے متعلق جو احادیث مروی ہیں۔

"ایک دوسرے سے اس قدر متضاد اور متناقض ہیں ...... کہ صراحتہً ایک دوسرے کی تردید کرتی ہیں اور اپنی صحت واعتبار کو کھو دیتی ہیں۔"

(مقالات سرسید، جلد یازدم، صفحہ ۷۶۲)

لیکن تناقض و تضاد کے جو نمونے انہوں نے ذکر کیے ہیں وہ حیرت انگیز ہیں مثال دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ایک حدیث میں ہے کہ حضور اس وقت حطیم میں تھے۔ دوسری میں ہے حجر میں تھے تیسری میں ہے مسجد حرام میں تھے۔"

ذرا غور فرمائیے کیا ان روایات میں تضاد نام کی کوئی چیز ہے۔ حطیم اور حجر تو ایک جگہ کے دو نام ہیں یعنی وہ جگہ جو اصل میں کعبہ شریف کا حصہ تھی لیکن جب سیلاب کی وجہ سے خانہ کعبہ گر گیا تو قریش نے اسے دوبارہ تعمیر کرنا چاہا تو سرمایہ کی قلت کی وجہ سے اسے باہر چھوڑ دیا ہے یہ حصہ حطیم یا حجر، مسجد حرام میں ہے۔ تو ان روایات میں قطعاً کوئی تضاد نہیں۔

تضاد کی ایک دوسری مثال۔ مختلف آسمانوں کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ چھٹے آسمان کے متعلق ایک حدیث میں ہے۔

ثم صعدبی الی السماء السادسة فاذا موسی

"پھر مجھے چھٹے آسمان کی طرف لے جایا گیا تو وہاں موسیٰ علیہ السلام کو پایا۔"

دوسری حدیث میں۔

ثم عرج بنا الی السماء السادسة فاذا انا بموسی ورحب لی ودعا لی۔

''پھر ہمیں چھٹے آسمان کی طرف لایا گیا وہاں میں نے موسیٰ کو پایا انہوں نے مجھے مرحبا کہا اور میرے لئے دعا کی۔''

تیسری حدیث میں ہے۔

لما جاوزت فبکی

''جب میں آگے بڑھا تو موسیٰ علیہ السلام رو پڑے۔''

آپ خود فرمائیے کہ احادیث کے ان کلمات میں کوئی تضاد ہے۔

ہم مانتے ہیں کہ بعض روایات ایسی ہیں جن میں باہمی اختلاف پایا جاتا ہے لیکن اس اختلاف کے بارے میں خود علماء نے تصریح کی اور جو حدیث زیادہ صحیح اور قوی تھی اس کو ترجیح دے کر نسبتاً ضعیف روایات کو ساقط الاعتبار قرار دے دیا ہے۔ جو تضاد ممتنع ہے وہ تو یہ ہے کہ دونوں روایتیں ایک ہی پایہ کی ہوں۔ کسی کو کسی پر ترجیح بھی نہ دی جا سکتی ہو اور ان کو یکجا جمع بھی نہ کیا جا سکتا ہو۔

بہر حال یہ ان لوگوں کے شکوک و شبہات کا مجمل تذکرہ ہے جو کسی نہ کسی طرح دلائل نقلیہ کا سہارا لے کر جسمانی معراج کا انکار کرتے ہیں۔

(ضیاء القرآن، جلد دوم، صفحہ ۴۲۴-۴۲۶)

منکرین معراج کی دوسری قسم

اب ذرا ان حضرات کے ارشادات کی طرف توجہ فرمائیے جو معراج اور دیگر معجزات کا اس لئے انکار کرتے ہیں کہ یہ خلاف عقل ہیں، ان لوگوں کا دعویٰ یہ ہے کہ کائنات کا یہ نظام اس میں یہ بے عدیل ارتباط اور موزونیت بے مثل ترتیب اور یکسانیت۔ اس امر پر شاہد عادل ہے کہ یہ نظام چند قوانین اور ضوابط کا پابند ہے جنہیں قوانین فطرت (Law of Nature) کہا جاتا ہے اور فطرت کے قانون اٹل ہیں ان

میں ردوبدل ممکن نہیں۔ ورنہ کائنات کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے اس لئے عقل، معجزات کو تسلیم نہیں کرتی کیونکہ یہ قوانین فطرت کے خلاف ہوتے ہیں۔ معراج بھی ایک معجزہ ہے اس لئے یہ بھی عقلاً محال ہے۔

اس کے متعلق گزارش یہ ہے کہ علماء اسلام نے معجزہ کی جو تعریف کی ہے وہ یہ نہیں کہ معجزہ وہ ہوتا ہے جو قوانین فطرت کے خلاف ہو اور نوامیس قدرت سے برسر پیکار ہو بلکہ علماء اسلام نے معجزہ کی تعریف بایں الفاظ کی ہے۔

الاتیان بامر خارق للعادة یقصد به بیان الصدق من ادعی انه رسول الله۔

"یعنی مدعی رسالت کی سچائی ثابت کرنے کے لئے کسی ایسے امر کا ظہور پذیر ہونا جو عادت کے خلاف ہو اسے معجزہ کہتے ہیں یہ تعریف نہیں کی گئی کہ معجزہ وہ ہے جو قوانین فطرت اور نوامیس قدرت کے خلاف ہو۔" (المسامرہ)

ان لوگوں کا یہ اعتراض تو تب قابل التفات ہوتا جب معجزہ کو نوامیس قدرت کے خلاف مانا جاتا۔ ہو سکتا ہے یہ معجزات قانون فطرت کے مطابق ہی رو پذیر ہوئے ہوں لیکن ابھی تک وہ قانونِ فطرت ہمارے ادراک کی سرحد سے ماوراء ہو۔ یہ دعویٰ کرنا کہ فطرت کے تمام قوانین بے نقاب ہو چکے ہیں اور ذہن انسانی نے اس سب کا احاطہ کر لیا ہے انتہائی مضحکہ خیز اور غیر معقول ہے۔ آج تک کسی فلسفی یا سائنس دان نے اس بات کا دعویٰ نہیں کیا نیز قوانین فطرت کے متعلق یہ خیال کرنا کہ وہ اٹل اور غیر متغیر ہیں یہ بھی ناقابل تسلیم ہے۔ یہ خیال تب قابل قبول ہوتا جب ان قوانین کو ہر قسم کے نقص اور عیب سے مبرا سمجھ لیا جائے اور ان کے بارے میں یہ عقیدہ اختیار کیا جائے کہ اس کائنات کی آرائش و زیبائش کے لئے یہی قوانین کفایت کرتے ہیں لیکن اہل خرد کے نزدیک یہ خیال محل نظر ہے چنانچہ انسائیکلو پیڈیا برٹانیکا کے مقالہ نگار نے معجزہ (Miracle) پر بحث کرتے ہوئے لکھا۔

It is an unwarrented idealism and optimism which finds the course of nature so wise so good that any change in it must be regadad as incredible.

''یعنی یہ نظریہ ایک غیر معقول تصور اور خوش فہمی ہے کہ فطرت کا طریقہ کار اتنا دانشمندانہ اور بہترین ہے کہ اس میں کسی قسم کی تبدیلی جائز نہیں۔''

(انسائیکلوپیڈیا آف بریٹانیکا، جلد ۱۵، صفحہ ۵۸۶)

اس کے علاوہ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ کیا آپ اللہ تعالیٰ کے وجود کو مانتے ہیں یا نہیں۔ اگر آپ منکر ہیں تو آپ سے معجزات کے متعلق بحث عبث اور قبل از وقت ہے پہلے آپ کو وجود خداوندی کا قائل کرنا پڑے گا اس کے بعد معجزہ کے اثبات کا مناسب وقت آئے گا۔ اور اگر آپ وجود خداوندی کے قائل تو ہیں لیکن آپ کا تصور یہ ہے کہ خدا اور فطرت (Nature) ایک ہی چیز کے دو نام ہیں یا آپ خدا کو خالق کائنات مانتے ہیں لیکن یہ بھی سمجھتے ہیں کہ اس کا اب اپنی پیدا کردہ دنیا میں کوئی عمل دخل نہیں اور وہ اس میں کسی طرح کا تصرف نہیں کر سکتا بلکہ الگ تھلگ بیٹھ کر ایک بے بس تماشائی کی طرح کائنات کے ہنگامہ ہائے خیر و شر کو خاموشی سے دیکھ رہا ہے اور کچھ کر نہیں سکتا تو پھر معجزہ کے انکار کی وجہ سمجھ آسکتی ہے لیکن اگر آپ ذات خداوندی کے قائل ہیں اور اسے خالق ماننے کے ساتھ ساتھ قادر مطلق اور مدبر اختیار بھی تسلیم کرتے ہیں اور یہ بھی ایمان رکھتے ہیں کہ کوئی پتہ اس کے اذن کے بغیر جنبش تک نہیں کر سکتا تو پھر آپ کا نوامیس فطرت کو غیر متغیر یقین کرنا اور اس بنا پر معجزات کا انکار کرنا ہماری سمجھ میں نہیں آسکتا۔ زیادہ سے زیادہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا عام معمول یہ ہے کہ وہ علت و معلول اور سبب و مسبب کے تسلسل کو قائم رکھتا ہے اور ظہور معجزہ کے وقت اس نے اپنی قدرت و حکمت کے پیش نظر خلاف معمول اس تسلسل کو نظر انداز کر دیا ہے کیونکہ وہ ایک با اختیار ہستی ہے وہ جب چاہے اپنے معمول کو بدل دے۔

ایک شخص کی سالہا سال کی عادت یہ ہے کہ وہ رات کو دس بجے روزانہ سوتا ہے اور صبح چار بجے بیدار ہو جاتا ہے اگر کسی روز آپ اسے ساری رات جاگتے ہوئے دیکھیں تو آپ مشاہدہ کا انکار نہیں کر سکتے۔ زیادہ سے زیادہ آپ یہی کہہ سکتے ہیں کہ آج خلاف معمول فلاں صاحب رات بھر جاگتے رہے اسی طرح ان قوانین فطرت کو عادت خداوندی اور معمول ربانی سمجھنا چاہئے اور کسی چیز کا خلاف معمول وقوع پذیر ہونا قطعاً اس کے ناممکن ہونے کی دلیل نہیں بن سکتا۔

> The laws of nature may be regarded as habits of the divine activity, and Miracles as unusual acts which, while consistent with divine character, mark a new stage in the fulfilment of the purpose of God.

> "یعنی قوانین فطرت کو ہم عادات خداوندی کہہ سکتے ہیں۔ معجزات کے بارے میں زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی حکمت کے پیش نظر خلاف عادت ایسا کیا ہے اور یہ قطعاً ناروا نہیں"۔

(انسائیکلو پیڈیا آف بریٹانیکا، جلد ۱۵، صفحہ ۵۸۶)

مغربی فلاسفہ میں سے ہیوم (David Hume) نے معجزات پر بحث کی ہے اور بڑی شد و مد سے اس کا انکار کیا ہے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لئے جو طریقہ اس نے اختیار کیا ہے وہ توجہ طلب ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ہمارا تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ عالم ایک مخصوص نہج اور متعین انداز کے مطابق چل رہا ہے اور معجزات ہمارے تجربہ اور مشاہدہ کے خلاف رونما ہوتے ہیں۔ اس لئے اگر معجزہ کو ثابت کرنے کے لئے ہمارے پاس جو دلائل ہیں وہ تجربہ اور مشاہدہ کے دلائل و براہین سے جب تک زیادہ قوی اور مضبوط نہ ہوں۔ اس وقت تک ہم معجزہ کو تسلیم نہیں کر سکتے کیونکہ ثبوت معجزہ کے لیے ایسے وزنی دلائل موجود نہیں۔ اس لیے عقلاً معجزہ کا امکان تسلیم کرنے کے باوجود ہم ان کے وقوع کو

تسلیم نہیں کر سکتے۔ انسائیکلوپیڈیا کا مقالہ نگار ہیوم کے اس نظریہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ہم تمہارا یہ قاعدہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ معجزات تجربہ اور مشاہدہ کے خلاف ہوتے ہیں۔ کیونکہ تجربات سے تمہاری مراد کیا ہے۔ کیا تم یہ کہتے ہو کہ معجزہ تمام تجربات کے خلاف ہوتا ہے تو آپ کا یہ قاعدہ کلیہ محتاج دلیل ہے۔ پہلے آپ یہ تو ثابت کر لیں کہ آپ نے تمام تجربات کا احاطہ کر لیا ہے۔ پھر آپ کو یہ ثابت کرنا ہوگا کہ یہ معجزہ ان تمام تجربات کے خلاف ہے۔ جب تک آپ اپنی دلیل کی کلیت ثابت نہیں کر سکتے۔ اس وقت تک آپ کی دلیل قابل قبول نہیں اور اگر آپ یہ کہیں کہ تجربات سے مراد تجربات عامہ ہیں یعنی معجزہ تجربات عامہ کے خلاف ہے تو پھر اس سے تو فقط اتنا ہی ثابت ہوا کہ معجزہ عام تجربات اور معمولات کے خلاف ہے۔ تمام تجربات و مشاہدات کے مخالف ہونا تو لازم نہ آیا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ معجزہ کسی تجربہ کے مطابق ہو۔ لیکن وہ تجربہ آپ کے فہم کی رسائی سے ابھی بلند ہوا۔ (انسائیکلوپیڈیا جلد نمبر ۱۵ ص ۴۸۶)

This phrase itself (that miracle is contary to experience) is as paley pointed out, ambiguous, if it means all experience it assumes the point to be proved, if it means only common experience then it simply asserts that the miracle isunusual atruism.

استاذ احمد امین مصری ہیوم کے فلسفہ پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ ہیوم نے اپنے ایک مقالہ میں معجزات پر بحث کی ہے اور بڑی کوشش سے ان کا بطلان ثابت کیا ہے۔ اس میں اس نے لکھا ہے کہ کیونکہ معجزات ہمارے تجربہ کے خلاف ہیں۔ اس لئے ناقابل تسلیم ہیں۔ استاذ موصوف لکھتے ہیں کہ ہمیں یہ حق پہنچتا ہے کہ ہم ہیوم سے پوچھیں کہ ایک طرف تو تمہارا یہ دعویٰ کہ علت و معلول اور سبب و مسبب کا حقیقت الامر سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ ہم بارہا مشاہدہ کرتے آئے ہیں کہ ایسا ہو تو یوں ہو جاتا ہے۔ اس لئے

ہم نے ایک چیز کو دوسری چیز کی علت فرض کر لیا حالانکہ حقیقت میں اس کا علت ہونا ضروری نہیں اور دوسری طرف تم معجزہ کا انکار اس اساس پر کرتے ہو کہ یہ مشاہدہ اور تجربہ کے خلاف ہے۔ جب تمہارے نزدیک علیت اور معلولیت کا کوئی قانون ہی نہیں۔ ہر چیز بغیر تحقیق علت وقوع پذیر ہو رہی ہے اور کسی چیز کے ساتھ ربط نہیں تو پھر اگر معجزہ کا وقوع ہوا جس کی ہم تعلیل کرنے سے قاصر ہیں تو کون سی قباحت ہو گئی۔ پہلے بھی جتنی چیزیں معرض وجود میں آئیں وہ علت حقیقیہ کے بغیر موجود تھیں اور یہ امر بھی بغیر علت کے ظاہر ہوا پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ ایک کو تو تم تسلیم کرتے ہو اور دوسرے کے انکار میں تم اتنا غلو کرتے ہو کہ تمہیں اپنے فلسفہ کی بنیاد بھی سرے سے فراموش ہو گئی ہے۔

اور بعض صاحبان نے اپنے جذبہ تجسس کو یہ تھپکی دے کر سلا دیا کہ ان واقعات کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ یہ معجزات محض عقیدت مندوں کے جوش عقیدت کی کرشمہ سازیاں ہیں کہ انہوں نے معمولی اور عادی واقعات کو مبالغہ آمیزی سے اس طرح بیان کیا کہ انہیں خرق عادت بنا کر رکھ دیا۔ جو لوگ تحقیق و جستجو کی خارزار وادیوں میں آبلہ پائی کی زحمت برداشت نہ کرنا چاہتے ہوں ان کے لئے محفوظ اور آسان ترین یہی طریقہ کار ہے لیکن کیا یہ کسی مشکل کا حل ہے۔ کیا اس سے کوئی عقدہ لاینحل کھل سکتا ہے۔ یہ غور طلب ہے۔

آخر میں میں ایک اہم مقالہ کی طرف اشارہ کرنے کی اجازت طلب کرتا ہوں۔ معجزات کے بارے میں سر سید احمد خاں نے ایک مفصل مقالہ لکھا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ معجزہ اس وقت تک معجزہ نہیں ہو سکتا جب تک وہ قوانین قدرت کے خلاف نہ ہو کیونکہ اگر وہ کسی قانون قدرت کے مطابق ہو گا تو اس کا ظہور نبی کے علاوہ کسی اور شخص سے بھی ہو سکتا ہے۔ اس لئے معجزہ کا خلاف قانون ہونا ضروری ہے۔ قوانین قدرت اٹل ہیں۔ ان میں کسی قسم کی تبدیلی یا ردوبدل کا رونما ہونا قطعاً باطل ہے۔ کیونکہ نصوص قرآنیہ میں بارہا یہ تصریح کی گئی ہے کہ قانون قدرت میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ اس لئے ثابت ہوا کہ معجزہ کا وقوع باطل ہے۔

آپ نے سید کا استدلال ملاحظہ فرمالیا۔ انہوں نے معجزہ کی من گھڑت تعریف کر کے معجزہ کا بطلان کیا ہے۔ حالانکہ ہم پہلے بتا آئے ہیں کہ علمائے اسلام نے معجزہ کی یہ تعریف نہیں کی کہ وہ قوانین فطرت کے خلاف ہو، بلکہ معجزہ ہے جو خارق عادت ہو۔ نیز معجزات کو قوانین فطرت کے خلاف کہنے کا دعویٰ تو تب درست ہوسکتا جب کہ پہلے تمام قوانین فطرت اور سنن الٰہیہ کا احاطہ کرنے کے دعویٰ کو کوئی ثابت کرلے اور جب تک یہ ثابت نہ ہو اور جو یقیناً ثابت نہیں تو پھر معجزات کو سنن الٰہیہ کے خلاف ٹھہرانا سراسر لغو ہے۔

بہر حال جو شخص اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اس کے قادر مطلق ہونے کو تسلیم کرتا ہے اور یہ مانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بے بس تماشائی کی طرح اس ہنگامہ خیر وشر کو دور سے بیٹھا ہوا دیکھ نہیں رہا بلکہ اس کے حکم اس کی حکیمانہ تدبیر اور اس کے اذن سے نبض ہستی محو خرام ہے اسے قطعاً ایسے معجزات کے بارے میں شک نہیں ہونا چاہئے جو صحیح اور قابل وثوق ذریعہ سے ثابت ہو چکے ہوں۔

قرآن کریم میں حضور سرور کائنات حضور سرور معصوم، حسن اخلاق کے پیکر صلی اللہ علیہ وسلم کے اس عظیم ترین معجزہ کو جس مخصوص اسلوب سے بیان کیا گیا ہے اس میں غور کرنے کے بعد عقل سلیم کو بلا چون وچرا ماننا پڑتا ہے کہ یہ واقعہ جس طرح آیات قرآنی اور احادیث صحیحہ میں مذکور ہے، وہ سچ ہے۔ اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

واقعہ معراج کی اہمیت صرف اسی قدر نہیں کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے اور برگزیدہ رسول حضور سرور معصوم، حسن اخلاق کے پیکر صلی اللہ علیہ وسلم کو زمین و آسمان بلکہ ان سے بھی ماورا اپنی قدرت وکبریائی کی آیات بینات کا مشاہدہ کرایا بلکہ اس میں ستم رسیدہ اہل اسلام کے لئے بھی ایک مژدہ ہے کہ شب غم اب سحر آشنا ہونے والی ہے۔ تمہارا آفتاب اقبال ابھی طلوع ہوا چاہتا ہے۔ شرق وغرب میں تمہاری سطوت کا ڈنکا بجے گا لیکن مسند اقتدار پر متمکن ہونے کے بعد اپنے پروردگار کو فراموش نہ کرنا۔ اس کی یاد اور اس کے ذکر میں غفلت سے کام نہ لینا اور اگر تم نے نشہ حکومت سے بدمست ہو

کرنا فرمانی اور سرکشی کی راہ اختیار کی تو پھر ان کے ہولناک نتائج سے تمہیں دو چار ہونا پڑے گا۔ دیکھو تم سے پہلے بنی اسرائیل کو ہم نے فرعون کی غلامی اور ظلم وستم سے نجات دی۔ بحر احمر کو ان کے لئے پایاب کیا۔ ان کی آنکھوں کے سامنے ان کے جابر دشمن کو سمندر کی موجیں خس وخاشاک کی طرح بہا لے گئیں۔ لیکن جب انہیں عزت ووقار بخشا گیا تو وہ اپنے مالک حقیقی کے احکام سے سرتابی کرنے لگے اور اس کے انعامات کا شکریہ ادا کرنے کی بجائے انہوں نے نافرمانی اور ناشکری کو اپنا شعار بنا لیا تو ہم نے ان پر ایسے سنگدل دشمن مسلط کر دیئے جنہوں نے ان کو تباہ وبرباد کر کے رکھ دیا۔ اور ان کے مقدس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اسی عبرت آموزی کے لئے واقعہ معراج کے بعد بنی اسرائیل کا ذکر فرمایا۔

حضور سرور معصوم، حسن اخلاق کے پیکر نور مجسم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم یمن وبرکت سے لبریز اس سفر سے جب واپس تشریف لائے تو سب سے پہلے اپنے سفر کے حالات اور مشاہدات سے اپنی چچازاد بہن، حضرت ابو طالب کی صاحب زادی اور حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کی ہمشیرہ حضرت ام ہانی کو آگاہ فرمایا اور انہیں یہ بھی بتایا کہ صبح سویرے وہ حرم شریف میں جا کر اس سفر کے واقعات اپنی قوم کے سامنے بیان کریں گے تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ میرے رب کریم کی بیکراں قدرتوں کی کیا شان ہے اور اس بندے کا اپنے معبود برحق کے دربار میں کیا مقام ہے۔

حضرت ام ہانی نے از راہ شفقت حضور کی چادر کا پلو پکڑ لیا اور بولیں اے میرے ابن عم! میں آپ کو خدا کا واسطہ دے کر عرض کرتی ہوں کہ آپ ایسا نہ کریں اگر آپ نے یہ واقعات انہیں سنائے تو یہ آپ کی تکذیب کریں گے۔ مذاق اڑائیں گے اذیتیں پہنچائیں گے۔ سرکار دو عالم نے جھٹکا دے کر اپنا پلو چھڑا لیا اور حرم شریف کی راہ لی۔ آپ کہتی ہیں کہ اس وقت حضور سرور معصوم، حسن اخلاق کے پیکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک سے نور کی ایک شعاع چمکی کہ میری آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور میں سجدہ میں گر

گئی۔ جب میں نے سجدہ سے سر اٹھایا تو حضور تشریف لے جا چکے تھے۔ میں نے اپنی لونڈی نبعہ نامی کو کہا کہ تم حضور کے پیچھے جاؤ اور دیکھو کہ حضور کیا فرماتے ہیں اور لوگ کیا جواب دیتے ہیں۔ نبعہ وہاں پہنچی دیکھا حضور کعبہ شریف کے دروازے اور حجر اسود کے درمیان تشریف فرما ہیں اور لوگ حضور کے ارد گرد انبوہ کیے ہوئے ہیں۔ ان میں مطعم بن عدی اور ابوجہل بھی ہیں حضور سرور معصوم، حسن اخلاق کے پیکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اپنی سیاحت ملکوت السموات والارض کے واقعات سنائے کہ رات کو مجھے بیت المقدس لے جایا گیا وہاں مسجد اقصیٰ میں انبیاء سابقین بھی جمع ہو گئے۔ میں نے سب کی امامت کرائی ان تمام انبیاء نے میری اقتدا میں نماز ادا کی۔ جب سرکار دو عالم نے اپنی بات ختم کی مشرکین نے شور مچا دیا۔ کچھ سیٹیاں بجانے لگے کچھ تالیاں بجانے لگے۔ بعض اپنے سروں پر ازراہ تعجب ہاتھ دھرے حیرت کا اظہار کر رہے تھے اچانک مطعم بن عدی بولا کہ آج تک جو باتیں آپ کرتے تھے وہ عام فہم تھیں۔ لیکن جو بات آپ نے آج کہی ہے اس نے تو ہمیں لرزا کر رکھ دیا ہے ہم کیسے باور کر لیں کہ جو مسافت طے کرنے کے لئے جاتے ہوئے ہمارا ایک مہینہ اور واپسی پر بھی ایک مہینہ صرف ہوتا ہے حالانکہ ہم تیز رفتار سانڈنیوں پر سوار ہوتے ہیں۔ اس طویل مسافت کو آپ نے رات کے قلیل عرصہ میں طے کر لیا اور راتوں رات واپس بھی پہنچ گئے۔ لات و عزیٰ کی قسم! ہم آپ کی یہ بات ماننے کے لئے ہرگز تیار نہیں۔ حضرت سیدنا ابوبکر بھی پاس بیٹھے تھے مطعم کا یہ ترش رویہ دیکھ کر آپ نے فرمایا۔ اے مطعم! اپنے بھتیجے کے ساتھ جو گفتگو تم نے کی ہے وہ از حد ناپسندیدہ ہے تو نے ان کا دل دکھایا ہے اور انہیں جھٹلایا ہے۔ غور سے سنو میں ان کی تصدیق کرتا ہوں۔ میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ انہوں نے جو فرمایا ہے وہ حق ہے وہ سچ ہے لوگ حضرت ابوبکر سے الجھ پڑے کہنے لگے تمہارا ذہن کیا اس انہونی بات کو تسلیم کر رہا ہے۔ آپ نے فرمایا! ہاں میں اس کی تصدیق کرتا ہوں کیونکہ میں تو ان کی زبان سے نکلی ہوئی ایسی باتوں کو بھی صحیح مانتا ہوں جو اس سے بھی بڑی ہوتی ہیں۔ یہ فرماتے ہیں کہ

میرے پاس رات اور دن میں کئی کئی بار آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے اور میں اس کی تصدیق کرتا ہوں۔ تو حضور تاجدار رسالت، شہنشاہ نبوت، پیکر عظمت و شرافت کے اس ارشاد کو ماننے میں مجھے کیا تامل ہو سکتا ہے۔

مشرکین نے اب طرح طرح کے سوالات پوچھنے شروع کر دیئے تا کہ کہیں اس طرح وہ حضور کو جھٹلانے میں کامیاب ہو جائیں۔ انہیں علم تھا کہ حضور تاجدار رسالت، شہنشاہ نبوت، پیکر عظمت و شرافت حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سے پہلے بیت المقدس تشریف نہیں لے گئے۔ انہوں نے مسجد اقصیٰ کے دروازوں، کھڑکیوں، چھت کے شہتیروں، کڑیوں کے بارے میں سوالات کی بھرمار کر دی۔ کہنے لگے بھلا بتایئے! مسجد اقصیٰ کے دروازے کتنے ہیں اور کس کس سمت میں ہیں۔ کھڑکیوں کی تعداد کیا ہے۔ ان کا محل وقوع کیا ہے۔ محراب کہاں ہے، اس کی وضع قطع کیسی ہے؟ اللہ تعالیٰ کے حکم سے درمیانی پردے اٹھا دیئے گئے۔ مسجد اقصیٰ دکھائی دینے لگی۔ سرکار دو عالم دیکھ دیکھ کر ان کے سوالوں کے جواب دیتے گئے۔ مسجد اقصیٰ دکھائی دینے لگی۔ سرکار دو عالم دیکھ دیکھ کر ان کے سوالوں کے جواب ارشاد فرما رہے تھے جب سارے سوالات کے بالکل صحیح جوابات انہیں مل گئے تو وہ ہٹ دھرم کہنے لگے کہ بیشک ولید بن مغیرہ نے ان کے بارے میں صحیح کہا ہے کہ یہ بڑے جادوگر ہیں۔

حضرت ابوبکر حضور کے ہر جواب کو سن کر بلند آواز سے نعرہ لگاتے کہتے اشھد انک رسول اللہ۔ حضرت ام ہانی کی لونڈی نبعہ کہتی ہیں کہ میں نے اس روز نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا۔

یا ابابکر ان اللہ سماك الصدیق

"اے ابوبکر! اللہ تعالیٰ نے آپ کا نام الصدیق رکھ دیا ہے۔"

یہی نبعہ کہتی ہیں کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ فرمایا کرتے کہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر کا لقب الصدیق آسمان سے نازل فرمایا ہے۔

کفار نے لاجواب ہو کر پینترا بدلا۔ اور کہنے لگے کہ جس راستہ پر آپ نے سفر کیا ہے اس راہ پر ہمارے کئی تجارتی قافلے آ جا رہے ہیں۔ ان کے بارے میں کچھ بتائیے تا کہ ہمیں تسلی ہو جائے۔ حضور تاجدار رسالت، شہنشاہ نبوت، پیکر عظمت و شرافت نے فرمایا جب میں فلاں وادی سے گزرا فلاں قبیلہ کا قافلہ وہاں سے گزر رہا تھا۔ میرے براق کی آہٹ پا کر ان کے سواری کے جانور گھبرا گئے اور ان کا ایک اونٹ مہار تڑا کر بھاگ گیا۔ میں نے ان کو آواز دے کر بتایا کہ ان کا اونٹ وہاں کھڑا ہے یہ واقعہ اس وقت کا ہے جب میں شام کی طرف جا رہا تھا۔ جب میں لوٹا تو بنی فلاں کے قافلہ کے پاس سے میرا گزر ہوا وہ سب محو خواب تھے ان کے ایک برتن میں پانی تھا۔ جس پر ڈھکنا تھا۔ میں نے وہ ڈھکنا اٹھایا اور اس سے پانی پیا اور پھر ڈھکنا رکھ دیا۔

راستہ میں ایک دوسرے قافلہ کے پاس سے گزرا براق کی اچانک آہٹ سن کر ان کے اونٹ بھی بدک گئے ایک سرخ رنگ کا اونٹ گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔ اس پر جو بوریاں لدی تھیں ان پر سفید نشانات تھے بنی فلاں کا قافلہ مجھے فلاں جگہ پر ملا۔ ان میں ایک اونٹ تھا جس پر دو بوریاں لدی تھیں ایک کا رنگ سیاہ اور دوسری کا رنگ سفید۔ جب میں ان کے قریب پہنچا تو ان کے جانور بھی بھڑک اٹھے اور ایک اونٹ گر پڑا ان کا بھی ایک اونٹ گم ہو گیا۔ میں نے انہیں بتایا کہ تمہارا اونٹ فلاں جگہ ہے میں نے انہیں سلام دیا۔ انہوں نے میری آواز پہچان لی۔ کہنے لگے کہ یہ آواز حضور تاجدار رسالت، شہنشاہ نبوت، پیکر عظمت و شرافت (فداہ ابی و امی) صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔

پھر کفار نے پوچھا کہ بنی فلاں کا قافلہ کب پہنچے گا تو حضور نے فرمایا۔

یاتونکم یوم کذا یقدمھم جمل اورق علیہ مسح ادم وغرارتان

"کہ وہ فلاں دن پہنچیں گے ان کے آگے خاکستری رنگ کا اونٹ ہو گا جس پر دو بورے ہوں گے۔"

اب قریش ان قافلوں کی آمد کا انتظار کرنے لگے جب وہ مقررہ دن آیا جس میں بنی فلاں کے قافلہ کی آمد کی خبر حضور نے دی تھی تو سارے قریش گھروں سے نکل کر راستہ پر انتظار کرنے لگے دن کافی گزر گیا لیکن قافلہ نہ آیا۔ کفار کے دل بلیوں اچھل رہے تھے انہیں اب یہ امید لگ گئی تھی کہ انہیں ایک سنہری موقع مل رہا ہے اب وہ حضور کی تکذیب کر سکیں گے۔ پہاڑ کی اونچی چوٹی پر بعض لوگ کھڑے ہو گئے کہ ادھر سورج غروب ہو اور ادھر وہ حضور تاجدار رسالت، شہنشاہ نبوت، پیکر عظمت و شرافت کے خلاف طوفان بدتمیزی برپا کر دیں لیکن ایسا کب ہو سکتا تھا۔ اللہ تعالیٰ یہ کب گوارا کر سکتا تھا کہ اس کے محبوب کی زبان پاک سے نکلی ہوئی بات کو کوئی غلط ثابت کر سکے۔ وہ آدمی جو مغرب کی طرف منہ کر کے سورج غروب ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے بلند آواز سے اعلان کیا قد غربت الشمس، لو سورج غروب ہو گیا۔ اسی وقت ایک دوسرے شخص نے بلند آواز سے اعلان کیا قد قدمت العیر، وہ دیکھو قافلہ آ گیا۔

کتب سیرت میں ایک واقعہ بھی مذکور ہے جس سے حضور تاجدار رسالت، شہنشاہ نبوت، پیکر عظمت و شرافت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس رات مسجد اقصیٰ میں تشریف لانے کی تصدیق ہوتی ہے۔

علامہ حلبی نے اپنی سیرت کی کتاب انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون جو سیرت حلبیہ کے نام سے مشہور ہے میں ذکر کیا ہے لکھتے ہیں۔

حضور پرنور محبوب رب العزت، محسن انسانیت نبی مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مکتوب گرامی جب ہرقل قیصر روم کو ملا۔ وہ اس وقت ایلیا میں تھا۔ اس نے اپنے درباریوں سے کہا کہ شہر میں تلاش کرو اگر مکہ کا کوئی باشندہ یہاں آیا ہوا ہو تو اس کو میرے پاس پیش کرو۔ اتفاق سے ابوسفیان جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوا تھا اپنے تجارتی کارواں کے ہمراہ یہاں آیا ہوا تھا۔ اسے اس کے ساتھیوں سمیت قیصر کے دربار میں حاضر کیا گیا۔ قیصر نے ان لوگوں سے پوچھا کہ جس شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ہے تم میں

سے اس کا قریبی رشتہ دار کون ہے۔ ابوسفیان نے کہا کہ میں ان کا سب سے قریبی رشتہ دار ہوں۔ قیصر نے ابوسفیان کو اپنے سامنے قریب بٹھایا اور حضور پرنور، محبوب رب العزت، محسن انسانیت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں سوالات کرنا شروع کر دیئے۔ باتوں باتوں میں موقع پاکر ابوسفیان کہنے لگا اے بادشاہ! کیا میں تمہیں ایک ایسی بات نہ سناؤں جس سے تمہیں پتہ چل جائے کہ وہ (العیاذ باللہ) شخص جھوٹا ہے۔ قیصر نے کہا بتاؤ۔ اس نے کہا وہ یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ ایک رات حرم مکہ کی سرزمین سے روانہ ہو کر یہاں تمہاری اس مسجد میں آیا اور یہاں سے ہو کر اسی رات واپس مکہ پہنچ گیا۔ ابوسفیان کا تو یہ خیال تھا کہ اس بات کو سن کر قیصر حضور پرنور، محبوب رب العزت، محسن انسانیت کو جھوٹا سمجھنے لگے گا اور آپ سے متنفر ہو جائے گا لیکن قدرت کو کچھ اور منظور تھا۔ یہ بات سن کر پادریوں کا ایک سردار اٹھا اور کہنے لگا کہ میں اس رات کو پہچانتا ہوں جب وہ یہاں آئے قیصر نے پوچھا تمہیں کیسے اس کا پتہ چل گیا۔ بطریق کہنے لگا۔ میرا یہ معمول تھا کہ سونے سے پہلے میں مسجد کے سارے دروازے بند کر کے سویا کرتا تھا۔ اس رات بھی میں نے سارے دروازے بند کر دیئے لیکن فلاں دروازہ مجھ سے بند نہ ہو سکا۔ میں نے سب حاضرین کو بلایا تا کہ سب مل کر اس دروازے کو بند کریں ہم سب نے مل کر زور لگایا لیکن ہم اسے بند نہ کر سکے۔ آخر یہ طے پایا کہ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ شاید ساری عمارت کا بوجھ اس ایک دروازہ پر آپڑا ہے۔ آج رات اسے یوں ہی رہنے دو صبح کسی معمار کو بلا کر اسے درست کرائیں گے۔ ہم سب چلے گئے۔ صبح سویرے جاگ کر میں اس دروازہ کی جگہ پر پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ دروازے کے ایک کونہ میں جو پتھر تھا اس میں تازہ تازہ کسی نے سوراخ کر دیا۔ وہاں ایک چوپائے کے بندھنے کے نشان بھی تھے۔ میں نے جب کواڑ بند کیے تو بڑی آسانی سے وہ بند ہو گئے۔ اس سے مجھے اس بات کی تصدیق ہوئی جو میں نے قدیم کتابوں میں پڑھی تھی کہ ایک نبی بیت المقدس سے آسمان کی طرف عروج فرمائے گا۔ اس وقت میں نے اپنے ساتھیوں کو بتایا کہ رات کو دروازہ بند نہ ہونے کی یہ

وجہ تھی۔ (انسان العیون، جلد اول، صفحہ ۳۵۳)

خود طلب کردہ نشانیوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لینے کے بعد بھی انہیں حق کا نور نظر نہ آیا بلکہ کہنے لگے کہ واقعی ولید بن مغیرہ نے سچ کہا تھا کہ بہت بڑا جادوگر ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ ہدایت اس کو نصیب ہوتی ہے جسے اللہ تعالیٰ خود اپنے فضل و کرم سے یہ نعمت لازوال ارزانی فرمادے ورنہ کوئی دلیل، کوئی معجزہ اور کوئی وعظ ہدایت کے دروازے نہیں کھول سکتا۔

اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ

تیری ہی ہم عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ چلا ہم کو سیدھے راستہ پر۔

مکاشفات

اس سفر مقدس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حضور پرنور، محبوب رب العزت، محسن انسانیت حبیب کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اپنی قدرت کی آیات کبریٰ کا مشاہدہ کرایا نیز چند اعمال پر مرتب ہونے والے اثرات اور عواقب کو محسوس پیکر میں پیش کیا گیا تاکہ حضور پرنور، محبوب رب العزت، محسن انسانیت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امتی ان سے عبرت حاصل کرسکیں۔ ان امور کو علماء کرام نے اپنی جلیل القدر تصنیفات میں بیان کیا ہے۔ یہ فقیر، امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی متوفی ۹۴۲ھ کی شہرہ آفاق کتاب سبل الہدیٰ والرشاد سے استفادہ کرتے ہوئے حقائق اور مکاشفات کو ہدیہ قارئین کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہے۔

منزل قاب قوسین کا مسافر، جب براق پر سوار ہو کر حرم مکہ سے روانہ ہوا تو جبرئیل نے رکاب تھامی ہوئی تھی اور میکائیل نے باگ پکڑی ہوئی تھی۔ کچھ دیر چلنے کے بعد ایسی سرزمین میں پہنچے جہاں کھجوروں کے باغات تھے جبرئیل نے عرض کی یہاں اتریئے اور نماز ادا کیجئے۔ حضور پرنور، محبوب رب العزت، محسن انسانیت اترے اور نماز ادا کی پھر

سوار ہو کر روانہ ہوئے۔ جبرئیل نے دریافت کیا یارسول اللہ! کیا آپ جانتے ہیں جہاں آپ نے نماز ادا کی وہ کون سی جگہ تھی۔ حضور پرنور، محبوب رب العزت، محسن انسانیت نے فرمایا نہیں جبرئیل نے کہا۔ آپ نے طیبہ کی سرزمین پر نماز ادا کی ہے اور یہی مقام آپ کی ہجرت گاہ ہے پھر براق تیز رفتاری سے سفر طے کرنے لگا اس کی تیز رفتاری کا یہ عالم تھا کہ جہاں اس کی نگاہ پڑتی تھی وہاں ہی اس کے قدم لگتے تھے۔ پھر ایک جبرئیل نے عرض کی اتریئے اور دو رکعت نفل پڑھیئے۔ حضور نے ایسا ہی کیا پھر سوار ہو کر سوئے منزل روانہ ہوئے۔ حضرت جبرائیل نے کہا آپ کو معلوم ہے کہ آپ نے کہاں نماز ادا کی۔ فرمایا نہیں۔ عرض کی آپ نے مدین میں موسیٰ علیہ السلام کے درخت کے پاس نماز ادا کی۔ پھر سوار ہوئے اور براق تیزی سے مسافت طے کرنے لگا۔ راستہ میں پھر ایک مقام پر جبرئیل نے عرض کی اتریئے اور نماز ادا کیجئے۔ حضور تاجدار مدینہ، راحت قلب و سینہ، فیض گنجینہ نے اتر کر اپنے رب کو سجدہ کیا اور پھر سوار ہو کر سفر شروع کیا۔ جبرئیل نے پوچھا آپ کو معلوم ہے آپ نے کہاں نماز ادا کی۔ فرمایا نہیں۔ جبرئیل نے عرض کی یہ طور سینا ہے جہاں اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے کلام فرمایا۔ جب مرکب ہمایوں بیت اللحم پہنچا جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مولد ہے وہاں اتر کر نماز ادا کی۔

سفر جاری ہے۔ دریں اثناء حضور تاجدار مدینہ، راحت قلب و سینہ، فیض گنجینہ نے ایک عفریت کو دیکھا جو آگ کا ایک شعلہ لئے ہوئے پیچھے پیچھے بھاگ رہا ہے۔ حضرت جبرائیل نے عرض کی کیا میں آپ کو ایسے کلمات نہ بتاؤں جب آپ ان کی تلاوت کریں تو اس کا یہ شعلہ بجھ جائے اور وہ منہ کے بل گر پڑے۔ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ضرور۔ حضرت جبرائیل نے یہ دعا سکھائی۔

قل اعوذ بوجہ اللہ الکریم و بکلمات اللہ التامات التی لا یجاوزھن برولا فاجر من شرما ینزل من السماء و من شرما یعرج فیھا و من شرما ذرا فی الارض و من شرما یخرج منھا

و من شر فتن الیل والنھار و من طوارق الیل و النھار الاطارقا یطرق بخیریا رحمن (سبل الہدیٰ والرشاد، جلد سوم، صفحہ ۱۱۶)

الٰہی میں لوٹنے کا مشورہ دیتے ہیں، جبرئیل کے پاس نہیں۔ حضور فرماتے ہیں میں بار بار اپنے رب کی بارگاہ عزت وجلال میں شرف باریابی حاصل کرتا رہا۔

حضور تاجدار مدینہ، راحت قلب وسینہ، فیض گنجینہ نے یہ دعا پڑھی۔ عفریت کا وہ شعلہ بجھ گیا اور وہ منہ کے بل گر پڑا۔

پھر اثنائے سفر یہ منظر دیکھا کہ ایک قوم ہے جو کھیتی باڑی کرتی ہے وہ لوگ آج جو فصل بوتے ہیں دوسرے دن وہ فصل تیار ہو جاتی ہے وہ اسے کاٹ لیتے ہیں۔ پھر وہ فصل جوں کی توں لہلہانے لگتی ہے حضور نے فرمایا اے جبرائیل! یہ کیا ہے۔ جبرئیل نے عرض کی یہ اللہ کے مجاہد ہیں۔ جن کی نیکیوں کو سات سو گنا کر دیا جاتا ہے اور جو وہ خرچ کرتے ہیں اس کی جگہ ان کو اسی وقت دے دیا جاتا ہے پھر حضور تاجدار مدینہ، راحت قلب وسینہ، فیض گنجینہ نے ایک بڑی دلکشا خوشبو سونگھی جبرئیل نے عرض کی یہ خوشبو فرعون کی بیٹی کی ماشطہ (بناؤ سنگھار کرنے والی) اور اس کی اولاد کی ہے۔

اور اس کا واقعہ یہ ہے کہ ایک روز وہ فرعون کی بیٹی کو کنگھی کر رہی تھی کہ وہ کنگھی گر پڑی۔ اس کے منہ سے نکلا۔ بسم اللہ تعس فرعون۔ اللہ کے نام سے اٹھاتی ہوں خدا فرعون کو ہلاک کرے کہ وہ خدائی کا جھوٹا مدعی ہے۔ فرعون کی بیٹی نے اسے کہا کیا میرے باپ کے بغیر تمہارا کوئی دوسرا خدا ہے؟ اس نے کہا بے شک، میرا رب اور تیرا رب اللہ تعالیٰ ہے۔ اس عورت کے دو بیٹے تھے ایک خاوند تھا۔ فرعون کو معلوم ہوا اس نے ان سب کو بلا بھیجا۔ اس عورت اور اس کے خاوند کو بڑا بہلایا پھسلایا تا کہ وہ اس کو خدا مان لیں جب انہوں نے انکار کر دیا تو اس نے دھمکی دی کہ میں تمہیں تہ تیغ کر دوں گا وہ دونوں بولے۔

احسانا منك ان قتلتنا۔ ان تجعلنا فی بیت

"یہ تو تیرا بڑا احسان ہوگا کہ تو ہمیں قتل کر دے اور ایک ہی مکان میں دفن

کر دے۔"

اس نے تانبے کی ایک دیگ کو خوب گرم کیا اور حکم دیا کہ اس عورت کو اور اس کی اولاد کو اس میں پھینک دیا جائے فرعون کے کارندے ان معصوم بچوں کو یکے بعد دیگرے اس کھولتی ہوئی دیگ میں ڈالنے لگے۔ آخر میں ایک شیر خوار بچے کو اس میں پھینکا اس نے بلند آواز سے کہا اے میری ماں! صبر کرنا۔ اور حق سے منہ نہ موڑنا تو ہی حق پر ہے۔

(سبل الہدیٰ والرشاد، جلد سوم، صفحہ ۱۱۶)

پھر حضور تاجدار مدینہ، راحت قلب وسینہ، فیض گنجینہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا گزر ایسی قوم کے پاس سے ہوا جن کے سروں کو کوٹا جا رہا تھا وہ پھر فوراً پہلے کی طرح درست ہو جاتے۔ یہ سلسلہ لگاتار جاری تھا۔ حضور تاجدار مدینہ، راحت قلب وسینہ، فیض گنجینہ نے پوچھا اے جبرئیل یہ کون لوگ ہیں۔ اس نے عرض کی یا رسول اللہ یہ وہ لوگ ہیں جو فرض نماز کی ادائیگی نہیں کرتے۔ پھر ایسی قوم دکھائی جن کے آگے پیچھے چیتھڑے تھے وہ اس طرح چر رہے تھے جس طرح اونٹ اور بکریاں چرتی ہیں اور ضریع (ایک خاردار کڑوی بوٹی) اور زقوم کھا رہے تھے۔ حضور تاجدار مدینہ، راحت قلب وسینہ، فیض گنجینہ نے پوچھا اے جبرئیل یہ کون ہیں۔ عرض کی یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مالوں کی زکوٰۃ نہیں دیا کرتے اور اللہ تعالیٰ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا۔ پھر ایک ایسی قوم دکھائی دی جن کے پاس ایک ہانڈی میں پکا ہوا لذیذ گوشت ہے اور دوسری میں بدبودار گوشت۔ وہ لوگ پاک اور لذیذ گوشت کو نہیں کھاتے اور اس ردی اور بدبودار گوشت پر ٹوٹے پڑتے ہیں۔ حضور نے ان کے بارے میں پوچھا انہوں نے عرض کی یہ حضور نبی مکرم، نور مجسم، رسول اکرم، دو جہاں کے تاجدار کی امت کے وہ لوگ ہیں جن کے پاس حلال اور طیب بیویاں ہیں لیکن وہ بدکار عورتوں کے ساتھ رات گزارتے ہیں۔ یہی حال اس عورت کا ہوگا جو حلال اور طیب خاوند کی موجودگی میں خبیث آدمی کی طرف رجوع کرتی ہے پھر راستہ میں ایک لکڑی کے پاس سے جو گزر ہوا جو چیز یا کپڑا اس کے نزدیک ہوتا ہے اس کو وہ پھاڑ دیتی ہے۔ اس

کے بارے میں دریافت فرمایا جبرئیل نے جواب دیا یہ آپ کی امت کے وہ لوگ ہیں جو راستوں پر کچہری لگا کر بیٹھیں گے اور لوگوں کا راستہ کاٹیں گے پھر ایک آدمی کو دیکھا جو خون کی ایک نہر میں تیر رہا ہے اور اس کے منہ میں پتھر ڈالے جا رہے ہیں۔ پوچھنے پر جبرئیل نے بتایا یہ سود خور ہے پھر ایک ایسا آدمی نظر آیا جس نے بڑی بھاری گٹھڑی باندھی ہوئی ہے لیکن وہ اس کو اٹھا نہیں سکتا اور اس گٹھڑی میں مزید اضافہ کرنا چاہتا ہے۔ حضور نے پوچھا یہ کون ہے۔ فرمایا یہ حضور نبی مکرم، نور مجسم، رسول اکرم، دو جہاں کے تاجدار کی امت کا وہ آدمی ہے جس کے پاس لوگوں کی امانتیں ہوں گی اور وہ ان کو ادا نہیں کرے گا اور مزید امانتیں رکھنے کا خواہش مند ہوگا پھر یہ ہیبت ناک منظر دکھائی دیا کہ قینچی کے ساتھ ایک قوم کی زبانیں اور ان کے ہونٹ کاٹے جا رہے ہیں۔ وہ زبانیں اور ہونٹ کٹنے کے بعد پھر جوں کے توں ہو جاتے ہیں۔ اور یہ سلسلہ جاری ہے۔ حضور نبی مکرم، نور مجسم، رسول اکرم، دو جہاں کے تاجدار نے جبرئیل سے پوچھا یہ کون ہیں۔ جبرئیل نے عرض کی۔

ھولا خطباء الفتنة من امتك يقولون ما لا يفعلون

"یہ حضور کی امت کے فتنہ باز خطیب ہیں جو وہ دوسروں کو کہتے ہیں اس پر خود عمل نہیں کرتے۔" (سبل الہدیٰ والرشاد، جلد سوم، صفحہ ۱۱۷)

پھر ایسے لوگ نظر آئے جن کے ناخن تانبے کے ہیں اور وہ اپنے چہروں اور سینوں کو ان سے کھرچ رہے ہیں۔ جبرئیل نے ان کے بارے میں عرض کی یہ وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے ہیں یعنی ان کی غیبت میں مصروف رہتے ہیں اور ان کی عزتوں پر تہمتیں لگاتے ہیں۔

حضور نبی مکرم، نور مجسم، رسول اکرم، دو جہاں کے تاجدار سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سفر جاری ہے۔ راستہ میں ایک بڑی خوبصورت آراستہ پیراستہ عورت ملی۔ اس کے سر پر اوڑھنی نہیں اور عرض کرتی ہے یا محمد انظرنی اسئلک یا رسول اللہ میری طرف توجہ فرمائیں میں کچھ سوال کرنا چاہتی ہوں لیکن حضور نبی مکرم، نور مجسم، رسول اکرم، دو جہاں

کے تاجدار نے اس عورت کی طرف ذرا توجہ نہ فرمائی۔اس کے بارے میں جبرئیل سے پوچھا۔جبرئیل نے عرض کی یہ دنیا تھی۔اگر آپ اس کو جواب دیتے تو آپ کی امت دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتی۔(سبل الہدیٰ والرشاد،جلد سوم،صفحہ ۱۱۹)

پھر حضور کا گزر اس سرخ ٹیلے کے پاس سے ہوا جہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر ہے۔حضور نبی مکرم،نور مجسم،رسول اکرم،دو جہاں کے تاجدار نے دیکھا وہ اپنی قبر میں نماز ادا کر رہے ہیں۔حضور نے انہیں سلام فرمایا۔انہوں نے سلام کا جواب عرض کیا۔آخر میں امام الانبیاء والمرسلین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بیت المقدس میں پہنچے۔حضور نے بھی اور جبرئیل نے بھی دو دو رکعتیں پڑھیں۔ابھی تھوڑی دیر گزری تھی وہاں بہت سے لوگ جمع ہو گئے پھر موذن نے اذان دی اور اقامت کہی سب اس انتظار میں تھے کہ کون امامت کا شرف حاصل کرے گا۔جبرئیل نے حضور کا دست مبارک پکڑا اور مصلیٰ پر کھڑا کر دیا۔حضور نے تمام انبیاء کی امامت کرائی۔

نماز سے فراغت کے بعد حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خطبہ ارشاد فرمایا جس میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد ان احسانات کو گنوایا جو ان کے رب جلیل نے ان پر فرمائے تھے۔آپ نے کہا

الحمد لله الذی اتخذنی خلیلا و اعطانی ملکا عظیما و جعلنی امة قانتا یوتم بی و انقذنی من النار و جعلها علی بردا و سلما

"ساری تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے مجھے اپنا خلیل بنایا مجھے ملک عظیم عطا فرمایا (مجھے اپنا فرمانبردار بنایا جس کی پیروی کی جاتی ہے) مجھے آگ سے بچایا اور اسے میرے لئے ٹھنڈا اور سلامتی کا باعث بنایا۔"

(سبل الہدیٰ والرشاد،جلد سوم،صفحہ ۱۲۰)

آپ کے بعد موسیٰ علیہ السلام۔حضرت سلیمان علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی اور ان احسانات کو اور انعامات کو بیان کیا جن سے اللہ

تعالیٰ نے ان کو نوازا تھا۔ آخر میں حضور نبی مکرم، نور مجسم، رسول اکرم، دو جہاں کے تاجدار رحمت للعالمین، خاتم النبیین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کھڑے ہوئے اور فرمایا تم سب نے میرے رب کی ثنا کی ہے اب میں اپنے رب کی ثنا گستری میں لب کشا ہوتا ہوں۔ پھر یہ خطبہ ارشاد فرمایا:

الحمد لله الذی ارسلنی رحمة للعالمین و کافة للناس بشیرا و نذیرا و انزل علی الفرقان فیه تبیان کل شیء و جعل امتی خیر امة اخرجت للناس وجعل امتی وسطا و جعل امتی هم الاولون والاخرون ۔ و شرح لی صدری ووضع عنی وزری ورفع لی ذکری وجعلنی فاتحا و خاتما

''سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے جس نے مجھے سارے جہانوں کے لئے سراپا رحمت بنا کر بھیجا اور تمام لوگوں کے لئے بشیر اور نذیر بنا کر مبعوث فرمایا اور مجھ پر فرقان نازل کیا۔ اس میں ہر چیز کا واضح بیان ہے اور میری امت کو تمام امتوں سے افضل بنایا اور اسے لوگوں کی بھلائی کے لئے پیدا کیا اور میری امت کو وسط بنایا۔ میری امت ہی اول و آخر ہے۔ مجھے شرح صدر کی نعمت سے نوازا میرا بوجھ مجھ سے اٹھا لیا۔ میرے ذکر کو میرے لئے بلند فرمایا اور مجھے فاتح اور خاتم بنایا۔'' (سبل الہدیٰ، جلد سوم، صفحہ ۱۲۱)

یہ جان پرور کلمات سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے گروہ انبیاء کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: بهذا فضلكم محمد صلى الله عليه وسلم انہیں احسانات اور انعامات کے باعث محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہم سب پر فضیلت پا گئے۔

معراج

از مسجد اقصیٰ تا سدرۃ المنتہیٰ وماوراء

اس بابرکت سفر کے دوسرے حصے کو جسے معراج سے موسوم کیا جاتا ہے سورۃ النجم کی ابتدائی آیات میں بیان فرمایا گیا۔

وَالنَّجْمِ اِذَا هَوٰى

قسم ہے اس (تابندہ) ستارے کی جب وہ نیچے اترا

مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى

تمہارا (زندگی بھر کا) ساتھی نہ راہ حق سے بھٹکا اور نہ بہکا

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى

اور وہ تو بولتا ہی نہیں اپنی خواہش سے ([illegible] ۵، ص ۲۸۲)

اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى

نہیں ہے یہ مگر وحی جو ان کی طرف کی جاتی ہے۔

عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى

انہیں سکھایا ہے زبردست قوت والے نے

ذُوْ مِرَّةٍ فَاسْتَوٰى ٥

بڑے دانا نے، پھر اس نے بلندیوں کا قصد کیا

وَهُوَ بِالْاُفُقِ الْاَعْلٰى ٥

اور وہ سب سے اونچے کنارے پر تھا

ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ٥

پھر وہ قریب ہوا اور قریب ہوا

فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ٥

یہاں تک کہ صرف دو کمانوں کے برابر بلکہ اس سے بھی کم فاصلہ رہ گیا۔

فَاَوْحٰٓى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى ۝

پس وحی کی اللہ نے اپنے (محبوب) بندے کی طرف جو وحی کی۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰى ۝

نہ جھٹلایا دل نے جو دیکھا (چشم مصطفیٰ) نے۔

اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰى مَا يَرٰى ۝

کیا تم جھگڑتے ہو ان سے اس پر جو انہوں نے دیکھا۔

وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰى ۝

اور انہوں نے تو اسے دوبارہ بھی دیکھا۔

عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰى ۝

سدرۃ المنتہیٰ کے پاس۔

عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰى ۝

اس کے پاس ہی جنت الماویٰ ہے۔

اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰى ۝

جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا۔

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰى ۝

نہ درماندہ ہوئی چشم (مصطفیٰ) اور نہ (حد ادب سے) آگے بڑھی۔

لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى ۝

یقیناً انہوں نے اپنے رب کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔

آیت کے الفاظ کا مفہوم پہلے ذہن نشین کر لیجیے۔

النجم: مطلق ستارہ کو بھی کہتے ہیں اور النجم ذکر کر کے اس سے ثریا (پروین) مراد لینا بھی اہل عرب میں عام مروج ہے۔ یہاں دونوں معنی لئے جا سکتے ہیں۔

ہوی یہ مادہ دو بابوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ باب علم یعلم ہوی یہوی اس وقت اس کا معنی محبت کرنا ہوتا ہے۔

ھواہ احبہ ۔ دوسرا باب ضرب یضرب ہوی یہوی جیسے یہاں مذکور ہے۔ اس صورت میں یہ متضاد معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ نیچے گرنا اور بلند ہونا۔ چنانچہ ھوی الشی سقط من علو الی اسفل ارتفع و صعد جب کوئی چیز اوپر سے نیچے گرے تب بھی کہتے ہیں ہوی الشی اور جب کوئی چیز پستی سے بلندی کی طرف جائے اس وقت بھی کہتے ہیں۔ ھوی الشیء۔ البتہ مصدر دونوں حالتوں میں الگ الگ ہوگا نیچے گرنے کے معنی میں ہو تو کہیں گے ہوی یہوی ہویا اور بلند ہونے کے معنی میں ہو تو کہیں گے ہوی یہوی ھوّیا۔

ستارہ رات کے اندھیرے میں روشنی بہم پہنچاتا ہے۔ فضا کو بھی اپنی ٹمٹماہٹ سے حسن و زینت بخشتا ہے۔ لق و دق صحرا میں مسافر ستاروں ہی سے اپنی منزل کی سمت کا تعین کرتے ہیں۔ ستارہ جب آسمان کے وسط میں ہو تو اس وقت وہ راہنمائی نہیں کرسکتا، اس لئے صرف النجم کی قسم نہیں اٹھائی، بلکہ اس کی خاص حالت کی جب وہ طلوع ہو رہا ہو یا ڈھل رہا ہو، کیونکہ رہنمائی کا فائدہ اسی وقت حاصل ہوتا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔

ھو النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم وھویہ نزولہ من السماء لیلۃ المعراج وجوز علی ھذا ان یراد بھواہ صعودہ و عروجہ علیہ الصلوۃ و السلام الی منقطع الاین ۔ (روح المعانی)

"یعنی النجم سے مراد ذات پاک مصطفیٰ علیہ اطیب التحیۃ والثنا ہے۔ اذا ھوی سے مراد حضور سید المبلغین، راحت العاشقین، سراج السالکین کا شب معراج آسمان سے واپس زمین پر نزول فرمانا۔ اس کے بعد آلوسی فرماتے ہیں کہ اذا ھوی سے یہ مراد لینا بھی جائز ہے کہ حضور کا شب معراج وہاں تک

عروج کرنا جہاں مکان کی سرحدیں ختم ہو جاتی ہیں۔" (روح المعانی)

قرآن کریم کی وہ مقدار جو ایک مرتبہ نازل ہو اس کو بھی نجم کہتے ہیں۔ بعض علماء نے یہاں النجم سے بھی قرآن کریم کا نازل شدہ حصہ مراد لیا ہے۔

قیل اراد بذلك القران المنجم المنزل قدرا فقدرا

یہاں النجم مقسم بہ ہے۔ اس کا جو معنی لیا جائے وہاں خاص مناسبت پائی جاتی ہے جو اہل نظر پر عیاں ہے۔

یہ جواب قسم ہے۔ آیت کے کلمات کی تحقیق پہلے سماعت فرمایئے۔ آیت میں صاحبکم سے مراد حضور سید المبلغین، راحت العاشقین، سراج السالکین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات بابرکات ہے۔ صاحب کا معنی سید اور مالک بھی ہے کہتے ہیں۔ صاحب البیت گھر کا مالک اور اس کا معنی ساتھی اور رفیق بھی ہے، لیکن صرف ایسے ساتھی کو صاحب کہا جاتا ہے جس کی رفاقت اور سنگت بکثرت ہو۔ لا یقال فی العرف الالمن کثرت ملازمته۔ (مفردات)

لامہ راغب ضلال کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

الضلال: العدول عن الطریق المستقیم و یضاده الهدایة ویقال الضلال لکل عدول عن المنهج عمدا کان او سهوا یسیرا کان او کثیرا

"سیدھے راستے سے روگردانی کو ضلال کہتے ہیں۔ اس کی ضد ہدایت ہے بعض نے مزید تشریح کی ہے کہ راستہ سے روگردانی دانستہ ہو یا بھول کر، تھوڑی ہو یا زیادہ ہو اسی کو ضلال کہتے ہیں۔"

اور فاضل موصوف غوی کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ الغی جهل من اعتقاد فاسد۔ یعنی وہ جہالت جو باطل عقیدہ کی وجہ سے ہو۔ (مفردات)

علامہ اسمٰعیل حقی لکھتے ہیں۔

الغواية هي الخطاء في الاعتقاد خاصة و الضلال اعم منها ۔ يتناول الخطاء في الاقوال و الافعال و الاخلاق و العقائد

"اعتقادی غلطی کو غوایہ کہتے ہیں اور ضلال عام ہے۔ یہ اقوال، افعال، اخلاق اور عقائد کی غلطی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔" (روح البیان)

حضور رحمت عالمیان حضور شہنشاہ خوش خصال، پیکر حسن و جمال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب توحید کی دعوت کا آغاز کیا اور اہل مکہ کو کفر و شرک سے باز آنے کی تبلیغ شروع کی تو اہل مکہ نے کہنا شروع کیا کہ آپ گمراہ ہو گئے ہیں۔ اپنی قوم کا راستہ چھوڑ دیا ہے، ان کا عقیدہ بگڑ گیا ہے۔ خالق ارض وسما نے پہلے قسم کھائی۔ پھر ان کے الزامات کی تردید کی۔ فرمایا ان کے قول، عمل اور کردار میں گمراہی کا نام و نشان تک نہیں۔ ان کے عقیدہ میں کوئی غلطی اور کجی نہیں اور "صاحبکم" فرما کر اپنے حبیب کی کتاب حیات کھول کر ان کے سامنے رکھ دی۔ یعنی یہ کوئی اجنبی نہیں جو دیار غیر سے آ کر یہاں فروکش ہو گئے ہیں اور نبوت کا دھندا شروع کر دیا ہے۔ تم ان کے ماضی سے، ان کے خاندانی پس منظر سے ان کے اطوار و احوال سے اور سیرت و کردار سے اچھی طرح واقف ہو۔ ان کا بچپن تمہارے سامنے گزرا۔ ان کا عہد شباب اسی ماحول میں اور تمہارے اسی شہر میں بسر ہوا۔ انہوں نے تمہارے ساتھ اور تمہارے سامنے کاروبار بھی کیا ہے۔ سماجی، قومی اور ملکی مسائل میں ان کی فراست کے تم چشم دید گواہ ہو۔ ان کی کتاب زیست کا کون سا باب ہے جو تم سے پوشیدہ ہے، کون سا ورق ہے جو تم سے مخفی ہے۔ جب ان کی ساری زندگی شبنم کی طرح پاکیزہ پھول کی طرح شگفتہ اور آفتاب کی طرح تابندہ ہے تو تمہیں ان پر ضلالت و غوایت کے الزام لگاتے ہوئے شرم نہیں آتی۔

کتنا بارعب، حسین اور مدلل انداز بیان ہے۔

نیز اس آیت سے ووجدک ضالا کا مفہوم بھی واضح ہو گیا کہ اس آیت میں "ضال" کا معنی گمراہ نہیں بلکہ کسی کی محبت میں سرگرداں اور حیران ہونا ہے جو اس لفظ کا دوسرا معنی

ہے۔ تحقیق سورۃ النجم میں ملاحظہ فرمائیے۔

پہلی آیت کی مزید تاکید کی جا رہی ہے یعنی کوئی غلط قدم اٹھانا، کسی باطل عقیدہ کو اپنانا تو بڑی دور کی بات ہے، ان کا تو یہ عالم ہے کہ وہ خواہش نفس سے لبوں کو جنبش بھی نہیں دیتے، ان کی زبان پر کوئی ایسی بات آتی ہی نہیں جس کا محرک ان کی ذاتی خواہشات ہوں۔

ھو کا مرجع قرآن کریم ہے۔ یہ آیت ایک سوال کا جواب ہے۔ جب وہ اپنی خواہش سے بولتے ہی نہیں، تو پھر کلام یہ لوگوں کو پڑھ کر سناتے ہیں۔ یہ کیا ہے؟ اس کا جواب دیا یہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی کیا جاتا ہے اور جیسے وحی نازل ہوتی ہے۔ بعینہٖ وہ اسی طرح لوگوں کو پڑھ کر سنا دیتے ہیں۔ اس میں سر مو ردو بدل نا ممکن ہے۔

بعض علماء کی رائے ہے کہ ھو کا مرجع صرف قرآن کریم نہیں بلکہ قرآن کریم اور جو بات حضور شہنشاہ خوش خصال، پیکر حسن و جمال علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان فیض ترجمان سے نکلتی ہے وہ سب وحی ہے۔ وحی کی دو قسمیں ہیں: جب معانی اور کلمات سب منزل من اللہ ہوں اسے وحی جلی کہتے ہیں جو قرآن کریم کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے اور جب معانی کا نزول من جانب اللہ ہو لیکن ان کو الفاظ کا جامہ حضور نے خود پہنایا ہوا سے وحی خفی یا وحی غیر متلو کہا جاتا ہے جیسے احادیث طیبہ۔ بعض علماء نے ان آیات کے پیش نظر حضور شہنشاہ خوش خصال، پیکر حسن و جمال کے اجتہاد کا انکار کیا ہے۔ یعنی حضور کوئی بات اپنے اجتہاد سے نہیں کہتے، بلکہ جو ارشاد ہوتا ہے وہ وحی الٰہی کے مطابق ہوتا ہے لیکن جمہور فقہاء نے حضور شہنشاہ خوش خصال، پیکر حسن و جمال کے اجتہاد کو تسلیم کیا ہے اور ساتھ ہی تصریح فرمائی ہے کہ یہ اجتہاد بھی باذن اللہ ہوا کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ خود ہی اس اجتہاد کی پاسبانی کرتا ہے۔ حضور شہنشاہ خوش خصال، پیکر حسن و جمال جو بات بذریعہ اجتہاد فرماتے ہیں وہ بھی عین منشاء خداوندی ہوا کرتی ہے۔

علامہ آلوسی لکھتے ہیں:

ان اللہ اذا سوغ لہ علیہ الصلوٰۃ والسلام الاجتہاد کان

الاجتهاد ما یسند الیہ وحیا لا نطقا عن الھوی (روح المعانی)

کتب احادیث میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کا یہ واقعہ منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ میرا یہ دستور تھا کہ حضور شہنشاہ خوش خصال، پیکر حسن و جمال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے جو کچھ سنتا، وہ لکھ لیا کرتا۔ قریش کے بعض احباب نے مجھے اس سے منع کیا اور کہنے لگے تم حضور کا ہر قول لکھ لیا کرتے ہو۔ حالانکہ حضور انسان ہیں۔ کبھی غصے میں بھی کوئی بات فرما دیا کرتے ہیں، چنانچہ میں نے لکھنا بند کر دیا۔ بعد میں اس کا ذکر بارگاہ رسالت میں ہوا اور میں نے سلسلہ کتابت بند کرنے کی وجہ بیان کیں تو حضور حضور شہنشاہ خوش خصال، پیکر حسن و جمال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اکتب فو الذی نفسی بیدہ ما خرج منی الا الحق

''اے عبداللہ! تم میری ہر بات کو لکھ لیا کرو۔ اس ذات کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے، میری زبان سے کبھی کوئی بات حق کے سوا نہیں نکلی۔''

اس مسئلے پر مزید تحقیق کے لئے ملاحظہ فرمائیے فقیر کی تصنیف ''سنت خیر الانام'' علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

علمہ شدید القوی سے لے کر لقد رای من ایات ربہ الکبری تک کی تفسیر میں علمائے کرام میں اختلاف ہے۔ ایسی روایات موجود ہیں جن سے صراحتاً پتہ چلتا ہے کہ عہد صحابہ میں بھی ان آیات کے بارے میں اختلاف موجود تھا۔ جہاں تک آیات نصوص کا تعلق ہے ان سے دونوں مفہوم اخذ کیے جا سکتے ہیں اور کوئی ایسی حدیث مرفوع بھی موجود نہیں جو ان آیات کے مفہوم کو متعین کر دے، ورنہ ارشاد نبوی کی موجودگی میں ایسا اختلاف سرے سے رونما ہی نہ ہوتا۔ اسی طرح بعد میں آنے والے علمائے کرام ان آیات کے بارے میں دو گروہوں میں منقسم ہیں۔ اپنی دیانتدارانہ تحقیق کی روشنی میں ہمیں یہ حق تو پہنچتا ہے کہ ان دو قولوں میں سے کوئی ایک قول اختیار کر لیں، لیکن ہمیں یہ

حق ہرگز نہیں کہ دوسرے قول کے قائلین کے بارے میں کسی بدگمانی کا شکار ہوں۔

یہ ہیچ میرز پہلے عام مفسرین کی رائے کے مطابق ان آیات کی تشریح پیش کرے گا اور اس کے بعد دوسرے مکتب فکر کی تحقیق پیش کی جائے گی۔ قارئین کرام اس کے بعد خود فیصلہ کرلیں کہ کس فریق کا قول زیادہ قرین صواب ہے۔

عام مفسرین کے نزدیک **شدید القوی** سے مراد حضرت جبرائیل ہیں، یعنی جبرئیل امین نے حضور صاحب معراج، محبوب رب العزت، محسن انسانیت کو قرآن کریم سکھایا۔ جبرئیل کے **شدید القوی** ہونے میں کسی کو کیسے شک ہوسکتا ہے جو چشم زدن میں سدرۃ المنتہیٰ سے فرش زمین پر پہنچ جائے، جو وحی کے بارگران کا متحمل ہو، جس نے لوط کی بستیوں کو جڑ سے اکھیڑا۔ پھر انہیں آسمان کی بلندیوں تک اٹھایا، پھر انہیں اوندھا کرکے پھینک دیا۔ ایسی ہستی کی قوت وطاقت کا کیا کہنا۔

مرۃ اصل میں رسی کو بٹنے اور بل دے کر پختہ اور مضبوط بنانے کو کہتے ہیں۔ **اصلہ من شدۃ فتل الحبل** (قرطبی) اسی لئے ذومرۃ کا معنی ذوقوۃ یعنی طاقتور اور زورآور کیا گیا ہے۔ یہ لفظ جسمانی اور ذہنی دونوں قوتوں کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اس لئے حکیم اور دانا کو بھی ذومرۃ کہتے ہیں۔

و قال قطرب: تقول العرب لکل جزل الرای حصیف العقل ذومرۃ۔

”**شدید القوی**“ سے حضرت جبرائیل کی جسمانی قوتوں کا بیان ہے اور ”**ذومرۃ**“ سے ان کی دانش مندی اور عقل مندی کا ذکر ہے۔ بے شک جو ہستی تمام انبیائے کرام کی طرف اللہ تعالیٰ کی وحی لے کر نازل ہوتی رہی اور پوری دیانت داری سے اس امانت کو ادا کرتی رہی، اس کی دانش مندی اور فرزانگی کے بارے میں کیسے شک ہوسکتا ہے۔

فاستوی کا فاعل بھی جبرئیل امین ہیں۔ مطلب یہ ہے۔ **فاستقام علی**

صورتہ الحقیقیة التی خلقه الله تعالیٰ علیها یعنی جبرئیل امین اپنی حقیقی ملکی شکل میں نمودار ہوئے۔ حضور سرور عالم حضور صاحب معراج، محبوب رب العزت، محسن انسانیت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان سے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ اپنی ملکی شکل میں ظاہر ہو کر پیش ہوں۔ اوائل نبوت کا زمانہ ہے۔ حضور صاحب معراج، محبوب رب العزت، محسن انسانیت علیہ الصلوٰۃ والسلام غار حرا کے باہر تشریف فرما ہیں۔ مشرقی افق پر جبرئیل اپنے چھ سو پروں سمیت نمودار ہوئے۔ آپ کے وجود سے آسمان کی شرقی غربی کنارے بھر گئے، حالانکہ ابھی آپ نے اپنے چھ سو پروں سے صرف دو پر ہی پھیلائے تھے۔ انبیائے کرام میں سے صرف حضور صاحب معراج، محبوب رب العزت، محسن انسانیت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ہی جبرئیل کو اپنی اصل شکل میں دیکھا۔

فاستوی کا ایک اور مطلب بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ای فاستوی القرآن فی صدرہ یعنی جو قرآن جبرئیل نے آپ کو سکھایا، وہ آپ کے سینہ مبارک میں قرار پکڑ گیا۔ اب اس کے بھول جانے کا کوئی امکان نہیں۔

ھو کا مرجع بھی جبرئیل امین ہیں۔ افق اس کنارے کو کہتے ہیں جہاں آسمان و زمین آپس میں ملتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔ اعلیٰ بلند ترین۔ آیت کا مطلب یہ ہوا کہ جبرئیل آسمان کے مشرقی کنارے پر جہاں سے سورج طلوع ہوتا ہے اپنی اصلی شکل میں نمودار ہوئے۔

دنا اور فتدلی دونوں فعلوں کا فاعل بھی جبرئیل امین ہیں۔ دنا کا معنی ہے قریب ہونا اور تدلی کا معنی کسی بلند چیز کا نیچے کی طرف اس طرح لٹکنا کہ اس کا تعلق اپنی اصلی جگہ سے بھی قائم رہے۔ جب ڈول کر کنوئیں میں لٹکایا جائے اور اس کی رسی لٹکانے والے نے پکڑ رکھی ہو تو کہتے ہیں۔ ادلی دلوہ اسی طرح پھلوں کے وہ گچھے جو شاخوں سے لٹک رہے ہوتے ہیں ان کو بھی دوالی کہتے ہیں۔ الدوالی الثمر المعلق کعنا قید العنب۔ جو شخص پلنگ پر بیٹھا ہو اور اپنی ٹانگیں لٹکائے ہوئے ہو اس کے بارے میں بھی

کہتے ہیں: دلی رجلیه من السریر (روح المعانی)

علامہ قرطبی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں اصل التدلی: النزول الی الشیء حتی یقرب منه اس صورت میں آیت کا مفہوم ہوگا جبرئیل جو اپنی اصل شکل میں اپنے چھ سو پروں سمیت شرقی افق پر نمودار ہوئے تھے، وہ حضور کے نزدیک آئے اور افق کی بلندیوں سے نزول کر کے حضور ہم بے کسوں کے مددگار، شفیع روز شمار، دو عالم کے مختار علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بالکل قریب ہو گئے۔

جبرئیل امین ہم بے کسوں کے مددگار، شفیع روز شمار، دو عالم کے مختار رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کس قدر قریب ہوئے اس کو اس آیت میں بیان فرمایا جا رہا ہے۔

قاب کا معنی مقدار اور اندازہ ہے۔ قوسین قوس (کمان) کا تثنیہ ہے۔ نہایت قرب کو بیان کرنے کے لئے اہل عرب یہ الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عہد جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ دو قبیلوں کے سردار جب اپنی باہمی دوستی کا اعلان کرنا چاہتے تو وہ اپنی اپنی کمانوں کو ملا دیتے۔ یکجا شدہ کمانوں میں ایک تیر رکھ کر دونوں سردار اس کو چھوڑ دیتے۔ یہ گویا اس بات کا اعلان ہوتا کہ یہ دونوں سردار متحد و متفق ہو گئے ہیں۔ ان میں سے کسی پر بھی کسی نے حملہ کیا یا زیادتی کی، تو دونوں مل کر اس کے مقابلے میں سینہ سپر ہو جائیں گے۔ [illegible] حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے امتی ان سے [illegible] بعد میں یہ الفاظ کامل یگانگت اور اتحاد کو ظاہر کرنے کے لئے استعمال کئے جانے لگے ہیں۔ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ جبرئیل امین ہم بے کسوں کے مددگار، شفیع روز شمار، دو عالم کے مختار کے بالکل نزدیک آ گئے جس طرح دو ملی ہوئی کمانیں ایک دوسرے کے نزدیک ہوتی ہیں۔ او ادنیٰ کہہ کر مزید قرب کی طرف اشارہ کر دیا کہ دو کمانوں میں تو پھر بھی کچھ نہ کچھ فاصلہ اور مغایرت باقی رہتی ہے یہاں تو اس سے بھی زیادہ قرب تھا۔ یہ [illegible] او شک کے لئے نہیں بلکہ بل کے معنی میں استعمال ہوا ہے جس طرح وارسلناه الی مائة الف او یزیدون میں او بل کے معنی میں ہے۔ (مظہری) یہاں اترے اور نماز ادا کیجئے۔ حضور پرنور محبوب رب العزت [illegible] اترے اور نماز ادا کی پھر

اوحی کا فاعل بھی جبرئیل ہے۔ عبدہ کی ضمیر کا مرجع بالاتفاق اللہ تعالیٰ ہے۔ یعنی جبرئیل امین نے اللہ تعالیٰ کے بندے کی طرف وحی کی جو وحی کی۔ بعض نے پہلے اوحی کا فاعل جبرئیل اور دوسرے "اوحی" کا فاعل اللہ تعالیٰ کو قرار دیا ہے۔ اس وقت آیت کا ترجمہ ہوگا جبرئیل نے اللہ تعالیٰ کے بندے کو وحی کی جو اللہ تعالیٰ نے جبرئیل پر وحی کی تھی۔

یعنی حضور ہم بے کسوں کے مددگار، شفیع روز شمار، دو عالم کے مختار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب جبرئیل کو ان کی اصلی شکل میں اپنی ان آنکھوں سے دیکھا تو دل نے اس کی تصدیق کی کہ آنکھیں جو کچھ دیکھ رہی ہیں یہ ایک حقیقت ہے۔ واقعی یہ جبرئیل ہے جو اپنی اصلی صورت میں نظر آ رہا ہے۔ یہ نظر کا فریب تو نہیں۔ نگاہوں نے دھوکا نہیں کھایا کہ حقیقت کچھ اور ہو اور نظر کچھ اور آ رہا ہو۔ ہر شخص کو کبھی نہ کبھی اس صورت حال سے ضرور واسطہ پڑا ہوگا کہ آنکھوں کو تو کچھ نظر آ رہا ہے، لیکن دل اس کو ماننے کے لئے تیار نہیں۔ فرمایا جا رہا ہے کہ یہاں ایسی صورت حال نہیں ہے آنکھیں جبرئیل کو دیکھ رہی ہیں اور دل تصدیق کر رہا ہے کہ واقعی یہ جبرئیل ہے۔ دل کو یہ عرفان اور ایقان کیونکر حاصل ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کو شیطان کی وسوسہ اندازیوں اور نفسانی شکوک و شبہات سے بالکل محفوظ رکھتا ہے جس طرح ان کو منجانب اللہ اپنی نبوت پر یقین محکم ہوتا ہے۔ اس بارے میں انہیں قطعاً کوئی تردد نہیں ہوتا۔ اسی طرح ان پر جو وحی اتاری جاتی ہے جو فرشتے ان کی طرف بھیجے جاتے ہیں۔ جن انوار و تجلیات کا انہیں مشاہدہ کرایا جاتا ہے۔ ان کے بارے میں انہیں ذرا تردد نہیں ہوتا۔ یہ علم اور یقین اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں عطا کیا جاتا ہے۔ اسی طرح کا یقین حسب مراتب انسانوں بلکہ حیوانات کو بھی مرحمت ہوتا ہے۔ ہمیں اپنے انسان ہونے کے بارے میں قطعاً کوئی تردد نہیں۔ بطخ کے بچے کو انڈے سے نکلتے ہی یہ عرفان بخشا جاتا ہے کہ وہ پانی میں تیر سکتا ہے چنانچہ وہ بلا تامل پانی میں کود جاتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

تمارونہ: المراء سے ماخوذ ہے۔ اس کا معنی ہے۔ جھگڑنا، بحث و تکرار کرنا۔ من المراء

وہوالمجادلۃ یعنی اے کفار، تم میرے رسول سے اس بات پر جھگڑتے ہو جس کا مشاہدہ انہوں نے اپنی آنکھوں سے کیا ہے۔ یہ تمہاری سراسر زیادتی ہے۔

تم تو اس بات پر جھگڑ رہے ہو کہ میرے رسول نے جبرئیل کو ایک بار بھی دیکھا ہے یا نہیں، حالانکہ انہوں نے جبرئیل کو دوسری مرتبہ بھی دیکھا ہے۔

دوسری بار دیکھنے کی جگہ کا ذکر فرمایا جا رہا ہے کہ دوسری دید سدرۃ المنتہیٰ کے قریب ہوئی سدرۃ عربی میں بیری کے درخت کو کہتے ہیں۔ منتہی آخری کنارہ، آخری سرحد۔ اس کا لفظی ترجمہ یہ ہوگا کہ بیری کا وہ درخت جو مادی جہاں کی آخری سرحد پر ہے۔ اس کے بارے میں کتاب وسنت میں جو کچھ ہے۔ ہم اس کو بلا تاویل تسلیم کرتے ہیں، البتہ وہ درخت کیسا ہے؟ اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی شاخوں، پتوں اور پھلوں کی نوعیت کیا ہے؟ ہمیں ان کی ماہیت معلوم نہیں اور نہ ان کی ماہیت جاننے میں ہمارا کوئی دنیوی اور اخروی مفاد ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ اس حقیقت کو خود بیان فرما دیتا۔ یہ ان اسرار میں سے ہے جنہیں اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی جانتا ہے۔

ماوی: اسم ظرف ہے۔ اس جگہ کو کہتے ہیں جہاں انسان قرار پکڑتا ہے۔ آرام کرتا ہے۔ اس جنت کو جنت الماویٰ کیوں کہا گیا ہے۔ علمائے کرام نے اس کی متعدد توجیہیں ذکر کی ہیں۔ شہداء کی روحیں یہاں تشریف فرما ہیں۔ جبرئیل اور دیگر ملائکہ کی یہ رہائش گاہ ہے۔ پرہیزگار اہل ایمان کی روحیں یہاں ٹھہرتی ہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

یعنی جن انوار وتجلیات کے ہجوم نے سدرہ کو ڈھانپ لیا، ان کو بیان کرنے کے لئے نہ کسی لغت میں کوئی لفظ موجود ہے اور نہ اس کی حقیقت کو سمجھنے کی کسی میں طاقت ہے۔ یہ جس طرح ذکر وبیان سے ماوراء ہے، اسی طرح فہم وادراک کی رسائی سے بھی بالاتر ہے۔ اس کی دل آویز منظر کی تصویر کشی اس کے بغیر ممکن نہیں کہ یہ کہہ دیا جائے۔ اذ یغشی السدرۃ ما یغشی جب سدرہ پر چھا رہا تھا جو چھا رہا تھا۔

علامہ جوہری نے زاغ کے دو معنی لکھے ہیں: الزیغ: المیل و قد زاغ یزیغ

وزاغ البصری کل (صحاح) یعنی کسی چیز کا دائیں بائیں مڑ جانا، ادھر ادھر ہو جانا۔ اس کو بھی زیغ کہتے ہیں۔ اس معنی کے مطابق آیت کا مطلب یہ ہوگا کہ سرور عالمیان حضور پاک، صاحب لولاک، سیاح افلاک صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نگاہ اپنے مقصود کی دید میں محو رہی۔ ادھر ادھر، دائیں بائیں کسی چیز کی طرف مائل نہیں ہوئی۔ دوسرا معنی ہے نگاہ کا درماندہ ہو جانا۔ جیسے دوپہر کے وقت انسان سورج کو دیکھنے کی کوشش کرے، تو آنکھ سورج کی روشنی کی تاب نہیں لا سکتی اور چندھیا جاتی ہے۔ فرمایا میرے محبوب کی آنکھیں ان انوار کی چمک دمک سے خیرہ ہو کر چندھیا نہیں گئیں۔ درماندہ ہو کر بند نہیں ہو گئیں بلکہ جی بھر کر ان کا دیدار کیا۔

وما طغی سے اپنے حبیب کی چشم پاک کی دوسری شان بیان کی گئی ہے۔ طغی کہتے ہیں حد سے تجاوز کر جانا۔ طغی یطغی و یطغو ای جاوز الحد۔ (صحاح)

یہاں تک ہم نے ایک مکتب فکر کے مطابق ان آیات کی تشریح کی ہے۔ اس ضمن میں الفاظ کی لغوی تحقیق بھی کافی حد تک کر دی گئی ہے۔ ان کے اعادے کی چنداں ضرورت نہیں پڑے گی۔

دوسرے مکتب فکر کے علماء اعلام کے سرخیل امام حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔ ان حضرات نے ان آیات کی جو تفسیر بیان کی ہے اس کا خلاصہ درج ذیل ہے۔

"علمہ" کا فاعل اللہ تعالیٰ ہے۔ "شدید القوی" اور "ذو مرۃ" اللہ تعالیٰ کی صفتیں ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ جو زبردست قوتوں والا دانا ہے۔ اس نے اپنے نبی کریم کو قرآن کریم کی تعلیم دی۔ جس طرح الرحمن علم القرآن میں صراحتاً مذکور ہے۔

"فاستوی" کا فاعل نبی کریم ہیں۔ یعنی حضور حضور پاک، صاحب لولاک، سیاح افلاک علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قصد فرمایا جب کہ آپ سفر معراج میں افق اعلیٰ پر تشریف فرما ہوئے۔ پھر نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مکان کی سرحدوں کو پار کرتے ہوئے لامکان میں رب العزت کے قریب ہوئے اور وہاں فائز ہو کر فتدلی (سجدہ ریز

ہو گئے) پس اتنے قریب ہوئے جتنا دو کمانیں قریب ہوتی ہیں جب انہیں ملایا جاتا ہے، بلکہ ان سے بھی زیادہ قریب۔ اس حالت قرب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب بندے پر وحی فرمائی جو وحی فرمائی۔ اس حریم ناز میں صفاتی تجلیات اور ذاتی انوار کا جو مشاہدہ بے تاب نگاہوں نے کیا، دل نے اس کی تصدیق کی اور تمہارا یہ جھگڑا کہ یہ دیکھا وہ نہیں دیکھا محض بے سود ہے۔ دکھانے والے نے جو دکھانا تھا، دکھا دیا۔ دیکھنے والے نے جو دیکھنا تھا وہ جی بھر کے دیکھ لیا۔ اب تم بے مقصد بحثوں میں وقت ضائع کر رہے ہو۔ یہ نعمت دیدار فقط ایک بار نصیب نہیں ہوئی، بلکہ اترتے ہوئے دوسری بار بھی نصیب ہوئی۔ یہ دوبارہ شرف دید سدرۃ المنتہیٰ کے پاس ہوا۔

اس پر تقصیر کے نزدیک یہی قول راجح ہے اور اس کی کئی وجوہ ہیں۔ عبد کی عبد سے ملاقات کو اس اہتمام اس تفصیل اور اس کیف انگیز اسلوب سے بیان نہیں کیا جاتا۔ اگر یہاں حضور کی جبرئیل امین سے ملاقات کا ذکر ہوتا تو ایک آیت ہی کافی تھی۔ کیف انگیز انداز بیان صاف بتا رہا ہے کہ یہاں عبد کامل کی اپنے معبود برحق کے ساتھ ملاقات کا ذکر ہے۔ جہاں ایک طرف عشق ہے نیاز ہے اور سرافگندگی ہے اور دوسری طرف حسن ہے۔ شان صمدیت ہے اور شان بندہ نوازی اپنے جوبن پر ہے۔ حضور پاک، صاحب لولاک، سیاح افلاک کی ملاقات جبرئیل سے بھی بے شک بڑے فوائد کی حامل ہے لیکن حضور کے لئے باعث ہزار سعادت و وجہ فضیلت فقط اپنے محبوب حقیقی کی ملاقات ہے۔ ان آیات کو ایک مرتبہ پھر پڑھیے۔ آپ کا وجدان اسلوب بیان کی رعنائیوں پر جھوم اٹھے گا۔

نیز کفار کا اعتراض یہ تھا کہ جو کلام آپ پڑھ کر انہیں سناتے ہیں یہ اللہ تعالیٰ کا کلام نہیں۔ یا یہ خود گھڑ لاتے ہیں یا انہیں کوئی آکر سکھا پڑھا جاتا ہے۔ اس کی تردید اسی طرح ہونی چاہیے کہ فرمایا جائے یہ کلام نہ انہوں نے خود گھڑا ہے نہ کسی نے انہیں سکھایا ہے بلکہ انہیں خالق کائنات نے انہیں اس کی تعلیم دی ہے جو بڑی قوتوں والا ہے اور حکیم و دانا ہے۔ اس کے علاوہ انتشار ضمائر کی وجہ سے ذہن میں جو پریشانی پیدا ہوتی ہے اور جو

قرآن کے معیار فصاحت سے بھی مناسبت نہیں رکھتی، اس سے رستگاری کا صرف یہی راستہ ہے کہ حضرت حسن بصری کے قول کو تسلیم کیا جائے۔

ان تمام وجوہ ترجیح کو اگر نظر انداز کر بھی دیا جائے، تو وہ احادیث صحیحہ جن میں واقعات معراج کا بیان ہے، وہ اس مفہوم کی تائید کے لئے کافی ہیں۔ میں یہاں فقط دو احادیث نقل کرنے پر اکتفا کروں گا اور ان کا بھی فقط وہ حصہ جس سے ان آیات کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

پہلی حدیث وہ ہے جو ثابت البنانی نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے۔ اگرچہ حضرت انس سے دیگر کئی تابعین نے بھی یہ حدیث نقل کی ہے لیکن قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ اس سند کے بارے میں لکھتے ہیں۔

جود ثابت رضی اللہ عنہ ھذا الحدیث عن انس ماشاء ولم یات احد عنہ باصواب من ھذا

''یعنی حضرت انس سے جتنے راویوں نے یہ حدیث روایت کی ان میں سے صحیح ترین وہ حدیث ہے جو ثابت البنانی کے واسطہ سے مروی ہے۔''

(الشفاء، جلد اول، صفحہ ۲۳۵، دارالکتاب العربی بیروت)

قاضی عیاض اس حدیث کے بارے میں دوسرے صفحہ پر لکھتے ہیں۔

حدیث ثابت عن انس اتقن واجود

''وہ حدیث جو حضرت ثابت نے حضرت انس سے روایت کی ہے وہ سب سے زیادہ محفوظ اور اعلیٰ پایہ کی ہے۔'' (الشفاء، جلد اول، صفحہ ۲۳۶)

...... ثم عرج بنا الی السماء السابعة فاستفتح جبرئیل فقیل من ھذا قال جبرئیل قیل و من معك قال محمد (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) قیل قد بعث الیہ قال قد بعث الیہ ۔ ففتح لنا فاذا انا بابرھیم علیہ الصلوۃ و السلام مسندا ظھرہ الی

البيت المعمور و اذا هو يدخله كل يوم سبعون الف ملك لا يعودون اليه ثم ذهب بي الى السدرة المنتهى فاذا ورقها كاذان الفيل و اذا ثمرها كالقلال قال فلما غشيها من امر الله ما غشي تغيرت و ما احد من خلق الله يستطيع ازينعتها من حسنها فاوحى الى ما اوحى ففرض على خمسين صلوة في كل يوم وليلة فنزلت الى موسى عليه السلام فقال ما فرض ربك على امتك قلت خمسين صلوة قال ارجع الى ربك فاسئله التخفيف فان امتك لا يطيقون لذلك فاني قد بلوت بني اسرائيل و خبرتهم قال فرجعت الى رب فقلت يا رب خفف على امتي وحط عني خمسا فرجعت الى موسى و قلت حط عني خمسا قال ان امتك لا يطيقون ذلك فارجع الى ربك فاسئله التخفيف قال فلم ازل ارجع بين ربي و بين موسى عليه السلام حتى قال يا محمدانهن خمس صلوات كل يوم وليلة لكل صلوة عشر كذلك خمسون صلوة و من هم بحسنة فلم يعملها كتبت له حسنة فان عملها كتبت له عشرا و من هم بسيئة ولم يعملها لم تكتب له شيء فان عملها كتبت سيئة واحدة قال فنزلت حتى انتهيت الى موسى عليه السلام فاخبرته فقال ارجع الى ربك فاسئله التخفيف و قال رسول الله صلى الله عليه وسلم فقلت قد رجعت الى ربي حتى استحييت منه ۔

پھر مجھے اور جبریئل کو ساتویں آسمان پر لے جایا گیا۔ جبریئل نے دروازہ کھولنے کے لئے کہا۔ آواز آئی کون ہے؟ کہا میں جبریئل ہوں۔ پوچھا ساتھ کون ہے؟ جبریئل نے کہا! محمد (علیہ الصلوۃ والسلام) پھر پوچھا کیا انہیں بلایا گیا ہے؟ جبریئل نے کہا! ہاں پس دروازہ کھلا۔ میں کیا دیکھتا ہوں

کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام بیت المعمور کے ساتھ ٹیک لگائے تشریف فرما ہیں۔ بیت المعمور وہ مقدس مقام ہے جس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں، لیکن دوبارہ انہیں یہ سعادت کبھی نصیب نہیں ہوتی۔ پھر مجھے سدرۃ المنتہیٰ تک لے جایا گیا۔ (فقط مجھے لے جایا گیا) اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کی مانند اور پھل مٹکوں کے برابر ہیں۔ حضور نے فرمایا پھر جب ڈھانپ لیا اس سدرہ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جس نے ڈھانپ لیا، تو وہ اتنا خوب صورت ہو گیا کہ مخلوق میں سے کوئی بھی اس کے حسن و جمال کو بیان نہیں کر سکتا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی میری طرف جو وحی فرمائی اور مجھ پر دن رات میں پچاس نمازیں فرض کیں۔ میں وہاں سے اتر کر موسیٰ کے پاس آیا۔ انہوں نے پوچھا فرمایئے آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے۔ میں نے کہا پچاس نمازیں۔ موسیٰ نے کہا! اپنے رب کی طرف واپس جایئے اور تخفیف کی التجا کیجئے۔ آپ کی امت اس بوجھ کو نہیں اٹھا سکے گی۔ میں نے بنی اسرائیل کو آزما کر دیکھا ہے۔ چنانچہ میں اپنے رب کی طرف لوٹا اور عرض کی اے پروردگار! میری امت پر تخفیف فرما۔ پس اللہ تعالیٰ نے پانچ کم کر دیں..... چنانچہ میں بار بار اپنے رب اور موسیٰ کے درمیان آتا جاتا رہا یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محبوب! یہ تعداد میں تو پانچ ہیں لیکن حقیقت میں پچاس ہیں۔ (اپنے حبیب کی امت پر مزید کرم کرتے ہوئے فرمایا) آپ کے امتیوں میں سے جس نے نیک کام کرنے کا ارادہ کیا لیکن اس ارادہ پر عمل نہ کیا تو میں اس کے لئے ایک نیکی لکھ دوں گا اور اگر اس پر عمل بھی کیا تو دس نیکیاں لکھوں گا اور جس نے برائی کا ارادہ کیا لیکن اس پر عمل نہ کیا تو کچھ بھی نہ لکھا جائے گا اور اگر اس نے اس برائی کو کیا تو اس کے بدلے ایک گناہ لکھا جائے گا۔ اس کے بعد میں اتر کر موسیٰ کے

پاس آیا اور انہیں خبر دی۔ انہوں نے کہا پھر اپنے رب کے پاس جائیے۔ اور تخفیف کے لئے عرض کیجئے، تو رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں کئی بار اپنے رب کے حضور میں حاضر ہوا ہوں، اب مجھے شرم آتی ہے۔"

(مسلم شریف، جلد اول صفحہ ۹۱)

اس حدیث کے خط کشیدہ جملوں کو دوبارہ غور سے پڑھئے۔ حقیقت حال روز روشن کی طرح واضح ہو جائے گی۔ ساتویں آسمان تک تو جبرئیل گئے۔ یہاں تک کے لئے عرج بنا جمع کی ضمیر استعمال کی جاتی رہی۔ اس کے آگے جبرئیل کی حد پرواز ختم ہو گئی اور حضور کو اکیلے لے جایا گیا، اس لئے "ذھب بی" میں واحد متکلم کی ضمیر استعمال کی گئی۔ پھر فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی اور فاوحٰی الٰی ما اوحٰی میں جو یکسانیت ہے، وہ محتاج بیان نہیں۔ وحی کرنے والا اللہ تعالیٰ ہے اور اس مقام پر وحی کی جا رہی ہے جہاں جبرئیل امین کی مجال نہیں۔ پھر فرض کا فاعل خود اللہ تعالیٰ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام سے جب ملاقات ہوتی ہے، تو وہ بارگاہ الٰہی میں لوٹنے کا مشورہ دیتے ہیں، جبرئیل کے پاس نہیں۔ حضور فرماتے ہیں میں بار بار اپنے رب کی بارگاہ عزت وجلال میں شرف باریابی حاصل کرتا رہا۔

دَنَا فَتَدَلّٰی ٥ فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی ٥ فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی ٥ مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰی ٥ ...... وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَةً اُخْرٰی ٥

ان کلمات طیبات میں آپ جتنا غور کریں گے، حقیقت آشکارا ہوتی چلی جائے گی۔

نویں مرتبہ جب بارگاہ رب العزت میں حاضری ہوئی تو صرف پانچ نمازیں ہی معاف نہیں کیں بلکہ مزید کرم یہ فرمایا کہ اے حبیب! تیری امت کا کوئی فرد اگر نیکی کا ارادہ کرے گا تو اسے ایک ثواب دوں گا اور اگر عمل کرے گا تو دس نیکیاں اس کے نامہ عمل میں لکھوں گا لیکن اگر برائی کا ارادہ کرے گا تو اس کے نامہ عمل میں کوئی گناہ نہیں لکھا جائے گا اور جب گناہ کر بیٹھے گا تو فقط ایک گناہ لکھا جائے گا۔ قربان جائے انسان! اللہ تعالیٰ کے محبوب کی نیاز مندیوں پر اور قربان جائے انسان! اس کے رب کریم کی بندہ

نوازیوں پر۔

یہاں یہ امر بھی توجہ طلب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو علم تھا کہ آخر میں پانچ نمازیں ہی فرض کی جائیں گی تو پھر پہلے پچاس فرض کرنے میں کون سی حکمت ہے۔ اس میں بھی اپنے بندوں کو اپنے محبوب کے امتیوں کو یہ بتانا مقصود ہے کہ یہ سارا لطف و کرم اس محبوب کریم کے صدقے تم پر ہوا ہے۔ اگر اس کا واسطہ درمیان میں نہ ہوتا تو تمہارے کندھوں پر یہ بار گراں لاد دیا جاتا۔ اس کے بعد یہ چیز بھی توجہ طلب ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے محبوب نے تخفیف کے لئے التجا کی تو ایک بار ہی پینتالیس نمازیں کیوں نہ معاف کردی گئی صلی اللہ علیہ وسلم اس راز کو صرف اہل محبت ہی سمجھ سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو یہ ادا بہت ہی پسند ہے کہ میرا حبیب مانگتا جائے میں دیتا جاؤں، وہ بار بار دامن طلب پھیلاتا جائے اور میں اس کو بھرتا جاؤں۔ اس بار بار کے مانگنے اور بار بار کے دینے میں جو لذت و سرور ہے، اس سے ہر کوئی لطف اندوز نہیں ہو سکتا۔

موسیٰ علیہ السلام نے ایک بار پھر حاضر ہونے کا مشورہ دیا تو آپ نے فرمایا کہ مجھے اب اپنے رب سے حیا آتی ہے کہ میری امت ایسی نااہل ہے اور اتنی ناشکر گزار ہے کہ وہ چوبیس گھنٹے میں پانچ بار بھی اپنے خالق و مالک کی بارگاہ میں سجدہ ریز نہیں ہوگی۔ ہم غلامان مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کا فرض ہے کہ حدیث کے اس آخری جملے کو کبھی فراموش نہ کریں۔

اب آیئے، ایک اور حدیث ملاحظہ فرمایئے۔

...... ثم مررت بابراهيم عليه السلام فقال مرحبا بالنبی الصالح والابن الصالح قال قلت من هذا قال هذا ابرهيم . قال ابن شهاب واخبرنی ابن حزم ان ابن عباس و اباحبة الانصاری يقولان قال رسول الله صلی الله عليه وسلم ثم عرج بی حتی ظهرت لمستوی اسمع فيه صريف الاقلام قال ابن حزم وانس بن مالك قال رسول الله صلی الله تعالیٰ عليه

وسلم ففرض الله على امتى خمسين صلوة قال فرجعت بذلك حتى امر بموسى عليه السلام و قال موسى ماذا فرض ربك على امتك قال قلت فرض عليهم خمسين صلوة قال لى موسى فراجع ربك فان امتك لا تطيق ذلك قال فراجعت ربى فوضع شطرها ۔

''حضور سرکار مدینہ، تاجدار رسالت، پیکر حسن و جمال فرماتے ہیں پھر میں ابراہیم کے پاس سے گزرا۔ آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا اے نبی صالح مرحبا! اے فرزند ارجمند خوش آمدید! میرے پوچھنے پر جبرئیل نے بتایا یہ ابراہیم ہیں۔ ابن شہاب کہتے ہیں مجھے ابن حزم نے خبر دی کہ ابن عباس اور ابو حبہ انصاری کہا کرتے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہاں سے مجھے اوپر لے جایا گیا یہاں تک کہ میں اس مقام پر پہنچ گیا جہاں سے مجھے اقلام تقدیر کے چلنے کی آواز سنائی دینے لگی۔ ابن حزم اور انس بن مالک کہتے ہیں کہ حضور سرکار مدینہ، تاجدار رسالت، پیکر حسن و جمال نے فرمایا وہاں اللہ تعالیٰ نے مجھ پر پچاس نمازیں فرض کیں۔ جب میں لوٹا اور موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرا تو آپ نے پوچھا کہ آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض کیا ہے؟ میں نے بتایا ان پر پچاس نمازیں فرض کی ہیں، تو موسیٰ علیہ السلام نے کہا اپنے رب کے پاس لوٹ کر جاؤ۔ آپ کی امت اس بوجھ کو نہیں اٹھا سکے گی۔ چنانچہ میں اپنے رب کے حضور سرکار مدینہ، تاجدار رسالت، پیکر حسن و جمال میں لوٹ کر گیا اور کچھ حصہ معاف ہوا......الخ''

(مسلم شریف صفحہ ۹۳، مشکوٰۃ شریف متفق علیہ)

ان خط کشیدہ جملوں کو ذرا غور سے پڑھئے۔ کیا جس مقام کا یہاں ذکر ہے وہاں جبرئیل موجود تھے؟ کیا ان کی رسائی وہاں ممکن تھی؟ کیا نمازوں کی فرضیت میں جبرئیل

واسطہ تھے یا بار بار کی تخفیف میں کوئی اور واسطہ تھا؟ اب یہ آپ کے ذوق پر منحصر ہے کہ آپ علمہ شدید القوی سے لے کر مازاغ البصر وماطغی تک کی آیات کو جبرئیل پر منطبق کرتے ہیں یا ان احوال وواقعات پر جو زبان رسالت سے ان احادیث صحیحہ میں ذکر کیے گئے ہیں۔

سُبْحٰنَكَ لَاعِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ

دیدار الٰہی

اس مقام پر انہی آیات کی تفسیر کرتے ہوئے علماء مفسرین نے اس مسئلے پر سیر حاصل بحث کی ہے کہ کیا حضور سرور عالم حضور سرکار مدینہ، تاجدار رسالت، پیکر حسن و جمال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو شب معراج دیدار الٰہی نصیب ہوا یا نہیں۔ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے پیروکار اس طرف گئے ہیں کہ شب معراج دیدار الٰہی نصیب نہیں ہوا لیکن حضرت ابن عباس، دیگر صحابہ، تابعین اور ان کے ہم نواؤں کی یہ رائے ہے کہ اللہ تعالیٰ نے شب معراج اپنے محبوب کریم حضور سرکار مدینہ، تاجدار رسالت، پیکر حسن وجمال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دولت دیدار سے مشرف فرمایا۔ آیئے فریقین کے پیش کردہ دلائل کا تجزیہ کریں۔ اللہ تعالیٰ ہماری رہنمائی فرمائے۔ آمین!

جہاں تک امکان رویت کا تعلق ہے، اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔ سب تسلیم کرتے ہیں کہ اس دنیا میں بیداری کی حالت میں اللہ تعالیٰ کا دیدار ممکن ہے۔ اگر محال ہوتا تو موسیٰ علیہ السلام اس کا سوال نہ کرتے، کیونکہ انبیاء کو اس کا علم ہوتا ہے کہ فلاں چیز ممکن ہے اور فلاں چیز محال اور ممتنع۔ محال اور ممتنع کے بارے میں سوال کرنا درست ہی نہیں ہوتا۔

پہلے ہم وہ دلائل پیش کریں گے جن سے رویت باری کا انکار کرنے والے استدلال کرتے ہیں:

۱ - عن ابن مسعود فی قولہ تعالیٰ وکان قاب قوسین او ادنیٰ

و فی قوله ما کذب الفواد ما رای و فی قوله لقد رای من ایت ربه الکبری ۔ رای جبرائیل علیه السلام له ستمائة جناح ۔

''حضرت ابن مسعود نے ان آیات کے بارے میں فرمایا کہ حضور صاحب شریعت، مختارکل کائنات، فخر موجودات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جبرئیل کو دیکھا کہ ان کے چھ سو پر تھے۔''

۲ – ما کذب الفواد ما رای: قال ابن مسعود رای رسول الله جبرئیل فی حلة من رفرف قدملاما بین السماء والارض ۔

''ابن مسعود نے اس آیت کی یوں تشریح کی کہ حضور صاحب شریعت، مختار کل کائنات، فخر موجودات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل کو ایک ریشمی حلہ (پوشاک) میں دیکھا کہ آپ نے آسمان وزمین کے مابین خلا کو پر کردیا۔'' (رواہ الترمذی)

۳– وللترمذی وللبخاری فی قوله تعالی لقد رای من ایات ربه الکبری ۔ قال ابن مسعود رای رفرفا اخضر سد افق السماء

''ترمذی اور بخاری نے اس آیت کے ضمن میں لقد رای الایۃ میں لکھا ہے کہ حضرت ابن مسعود نے فرمایا کہ حضور صاحب شریعت، مختار کل کائنات، فخر موجودات نے سبز رفرف کو دیکھا جس نے آسمان کے افق کو ڈھانپ دیا تھا۔''

عن الشعبی قال لقی ابن عباس کعبا بعرفة فساله عن شیء فکبر حتی جاوبته الجبال فقال ابن عباس انا بنو هاشم فقال کعب ان الله قسم رؤیته و کلامه بین محمد و موسی و کلم موسی ۔

''شعبی کہتے ہیں کہ عرفہ کے میدان میں ابن عباس نے کعب سے ملاقات کی اور ان سے کسی چیز کے بارے میں دریافت کیا۔ حضرت کعب نے زور سے نعرہ تکبیر بلند کیا جس کی گونج پہاڑوں میں سنائی دی۔ ان کی حیرت کو

دیکھ کر ابن عباس نے کہا کہ ہم بنو ہاشم ہیں۔ ہمارا تعلق خاندان نبوت سے ہے۔ میں کوئی معمولی آدمی نہیں کہ آپ میرے سوال کو ٹال دیں، تو کعب نے کہا، گویا یہ حضرت ابن عباس کا جواب تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دیدار اور اپنے کلام کو محمد اور موسیٰ کے درمیان تقسیم کر دیا۔ موسیٰ سے دو مرتبہ کلام فرمایا اور محمد مصطفیٰ نے دو مرتبہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کیا۔ علیہم السلام۔ مسروق کہتے ہیں یہ سن کر میں حضرت عائشہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان سے یہی سوال پوچھا: کیا حضور صاحب شریعت، مختار کل کائنات، فخر موجودات نے اپنے رب کو دیکھا؟ آپ بولیں تو نے ایسی بات کی ہے جسے سن کر میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ میں نے عرض کی مادر محترم! ذرا ٹھہریئے۔ پھر میں نے یہ آیت پڑھی لقد رای الایۃ آپ نے فرمایا تم کدھر جا رہے ہو۔ اس سے مراد جبرئیل ہے۔ جو شخص تمہیں یہ خبر دے کہ حضور صاحب شریعت، مختار کل کائنات، فخر موجودات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے۔ اس نے بہت بڑا بہتان باندھا ہے بلکہ حضور نے جبرئیل کو دیکھا اور اس کی اصلی صورت میں صرف دو مرتبہ دیکھا۔ ایک بار سدرۃ المنتہیٰ کے پاس اور ایک بار اجیاد کے پاس کہ اس نے سارے افق کو ڈھانپ لیا۔

آگے بڑھنے سے پہلے دو باتیں قارئین کرام کی خدمت میں پیش کرنا از بس مفید سمجھتا ہوں۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ جب رحمت دو عالم حضور حضور صاحب شریعت، مختار کل کائنات، فخر موجودات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ساتویں آسمان پر تشریف لے گئے اور اپنے جد امجد سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقات کی تسلیمات و دعوات کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند لبیب کو آپ کی اُمت کے لئے یہ پیغام دیا۔

مر امتك فليكثروا من غراس الجنة فان تربتها طيبة وارضها

واسعة و قال له ما غراس الجنة قال لا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔

''اپنی امت کو حکم دیجئے کہ جنت میں بکثرت پودے لگائیں کیونکہ وہاں کی مٹی بڑی پاکیزہ ہے اور وہاں کی زمین بہت وسیع ہے۔ حضور صاحب شریعت، مختار کل کائنات، فخر موجودات علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آپ سے پوچھا کہ جنت میں کون سے پودے لگانے کے قابل ہیں۔ آپ نے جواب دیا: لا حول ولا قوة الا باللہ العلی العظیم۔

یعنی اس کلام سے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کیا کرو۔ ''یعنی میرے پاس نہ کوئی طاقت ہے نہ قوت بجز اللہ تعالیٰ کی ذات کے جو بہت بلند اور بہت بڑا ہے۔''

(سبل الہدیٰ والرشاد، جلد سوم، صفحہ ۱۲۶- انسان العیون، جلد اول، صفحہ ۳۷۹)

و فی روایة اقری امتك منی السلام واخبرهم ان الجنة طیبة التربة عذبة الماء وان غراسها سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر

(سبل الہدیٰ والرشاد، جلد سوم، صفحہ ۱۲۶- انسان العیون، جلد اول، صفحہ ۳۷۹)

''دوسری روایت میں ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند دل بند حضور شفیع روز شمار، دو عالم کے مختار محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا اپنی امت کو میری طرف سے سلام کہئے اور انہیں بتائیے کہ جنت کی مٹی بہت پاکیزہ ہے۔ وہاں کا پانی بہت میٹھا ہے اور وہاں جو پودے لگانے چاہئیں وہ یہ کلمات ہیں۔''

سبحان اللہ

اللہ تعالیٰ ہر شریک اور ہر عیب سے پاک اور منزہ ہے۔

والحمد للہ

اور سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔

ولا الٰہ الا اللہ

اور کوئی عبادت کے لائق نہیں سوائے اللہ تعالیٰ کے۔

واللہ اکبر

اور اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے۔

دوسری بات جو اس موقع پر عرض کرنا چاہتا ہوں وہ یہ ہے۔

مقام دنا فتدلی سے واپسی پر حضور شفیع روز شمار، دو عالم کے مختار علیہ الصلوٰۃ والسلام پہلے ساتویں آسمان سے گزرے جو حضرت ابراہیم خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام ہے۔ وہاں سے چھٹے آسمان پر آئے اور حضرت موسیٰ کلیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ نماز میں تخفیف کے لئے بار بار اصرار حضرت موسیٰ کرتے رہے لیکن حضرت ابراہیم نے مکمل سکوت اختیار کئے رکھا حالانکہ آپ کا زیادہ حق تھا کہ اپنے نور نظر کی امت پر تخفیف کے لئے کوشش فرماتے۔

علماء ربانیین فرماتے ہیں کہ حضرت ابراہیم مقام خلت پر فائز تھے۔ اور خلیل کو شیوہ تسلیم و رضا ہی زیب دیتا ہے۔ ہر حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنا ہی اس کی فطرت ہوتی ہے۔ شیر خوار بچے کو حجاز کے بے آب و گیاہ اور سنسان ریگزار میں چھوڑ کر چلے آنے کا حکم ملے۔ نمرود کے بھڑکتے ہوئے آتش کدہ میں کود جانے کا موقع آئے ہزاروں ارمانوں سے پالے، ماہ چہار دہم سے زیادہ روشن جبیں فرزند کے گلے پر چھری چلانے کا حکم ملے۔ وہ ہر حالت میں اسلمت لرب العلمین کا نعرہ بلند کرتے ہوئے سنائی دیتے ہیں۔ نہ وہ کسی حکم کی تاویل کرتا ہے اور نہ اس کے بجالانے میں معذرت خواہی کرتا ہے۔

لیکن موسیٰ علیہ السلام کا مقام کلیم کا مقام تھا۔ جہاں نیاز کے ساتھ ناز کا پہلو بھی نمایاں تھا۔ وہی یہ جرأت کر سکتے تھے انہیں میں یہ ہمت تھی کہ تخفیف کے لئے مسلسل اصرار کرتے چلے جائیں۔

امام مسلم روایت کرتے ہیں:

۴- عن مسروق قال کنت متکئا عند عائشة و قالت یا ابا عائشة ثلاث من تکلم بواحدة منهن فقد اعظم علی الله الفریة ۔ قلت ماهن قالت من زعم ان محمدا رای ربه و قد اعظم علی الله الفریة قال و کنت متکئا وجلست و قلت یا ام المومنین انظرینی فلا تعجلینی الم یقل الله تعالی و قد راه بالا فق المبین ۔ ولقد راه نزلة اخری و قالت انا اول هذه الامة سال عن ذلك رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم فقال انما هو جبرائیل علیه السلام لم اره علی صورته التی خلق علیها غیر هاتین المرتین رایته منهبطا من السماء ساد اعظم خلقه ما بین السماء و الارض و قالت اولم تسمع ان الله عزوجل یقول لا تدرکه الابصار وهو یدرك الابصار وهو اللطیف الخبیر ۔ اولم تسمع ان الله یقول وما کان لبشر ان یکلمه الله الا وحیا اومن وراء حجاب او یرسل رسولا ۔

"مسروق سے مروی ہے انہوں نے کہا میں ام المومنین کی خدمت میں حاضر تھا تو آپ نے فرمایا اے مسروق! (ابو عائشہ ان کی کنیت ہے) تین چیزیں ہیں جس نے ان میں سے کسی کے ساتھ تکلم کیا اس نے اللہ تعالیٰ پر بہت بڑا بہتان باندھا۔ میں نے پوچھا وہ کیا ہیں؟ آپ نے کہا جو شخص یہ خیال کرے کہ حضور شفیع روز شمار، دو عالم کے مختار نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بڑا بہتان باندھا۔ میں ٹیک لگائے ہوئے تھا، اٹھ کر بیٹھ گیا اور عرض کی اے ام المومنین! میری طرف دیکھئے۔ جلدی نہ کیجئے۔ کیا اللہ تعالیٰ نے خود نہیں فرمایا "ولقد راه بالافق المبین" کہ آپ نے اسے افق مبین میں دیکھا اور دوبارہ دیکھا آپ نے جواب دیا اس امت سے

میں پہلی ہوں جس نے حضور شفیع روز شمار، دو عالم کے مختار رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اس آیت کے بارے میں دریافت کیا۔ حضور شفیع روز شمار، دو عالم کے مختار نے فرمایا وہ جبرائیل علیہ السلام ہیں۔ میں نے ان کو ان کی اصلی شکل میں صرف دو مرتبہ دیکھا...... اے مسروق! کیا تم نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا۔ لا تدركه الابصار وهو يدرك الابصار وهو اللطيف الخبير کہ آنکھیں اس کو نہیں پا سکتیں۔ وہ آنکھوں کو پالیتا ہے۔ وہ لطیف و خبیر ہے اور کیا تو نے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں سنا وما كان لبشر الاية کسی انسان کو یہ طاقت نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے کلام کرے مگر بذریعہ وحی یا پس پردہ یا کوئی فرشتہ بھیجے۔" (مسلم)

۵- روى الشيخان قال مسروق قلت لعائشة اين قوله ثُمَّ دَنَا فَتَدَلّٰى ٥ فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى ٥ قالت ذالك جبرئيل كان ياتيه في صورة رجل وانه اتاه في هذه المرة في صورته التي هي صورته فسد الافق ۔ (مشکوٰۃ شریف)

ان روایات کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی بھی یہ رائے تھی کہ حضور، مدینے کے سلطان، نور مجسم، پیکر حسن و جمال نے اللہ تعالیٰ کا دیدار نہیں کیا۔ حضرت عائشہ بھی اس بارے میں بڑی متشدد تھیں۔ انہوں نے اپنے موقف کو ثابت کرنے کے لئے دو آیتوں سے استدلال بھی کیا ہے۔

اب ان لوگوں کے دلائل سماعت فرمائیے۔ جو دیدار الٰہی کے قائل ہیں:

۱- عن ابن عباس ما كذب الفواد مارای ولقد راه نزلة اخرى قال راه بفواده مرتين ۔ (رواه مسلم)

"حضرت ابن عباس نے ان آیات کے بارے میں فرمایا کہ حضور، مدینے کے سلطان، نور مجسم، پیکر حسن و جمال نے اپنے رب کا دیدار اپنے دل کی

آنکھوں سے دو مرتبہ کیا۔"

امام ترمذی روایت کرتے ہیں کہ

قال ابن عباس رای محمد صلی اللہ تعالی علیه وسلم ربه قال عکرمة قلت الیس اللہ یقول لا تدرکه الابصار وهو یدرك الابصار قال ویحك ذاك اذا تجلی بنوره الذی هو نوره و قد رای ربه مرتین ۔

"حضرت ابن عباس نے فرمایا حضور، مدینے کے سلطان، نور مجسم، پیکر حسن و جمال محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنے رب کا دیدار کیا۔ عکرمہ (آپ کے شاگرد) کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ کیا اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نہیں لا تدرکه الابصار وهو یدرك الابصار کہ آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں۔ آپ نے فرمایا افسوس تم سمجھے نہیں یہ اس وقت ہے جب کہ وہ اس نور کے ساتھ تجلی فرمائے جو اس کا نور ہے۔ حضور نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا۔"

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

"ابن عمر دریں مسئلہ مراجعت بوے کردہ پرسید کہ ہل رای محمد ربہ پس وے گفت راہ پس ابن عمر تسلیم نمودہ وقطعاً براہ تردد وانکار نرفتہ۔"

حضرت ابن عمر نے حضرت ابن عباس سے اس مسئلہ کے بارے میں رجوع کیا اور پوچھا کیا حضور، مدینے کے سلطان، نور مجسم، پیکر حسن و جمال نے اپنے رب کا دیدار کیا۔ پس ابن عباس نے جواب دیا کہ حضور، مدینے کے سلطان، نور مجسم، پیکر حسن و جمال نے اپنے رب کا دیدار کیا۔ حضرت ابن عمر نے ان کے اس قول کو تسلیم کیا اور تردد وانکار کا راستہ اختیار نہیں کیا۔"

(اشعۃ اللمعات، جلد چہارم، صفحہ ۴۳۱)

۲-علامہ بدرالدین عینی شرح بخاری میں مندرجہ ذیل روایت نقل کرتے ہیں:

روی ابن خزیمة باسناد قوی عن انس قال رای محمد ربه وبه قال سائر اصحاب ابن عباس و کعب الاحبار والزهری و صاحبه معمر۔

''ابن خزیمہ نے قوی سند سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے کہا حضور، مدینے کے سلطان، نور مجسم، پیکر حسن و جمال علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب کو دیکھا۔ اسی طرح ابن عباس کے شاگرد، کعب احبار، زہری اور معمر کہا کرتے تھے۔''

۳-**اخرج النسائی باسناد صحیح و صححه الحاکم ایضا من طریق عکرمة عن ابن عباس اتعجبون ان تکون الخلة لابراهیم والکلام لموسی والرؤیة لمحمد صلی اللہ تعالی علیه وسلم**

''یہ روایت نسائی نے سند صحیح کے ساتھ اور حاکم نے بھی صحیح سند کے ساتھ عکرمہ کے واسطے سے حضرت ابن عباس سے نقل کی ہے۔ آپ کہا کرتے کہ کیا تم لوگ اس پر تعجب کرتے ہو کہ خلت کا مقام ابراہیم علیہ السلام کے لئے اور کلام کا شرف موسیٰ علیہ السلام کے لئے اور دیدار کی سعادت حضور پرنور، شافع محشر، آمنہ کے لال، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہو۔''

۴-امام مسلم حضرت ابوذر سے روایت کرتے ہیں: **قال سالت رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم هل رایت ربك قال نورانی اراه** ۔ اس لفظ کو دو طرح سے بڑھا گیا ہے نورانی اراہ۔ دوسرا نور انی ازاہ پہلی صورت میں اس کا معنی یہ ہوگا: ابوذر کہتے ہیں میں نے حضور پرنور، شافع محشر، آمنہ کے لال، رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کیا حضور نے اپنے رب کا دیدار کیا ہے۔ آپ نے فرمایا وہ نور ہے، میں اسے کیونکر

دیکھ سکتا ہوں۔ دوسری صورت میں معنی یہ ہوگا کہ وہ سراپا نور ہے۔ میں نے اسے دیکھا۔

۵- مسلم کے اسی صفحے پر ایک روایت ہے:

عن عبداللہ بن شقیق قال قلت لابی ذرلورایت رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم لسالتہ فقال عن ای شیء کنت تسالہ قال کنت اسالہ ھل رایت ربک قال ابو ذرقد سالتہ فقال رایت نورا۔

''کہ میں نے نور دیکھا ہے۔ یہ روایت بھی دوسری توجیہ کی تائید کرتی ہے۔''

۶- حلی عبدالرزاق عن معمر عن الحسن انہ حلف ان محمدا رای ربہ کہ حسن بصری اس بات پر قسم کھاتے تھے کہ حضور پر نور، شافع محشر، آمنہ کے لال، نے اپنے رب کا دیدار کیا۔ (عمدۃ القاری، جلد ۱۹، صفحہ ۱۹۸)

۷- واخرج ابن خزیمۃ عن عروۃ بن زبیر اثباتا۔ عروہ بن زبیر سے ابن خزیمہ نے نقل کیا ہے کہ وہ بھی رؤیت کے قائل تھے۔

۸- علامہ ابن حجر نے امام احمد کے بارے لکھا:

فروی الخلال فی کتاب السنۃ عن المروزی قلت لاحمد انھم یقولون ان عائشۃ قالت من زعم ان محمدا رای ربہ و قد اعظم علی اللہ الفریۃ فبای شیء یدفع قولھا۔ قال بقل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رایت ربی۔ قول النبی صلی اللہ تعالی علیہ وسلم اکبر من قولھا۔

''مروزی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد سے کہا کہ لوگ کہتے ہیں ام المومنین یہ کہا کرتیں کہ جس نے یہ کہا کہ حضور نے اپنے رب کو دیکھا تو اس نے اللہ تعالیٰ پر بڑا بہتان باندھا ہے، تو حضرت عائشہ کے اس قول کا کیا جواب دیا جائے؟ آپ نے فرمایا اس ارشاد کے ساتھ ''رایت ربی'' کہ میں نے

اپنے رب کو دیکھا، حضرت عائشہ کے قول کا جواب دیں گے اور حضور کریم حضور پرنور، شافع محشر، آمنہ کے لال، صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد حضرت عائشہ کے قول سے، بہت بڑا ہے۔ (فتح الباری، جلد ۸، صفحہ ۴۹۴)

یہ مختلف اقوال ہیں جو قائلین رویت کی طرف سے بطور استدلال پیش کئے جاتے ہیں۔ ان میں فحول صحابہ، مثلاً ابن عباس، کعب احبار، انس، ابی ذر کے علاوہ کبار تابعین عروہ بن زبیر، حسن بصری، عکرمہ جیسے اکابر تابعین بھی موجود ہیں اور حضرت امام احمد کا قول بھی آپ سن چکے ہیں۔ ان اقوال کے علاوہ متعدد احادیث بھی ذکر کی گئی ہیں۔

ان تمام دلائل کو بالتفصیل پیش کرنے کے بعد علامہ نووی لکھتے ہیں:

اذا صحت الروایات عن ابن عباس فی اثبات الرؤیۃ وجب المصیر علی اثباتھا فانھا لیست مما یدرک بالعقل ویوخذ بالظن فانما یتلقی بالسماع ولا یستجیز احد ان یظن بابن عباس انہ تکلم بھذہ المسئلۃ بالظن والاجتھاد ثم ان ابن عباس اثبت شیئا نفاہ غیرہ والمثبت مقدم علی النافی ۔

''حضرت ابن عباس سے جب صحیح روایات ثبوت کو پہنچ گئیں کہ انہوں نے ایسا کہا، تو اب ہم یہ خیال نہیں کر سکتے کہ آپ نے اتنی بڑی بات محض اپنے قیاس اور ظن کی بنا پر کہی ہو۔ یقیناً انہوں نے کسی مرفوع حدیث کی بنا پر ایسا کہا ہوگا۔ نیز ابن عباس ایک چیز کو ثابت کر رہے ہیں۔ دوسرے حضرات نفی کر رہے ہیں اور یہ قاعدہ ہے کہ مثبت کا قول نافی پر مقدم ہوتا ہے۔''

خلاصہ کلام کو علامہ نووی ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

الحاصل ان الراجح عند اکثر العلماء ان رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم رای ربہ بعینی راسہ لیلۃ الاسراء ...... وھذا مما لا ینبغی ان یتشکک فیہ

"حاصل بحث یہ ہے کہ اکثر علماء کے نزدیک راجح قول یہ ہے کہ حضور سراج السالکین، راحت العاشقین رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شب معراج اللہ تعالیٰ کو اپنے سر کی آنکھوں سے دیکھا اور اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں۔"

علامہ نووی نے یہ بھی کہا ہے کہ حضرت ابن مسعود اور حضرت صدیقہ نے اپنے موقف کی تائید میں کوئی حدیث مرفوع پیش نہیں کی بلکہ محض اپنے قیاس اور اجتہاد سے کام لیا ہے۔ اس پر علامہ ابن حجر نے کہا ہے کہ صحیح مسلم جس کی شرح علامہ نووی کر رہے ہیں، اسی کے اگلے صفحے پر حدیث مرفوع موجود ہے۔ ام المومنین نے فرمایا کہ میں نے ولقد راه بالافق المبین اور ولقد راه نزلة اخرىٰ کے بارے میں حضور سے پوچھا تو حضور سراج السالکین، راحت العاشقین نے فرمایا وہ جبرئیل امین تھے۔ جب مسلم میں یہ حدیث موجود ہے تو حیرت ہے کہ شارح مسلم علامہ نووی نے کیسے انکار کیا۔

علامہ ابن حجر کے اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ حضرت صدیقہ نے ولقد راه بالافق المبین کے بارے میں حضور سے استفسار کیا اور حضور نے فرمایا کہ وہ جبرئیل ہیں اور یہ بلاشبہ درست ہے، کیونکہ یہ آیت سورہ تکویر کی ہے اور وہاں حضرت جبرائیل کا ہی ذکر ہے۔ ارشاد ہے:

ذِیْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَكِیْنٍ ○ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ ○ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ○ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ ○ (۱۸:۱۳-۱۹)

یہ سارا ذکر جبرئیل امین کا ہے۔ ہم پہلے بتا آئے ہیں کہ حضور کریم حضور سراج السالکین، راحت العاشقین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جب انہیں ان کی اصلی صورت میں دیکھنے کی خواہش کی تو آپ آسمان کے افق پر نمودار ہوئے۔ وہ افق جہاں جبرئیل نمودار ہوئے اسے افق مبین کہا گیا ہے لیکن یہاں جس افق کا ذکر ہو رہا ہے وہ ہو بالافق الاعلیٰ ہے۔ آسمان اور زمین کے افق کو افق مبین تو کہہ سکتے ہیں لیکن افق اعلیٰ وہ ہوگا جو

تمام آفاق سے بلند تر ہو، یعنی فلک الافلاک کا کنارہ۔ اس لئے امام نووی کا قول ہی درست ہے کہ شب معراج نفی رویت کے بارے میں کوئی حدیث مرفوع نہیں ہے۔

علامہ سید محمود آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ ان آیات کی تفسیر وتشریح سے فارغ ہونے کے بعد دیدار الٰہی کے بارے میں اپنی ذاتی رائے کو یوں بیان کرتے ہیں:

وانا اقول برویته صلی الله علیه وسلم ربه سبحانه و بدنوه منه سبحانه علی الوجه اللائق

''اور میں یہ کہتا ہوں کہ سرکار دوعالم حضور سراج السالکین، راحت العاشقین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم اپنے رب کریم کے دیدار سے مشرف ہوئے اور حضور کو قرب الٰہی نصیب ہوا، لیکن اس طرح جیسے اس کی شان کبریائی کے لائق ہے۔'' (روح المعانی)

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے جب دریافت کیا جاتا کہ حضور سراج السالکین، راحت العاشقین علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب کا دیدار کیا، تو آپ جواب فرماتے:

راه راه حتی ینقطع نفسه

''ہاں حضور نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا، ہاں حضور نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ یہ جملہ اتنی بار دہراتے کہ آپ کا سانس ٹوٹ جاتا۔'' (روح المعانی)

مولانا سید انور شاہ صاحب اس مسئلے پر مفصل بحث کرنے کے بعد رقم طراز ہیں:

ولکنه صلی الله تعالی علیه واهل وسلم تشرف برویته تعالی و من علیه ربه بها و کرمه و تفضل علیه بنواله وافاض علیه من افضاله فراه راه کما قال احمد رحمه الله مرتین الا انه راه کما یری الحبیب الی الحبیب والعبد الی مولاه لاهو یملک ان یکف عنه نظره ولا هو یستطیع ان یشخص الیه بصره وهو قوله تعالی مازاغ البصر وما طغی۔

''حضور سراج السالکین، راحت العاشقین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم دیدار الٰہی سے مشرف ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دولت سرمدی سے آپ کو نوازا اور اپنے فضل واحسان سے عزت افزائی فرمائی۔ پس حضور نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا۔ حضور نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا، جس طرح امام احمد نے فرمایا، مگر یہ دیدار ایسا تھا جیسے حبیب اپنے حبیب کا دیدار کرتا ہے۔ نہ وہ آنکھیں بند کرنے کی قدرت رکھتا ہے اور نہ اس میں یہ طاقت ہوتی ہے کہ ٹکٹکی باندھ کر روئے دلدار کو دیکھتا رہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کا یہی مفہوم ہے۔

''مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی'' (فیض الباری شرح البخاری)

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی نے اشعۃ اللمعات کی جلد چہارم میں اس مسئلے کی تحقیق کرتے ہوئے اسی قول کو پسند فرمایا ہے کہ حضور نبی کریم حضور سراج السالکین، راحت العاشقین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے دیدار کا شرف حاصل کیا۔

والحمد للہ علی ذلک

فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِہٖ مَآ اَوْحٰی، اس مقام پر عبد اور معبود میں جو باتیں ہوئیں، وہ اسرار ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اور اس کا حبیب مکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہی جانتے ہیں۔ ہم کو صرف ان امور کا علم ہے جن سے خود نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پردہ اٹھایا۔ ان میں سے ایک بات حضرت قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ کے حوالہ سے پیش خدمت ہے۔

اس مقام رفیع پر اللہ تعالیٰ نے اپنے مہمان عزیز کو فرمایا ''سَل'' مانگ جو تو مانگنا چاہتا ہے۔ حضور اللہ عزوجل کے محبوب، پیکر حسن و جمال علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا۔ اے میرے رب! تو نے حضرت ابراہیم کو اپنا خلیل بنایا اور اسے ملک عظیم عطا کیا۔ موسیٰ علیہ السلام کو اپنی ہم کلامی کا شرف بخشا اور داؤد کو ملک عظیم عطا کیا۔ لوہے کو ان کے لئے نرم کر دیا۔ پہاڑوں کو ان کے لئے مسخر کر دیا اور تو نے سلیمان کو ملک عظیم عطا کیا اور ان کے لئے جنوں انسانوں، شیطانوں اور ہواؤں کو تابع فرمان بنا دیا اور انہیں ایسا ملک

بخشا جو ان کے بعد کسی کے لئے سزاوار نہیں۔ الٰہی! تو نے موسیٰ کو تورات عطا فرمائی اور عیسیٰ کو انجیل عنایت کی اور انہیں یہ معجزہ عطا کیا کہ وہ مادر زاد اندھے اور برص والے کو صحت یاب کر دیتے تھے اور عیسیٰ اور ان کی ماں کو تو نے شیطان رجیم کے شر سے پناہ دی۔

یہ سن کر اللہ تعالیٰ نے جواب ارشاد فرمایا کہ دوسرے انبیاء کو میں نے مختلف اعلیٰ مناصب پر فائز کیا لیکن قد اتخذتك حبيبا میں نے تجھے اپنا حبیب بنالیا اور تورات میں لکھ دیا کہ محمد حبیب الرحمٰن۔ اور آپ کو میں نے تمام انسانوں کی طرف رسول بنا کر مبعوث کیا اور میں نے تیری امت کو اول بھی بنایا اور آخر بھی۔ اور تیری امت کے لئے یہ لازمی قرار دیا کہ ان کا خطبہ اس وقت تک جائز نہیں جب تک وہ یہ گواہی نہ دیں کہ تو میرا بندہ اور میرا رسول ہے۔ تمام نبیوں سے پہلے میں نے تجھے پیدا فرمایا اور ان سب سے آخر تجھے مبعوث فرمایا اور تجھے سورۂ فاتحہ بخشی جو میں نے تجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں بخشی اور میں نے اپنے عرش کے نیچے جو خزانہ ہے اس میں سے آپ کو سورہ بقرہ کی آخری آیتیں عنایت کیں جو میں نے آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں دیں اور آپ کو فاتح بھی بنایا اور خاتم بھی۔ (کتاب الشفاء، جلد اول، صفحہ ۲۴۰، مطبوعہ دار الکتاب بیروت)

اوقاتِ نماز کا تعین

آپ بالتفصیل پانچ نمازوں کی فرضیت کے بارے میں پڑھ آئے ہیں۔ اب ان نمازوں کے لئے اوقات کے تعین کی ضرورت تھی کہ کس وقت کون سی نماز اور اس کی کتنی رکعتیں ادا کی جائیں گی چنانچہ اسی روز اللہ تعالیٰ نے زوال کے وقت جبرئیل امین کو بھیجا تا کہ جبرئیل امین حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اوقات نماز کے بارے میں اور کیفیت نماز کے بارے میں فرمان خداوندی سے آگاہ کریں۔ چنانچہ دو روز جبرئیل امین ہر نماز کے وقت تشریف لاتے رہے وہ حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امامت کراتے اور صحابہ کرام کی نورانی جماعت ان اوقات میں اپنے ہادی و مرشد نبی کریم کی اقتدا میں نماز ادا کرتی۔ چنانچہ متعدد صحابہ سے برگزیدہ محدثین نے یہ حدیث روایت کی ہے۔

امنی جبرئیل عند البیت و لفظ الشافعی و الطحاوی والبیھقی عند باب البیت مرتین فصلی بی الظھر حین زالت الشمس و کانت قدر الشراک و صلی بی العصر حین صار ظل کل شیء مثلہ و صلی بی المغرب حین افطر الصائم و صلی بی العشاء حین غاب الشفق و صلی بی الفجر حین حرم الطعام و الشراب علی الصائم فلما کان الغد صلی بی الظھر حین کان ظلہ مثلہ و فی لفظ کوقت العصر بالامس و صلی بی العصر حین کان ظلہ مثلیہ و صلی بی المغرب حین افطر الصائم و صلی بی العشاء الی ثلث اللیل الاول و صلی بی الفجر فاسفر ثم التفت فقال یا محمد ھذا وقت الانبیاء من قبلک و الوقت ما بین ھذین ۔

''جبرئیل نے میری امامت کرائی بیت اللہ شریف کے پاس: امام شافعی طحاوی امام بیہقی کے الفاظ میں بیت اللہ شریف کے دروازے کے پاس دو مرتبہ پہلے دن جبرئیل نے مجھے ظہر کی نماز اس وقت پڑھائی جب سورج ڈھلا اور سایہ صرف ایک تسمے کے برابر تھا اور مجھے عصر کی نماز پڑھائی۔ جب ہر چیز کا سایہ اس کی ایک مثل ہو چکا تھا اور مجھے مغرب کی نماز پڑھائی۔ جس وقت روزے دار روزہ افطار کرتا ہے۔ مجھے عشاء کی نماز پڑھائی۔ جب شفق غائب ہوتی ہے اور مجھے صبح کی نماز پڑھائی جب روزہ دار پر کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے یعنی طلوع صبح صادق کے فوراً بعد دوسرے روز پھر جبرئیل آئے اور انہوں نے مجھے اس وقت ظہر کی نماز پڑھائی جب ہر چیز کا سایہ اس کی ایک مثل کے برابر ہو چکا تھا۔ اور عصر کی نماز پڑھائی جب کہ ہر چیز کا سایہ اس کی دو مثل ہو چکا تھا۔ مغرب کی نماز پڑھائی جس وقت روزہ دار روزہ افطار کرتا ہے اور عشاء کی نماز پڑھائی جب رات کا پہلا تیسرا حصہ

گزر چکا تھا اور مجھے صبح کی نماز پڑھائی جب صبح کی روشنی پھیل چکی تھی پھر جبرئیل میری طرف متوجہ ہوئے اور کہا یا محمد۔ آپ سے پہلے گزرے ہوئے انبیاء کی نمازوں کا یہی وقت تھا اور ہر نماز کا وقت ان وقتوں کے درمیان ہے جن میں دو روز میں نے آپ کی جماعت کرائی۔"

(سبل الہدیٰ والرشاد، جلد سوم، صفحہ ۲۴۳)

یہاں ایک مسئلہ تحقیق طلب ہے کہ اس روز کتنی رکعتیں فرض ہوئیں۔ اس میں علماء کے تین قول ہیں۔ پہلا قول یہ ہے کہ اس روز صبح کی دو رکعتیں ظہر اور عصر کی چار چار رکعتیں۔ مغرب کی تین رکعتیں اور عشاء کی چار رکعتیں فرض کی گئیں۔ بعد میں مسافر کے لئے اس میں تخفیف کر دی گئی اور جن نمازوں کی چار رکعتیں تھیں چار کی بجائے دو دو کر دی گئیں لیکن صبح کی دو رکعتیں اور مغرب کی تین رکعتیں جوں کی توں باقی ہیں۔

دوسرا قول یہ ہے کہ شب اسراء مغرب کے علاوہ تمام نمازوں کی دو دو رکعتیں فرض کی گئیں اور ہجرت کے بعد مسافر کے لئے وہی دو رکعتیں باقی رہیں لیکن مقیم کے لئے ظہر، عصر اور عشاء کی چار چار رکعتیں کر دی گئیں۔ اس اختلاف کو علامہ ابن کثیر نے یوں دور کیا ہے کہ ہجرت سے پہلے مسلمان دو رکعتیں صبح کے وقت اور دو رکعتیں شام کے وقت ادا کیا کرتے تھے شب اسریٰ جب پانچ نمازیں فرض کی گئیں تو ظہر، عصر اور عشاء کی دو سے بڑھا کر چار کر دی گئیں اور مغرب کی نماز دو کے بجائے تین رکعتیں اور صبح کی نماز علیٰ حالہ دو رکعتیں رہنے دی گئیں۔ بعد میں مسافروں کے لئے چار رکعتوں والی نمازیں میں تخفیف کر دی گئی اور انہیں دو کر دیا گیا۔ اس طرح تمام روایات میں تطبیق ہو جاتی ہے اور کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

اور اس آیت سے بھی اسی مفہوم کی تائید ہوتی ہے۔

(السیرۃ النبویہ ابن کثیر، جلد دوم، صفحہ ۱۱۲-۱۱۳)

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ (سورۃ النساء: آیت ۱۰۱)

"کہ جب تم زمین میں سفر کرو تو اس میں کوئی حرج نہیں کہ تم اپنی نمازوں میں قصر کرو۔ اور یہ اس وقت ہوسکتا ہے کہ پہلے چار رکعتیں فرض ہوں پھر انہیں حالت سفر میں دو کردیا گیا ہو۔"

رجب کے فضائل

اور حضرت مقاتل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا قاف پہاڑ کے پیچھے سفیدی اور ہموار چاندی کی طرح چمکدار زمین ہے جو زمین سے سات گنا بڑی ہے۔ اس میں اس قدر بکثرت فرشتے ہیں حتیٰ کہ سوئی وہاں گرے تو سوئی کو زمین پر گرنے کی جگہ نہ ملے گی کیونکہ فرشتوں سے تمام زمین بھری ہوئی ہے۔ ان تمام فرشتوں کے ہاتھ میں ایک جھنڈا ہے جس پر کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا ہے۔ رجب کے مہینے کی ہر رات وہ فرشتے پہاڑ کے اردگرد جمع ہو کر اللہ تعالیٰ کے آگے زاری کے ساتھ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کے لئے سلامتی کی دعا کرتے ہیں اور کہتے ہیں۔ اے ہمارے رب! حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت پر رحم فرما اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کو عذاب نہ دے۔ پھر روتے ہیں اور تضرع زاری سے دعا کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم کیا چاہتے ہو۔ وہ کہتے ہیں کہ ہم چاہتے ہیں آپ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کو بخش دیں۔ پھر اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ میں نے ان کو بخش دیا۔

شب معراج کی شان

امت کے حق میں معراج کی رات سے لیلۃ القدر کو زیادہ فضیلت حاصل ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں معراج کی رات لیلۃ القدر سے زیادہ افضل ہے۔

(مواہب لدنیہ ج ۲، ص ۷۰)

وھی سبع و عشرین من رجب لیلۃ الاثنین وعلیہ عمل

النّاس ۔ (روح البیان ج۲)

معراج کی رات ستائیس رجب کی تاریخ اور سوموار کی رات ہے۔اسی پر لوگوں کا عمل ہے۔

اعلم انه قد اشتهر بديار العرب فيما بين الناس ان معراجه صلى الله عليه وسلم كان لسبع وعشرين من رجب

جاننا چاہئے کہ دیار عرب میں لوگوں میں مشہور و معروف ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کی معراج شریف ستائیس رجب کو ہوئی۔

رات کو معراج ہونے کے وجوہ

حضور پر نور، شافع محشر صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزہ معراج کے لئے رات کی تعیین ایک خاص حکمت پر مبنی ہے۔گو بظاہر نظر میں دن رات سے افضل ہے کہ دن زیادہ روشن ہے جس سے سب حال بخوبی واضح ہو جاتا ہے۔حتیٰ کہ تمام نظام انسانی اور حصول معیشت انسانی اس سے وابستہ ہے مگر شرعی نکتہ نگاہ سے بچند وجوہ رات کو دن پر فوقیت حاصل ہے۔ مثلاً نمبر ا ایک رات کی عبادت سے ہزار مہینہ کی عبادت کا ثواب ملنا۔جیسا کہ قرآن پاک میں ہے۔ **ليلة القدر خير من الف شهر** (پ۳۰، رکوع ۲۲) شب قدر ہزار ماہ سے افضل ہے۔نمبر ۲ جود و سخا جب نظر اغیار سے مخفی ہو اور سبب رضامندی الٰہی ہو وہ بھی رات میں دیا جاتا ہے۔جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ **الذين ينفقون اموالهم بالليل** اور وہ لوگ جو صدقات کو رات میں خرچ کرتے ہیں۔نمبر ۳ اہل سعادت کو عبادت کے خزائن رات میں حاصل ہوتے ہیں۔قرآن مجید میں ہے۔ **امن هو قانت اناء الليل** اور وہ شخص جو رات کے اوقات میں خشوع و خضوع سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتا ہے۔نمبر ۴ مقربان شیریں گفتار کو قرأت کا ذوق رات کو حاصل ہوتا ہے۔قرآن مجید میں ہے۔ **يتلون ايات الله اناء الليل** وہ لوگ جو قرآن مجید کی آیتوں کو رات کے اوقات میں

پڑھتے ہیں۔ نمبر ۵۔ زینت، تجمل اور سکون، صدق اور توکل کو دوام و استمرار رات میں ہوتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ وجعلنا اللیل ساکنا اور ہم نے رات کو سکون کا سبب بنایا۔ نمبر ۶ قرآن مجید میں ہے چار دفعہ اللہ تعالیٰ کی قسم کی دولت رات کو حاصل ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ○ واللیل اذا عسعس واللیل اذا یغشی واللیل اذا سجی

نمبر ۷ رکوع اور سجود کرنے والوں کو بسط اور اطمینان کی دولت رات کو ملتی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ ومن اللیل فسبحه اور رات کے وقت آپ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کریں۔ نمبر ۸ حقائق و اسرار الٰہی کی معرفت حاصل کرنے والوں کو آیات قدرت میں تفکر و تدبر کا موقع رات کو ملتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ ومن ایاته منا مکم باللیل۔ اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں میں سے تمہاری رات کی نیند ہے نمبر ۹ بندگان پروردگار جو تہجد گزار ہیں۔ ان کے جبین مبین میں نورانیت کا ظہور رات کی عبادت کے سبب سے ہوتا ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ من کثر صلوته با اللیل حسن وجهه بالنهار جو شخص رات کو نماز نوافل بہت پڑھے گا دن کو اس کا چہرہ نور عبادت سے روشن ہوگا۔ نمبر ۱۰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو تورات عطا کرنے کی میعاد راتوں کی تعداد میں ارشاد فرمائی۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔ وواعدنا موسی ثلثین لیلة اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے تیس راتوں کا وعدہ کیا تھا۔ نمبر ۱۱ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو فتح اور نصرت کی بشارت اور بنی اسرائیل کی خاص رات سے وابستہ ہوئی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا فاسر بعبادی لیلا میرے بندوں کو رات کے وقت لے جاؤ۔

نمبر ۱۲ یمن اور برکت سفر سید ابرار و سند اخیار و محمد مختار صلی اللہ علیہ وسلم حریم حرم پروردگار میں بوقت رات کے واقع ہوئی جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا (پ۱۵ع۱)

پاک اور منزہ ہے ہر نقص و عیب اور کذب وریب سے وہ ذات اعلیٰ صفات جس نے سیر کرائی اپنے اخص الخواص بندہ محبوب ترین ورسول امین صلی اللہ علیہ وسلم کو رات کے قلیل تر حصہ میں۔ (معارج النبوت رکن سوئم ص ۱۱۶ مختصراً)

حبیب اور کلیم میں فرق

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مناجات کی الٰہی جعلتنی کلیما وجعلت محمدا حبیبا فما الفرق بین الکلیم والحبیب (نزہۃ المجالس ج ۲ ص ۷۴)

اے خداوند! مجھے کلیم بنایا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو حبیب بنایا پھر آپ ہی ارشاد فرمایئے کہ کلیم اور حبیب میں کیا فرق ہے حق تعالیٰ نے فرمایا کلیم وہ ہے جو ایسا کام کرے جس میں میری رضا ہو اور حبیب وہ ہے جس کو میں خدا دوست رکھوں۔ کلیم وہ ہے جو دن کو روزہ رکھے رات کو نوافل پڑھے۔ چالیس دن اس طرح گزارنے کے بعد طور سینا پر آئے تاکہ مجھ سے کلام کرے اور حبیب وہ ہے جو اپنے بستر پر اطمینان سے سویا ہوا ہو۔ جبرائیل علیہ السلام جائے اور باادب بیدار کر کے براق پر سوار کر کے دربار الٰہی میں لے آئے تاکہ میں اس کو ایسے مراتب سے نوازوں کہ کسی کا ادراک اس کی حقیقت نہ پا سکے۔

رات کو معراج کے لئے اس لئے مخصوص فرمایا کہ رات مقام محبت سے مخصوص ہے۔ چونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنا حبیب اور خلیل بنایا اور رات دوستوں کو جمع کرنے کے لئے بنائی گئی ہے۔ اور مقام خلوت جو رات کو حاصل ہوتا ہے دن کو حاصل نہیں ہوتا۔ (طیب الوردہ ص ۳۹۰)

وجہ ایمان بالغیب

بعض فاضل علماء نے فرمایا کہ معراج کا خاص طور پر رات کو مقرر ہونا اس لئے ہے تاکہ ایماندار لوگوں کے ایمان بالغیب میں زیادتی ہو جائے اور کافروں کے اندر فتنہ کی مرض زیادہ ہو جائے۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ رات کے معاملات دن کے اعتبار سے مخفی ہوتے ہیں۔ اس لئے جو مان لیں گے۔ ان کا ایمان بالغیب زیادہ ہو جائے گا اور جو انکار کریں گے ان کا کفر ظاہر ہو جائے گا۔ گویا اس معراج کے قصہ سے صدیق اور زندیق میں امتیاز ہو جاتا ہے۔

وجہ پاس خاطر شب

اور بعض علماء کرام نے کہا ہے کہ ایک مرتبہ دن نے رات کو کہا مجھے آپ پر فضیلت ہے کہ مجھ میں سورج ظاہر ہوتا ہے پھر اللہ جل شانہ کی طرف سے رات کو اطمینان دینے کے لئے دن کو خطاب ہوا کہ تجھے فخر نہ کرنا چاہئے کہ اگر دنیا کا سورج تیرے اوقات میں طلوع ہوتا ہے تو کائنات کے وجود اور ظہور کا سورج رات کے وقت آسمان پر جلوہ گر ہوگا۔

وجہ دل جوئی شب

بعض اہل عرفان کا قول یہ ہے کہ رات کو معراج ہونے میں یہ حکمت ملحوظ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے رات کی رات نشانی مٹادی اور دن کی نشانی کو دیکھنے کے لئے باقی رکھا۔ اس لئے رات مغموم تھی اور پریشان تھی۔ بنابریں اللہ جل شانہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رات کے وقت معراج کرائی تاکہ دن اور رات میں عدالت ہو جائے۔

(ف) علامہ جلال الدین سیوطی نے تفسیر اتقان میں لکھا ہے کہ اللہ جل شانہ نے سب سے پہلے سورج اور چاند کو یکساں روشن پیدا فرمایا تھا پھر دن اور رات میں پہچان مشکل ہو گئی۔ تب اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریل علیہ السلام کو بھیجا کہ اس نے چاند پر اپنے پر کے ذریعہ روشنائی زائل کر دی اور اس پر کے اثر سے چاند میں ایک داغ بھی نظر آتا ہے۔ حتیٰ کہ جب چاند کی چاندی سورج کے مقابلہ میں کمزور ہو گئی تب دن رات میں فرق واضح ہو گیا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ارشاد فرمایا۔

وَ جَعَلْنَا الَّيْلَ وَ النَّهَارَ اٰيَتَيْنِ فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ وَ جَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً (پ۱۵ ع۲)

اور ہم نے رات اور دن کو قدرت کی دو نشانیاں بنایا جو کہ صانع کی صنعت پر دلالت کرتی ہیں پھر رات کی نشانی کو ہم نے کچھ قدر مٹا دیا اور دن کی نشانی کو باقی رہنے دیا۔ اور لغت میں دراصل محو ایسے ازالہ کو کہتے ہیں جس میں اثبات باقی رہے جیسا کہ (روح البیان ج ۲ ص ۲۱۳) پر مرقوم ہے۔

وجہ تسکین امت

اے محترم سامعین! اگر معراج دن کو ہوتی اور حضرت جبرائیل علیہ السلام فرشتے لے کر حاضر ہوتے تاکہ براق پر سوار کر کے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معراج کے لئے لے جائیں تو صحابہ کرام جو آپ کے حسن و جمال کے پروانہ تھے وہ آپ کے بغیر کسی طرح صبر و سکون نہ کر سکتے بلکہ دامن رسالت سے وابستہ ہو کر التجا کرتے کہ ہم آپ کی فرقت برداشت نہیں کر سکتے۔ حضور علیہ السلام اپنے صحاب کرام کو اپنے دامن وصال سے دور کرنا گوارہ نہ فرماتے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وَبِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ الرَّحِيْمُ (پ۱۱ع۵) اور حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم ایمانداروں پر بہت مہربان اور رحم کرنے والے ہیں۔

چند اور وجوہ

بعض علماء کہتے ہیں کہ رات کو معراج ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام چودھویں کے چاند تھے۔ اور چاند رات کو آسمان پر جلوہ گر ہوتا ہے۔ اس لئے آپ بھی رات کو آسمان پر تشریف لے گئے۔ یا یہ کہ رات کی پیدائش بہشت سے ہوئی اور دن کی پیدائش دوزخ سے ہوئی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معراج رات کو کرائی کیونکہ رات کو بہشت سے بایں معنی مناسبت ہے یا یہ کہ رات کو دن پر قرآن مجید میں مقدم بیان کیا اور فرمایا وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ (پ۱۵ع۲) اور قرآن مجید میں رات کو دن پر اس لئے مقدم، ان کیا کہ ہم مسلمانوں کا سال اور ماہ کا حساب قمری طریقہ پر ہے نہ کہ شمسی طریقہ پر ہے۔ یا فرقہ محویہ کی تردید مطلوب ہے کہ وہ اس بات

کے قائل ہیں کہ دن بھلائی کو پیدا کرنے والا ہے اور رات برائیوں کو پیدا کرنے والی ہے۔ خدا تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو رات میں معراج کی کرامت فرما کر بتلا دیا کہ بھلائی اور برائی دونوں اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں اور جس رات معراج ہوئی وہ سوموار کی رات تھی۔ یہ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ سوموار کی رات کی شان جمعہ کے ہم پلہ ہو جائے۔ یہ مضمون دو کتابوں سے چن کر بیان کیا۔

(روح البیان ج ۲ ص ۳۱۳ اور ہدیہ ضمیر ص ۳۵)

اسراء اور معراج

علماء کی اصطلاح میں مکہ شریف سے بیت المقدس تک کے سفر کو اسراء اور وہاں سے اوپر سدرۃ المنتہیٰ تک کی سیاحت کو معراج کہتے ہیں اور بسا اوقات ان دونوں سفروں کے مجموعہ کو ایک ہی لفظ اسراء یا معراج سے تعبیر کر لیتے ہیں اور حضرت خواجہ نظام الاولیاء قدس سرہ اس مبارک معجزہ کو تین قسم اور تین ناموں سے بیان فرماتے ہیں۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ مسجد حرام سے بیت المقدس تک اسراء ہے اور وہاں سے آسمانوں تک معراج ہے اور آسمانوں سے مقام قاب قوسین تک اعراج ہے۔ (فوائد الفواد ج ۴ ص ۳۰۸) حتیٰ کہ کہا گیا ہے سبحٰن الذی میں الذی برکنا حولہ تک اسراء کا تفصیلی بیان ہے اور لنریہ من ایتنا میں تمام آسمانی سفر کا اجمالی ذکر ہے۔ اور انہ ھو السمیع البصیر میں اللہ تعالیٰ کی کلام سننے اور اس کے دیدار دیکھنے کا بیان ہے۔

آیت کریمہ کی دلالت مکہ مکرمہ سے مسجد اقصیٰ کے اسراء میں نص قطعی ہے یعنی کتاب اللہ سے یقینی ثابت ہے حتیٰ کہ اس کا انکار کرنے والا کافر ہوگا اور زمین سے آسمان تک معراج مشہور ہے یعنی حدیث مشہور سے ثابت ہے۔ اس کا انکار کرنے والا کافر نہ ہوگا بلکہ گنہگار ہوگا اور آسمان سے بہشت و عرش وغیرہ تک ان احادیث سے ثابت ہے جن کو خبر واحد کہا جاتا ہے۔

اور کہتے ہیں کہ سفر معراج کے تین حصے اس لئے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی تین صفتیں ہیں۔ ہر صفت کی معراج کا مستقل ذکر کیا گیا ہے۔ چنانچہ تفسیر عرائس البیان میں مسطور ہے (کہ حضرت شیخ رکن الدین علاء الدولۃ سمنانی قدس سرہ کو مواہب الٰہی سے یہ مسئلہ الہام ہوا) حضرت رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تین صورتیں ہیں۔ ایک صورت بشری جس کو قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ میں بیان فرمایا ہے۔ دوسری صورت ملکی جیسا کہ حدیث شریف میں ہے۔ انی لست کاحدکم ان ابیت عند ربی یطعمنی ویسقینی میں تمہاری کسی ایک کی مثل بھی نہیں ہوں۔ میں اپنے رب تعالیٰ کے پاس رہتا ہوں۔ وہ مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔ تیسری صورت حقی جس طرح حدیث شریف میں وارد ہے۔ لی مع اللہ وقت لا یسعنی فیہ ملک مقرب ولا نبی مرسل میرے لئے اللہ تعالیٰ کے ساتھ رابطہ کا ایک خاص وقت ہے۔ جس میں مقرب فرشتہ اور نبی مرسل کی بھی اس مقام میں گنجائش نہیں۔ اور تیسری صورت کے لئے اس سے واضح دلیل وہ حدیث شریف ہے جس میں وارد ہوا ہے من رانی فقد رای الحق جس نے مجھے دیکھا اس نے اللہ جل شانہ کو دیکھا ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کی ہر صورت کو قرآن مجید میں علیحدہ خطاب سے نوازا ہے۔ حتیٰ کہ صورت بشری میں کلمات مرکبہ مثل قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ اور ملکی صورت میں حروف مفردہ سے کلام کیا۔ جیسے کھیعص اور صورت حقی میں کلام مبہم سے سرفراز فرمایا جس کو فَاَوْحٰۤى اِلٰى عَبْدِهٖ مَاۤ اَوْحٰى سے تعبیر فرمایا۔ (تفسیر حسینی ج ۲ ص ۲۱)

آغاز بیان معراج

سوموار کی رات ستائیسویں رجب المرجب (روح البیان ج ۳ ص ۳۹۰)

ہجرت سے ایک سال قبل جب بعثت کا ۱۲ تھا اور علامہ ابن حزم اندلسی نے یقین کے ساتھ دعویٰ کیا ہے کہ اس پر اجماع ہے۔ (سیرت حلبیہ ج ا ص ۴۰۵)

جب کہ آپ کی عمر شریف اکاون برس چار ماہ انیس دن تھی اور سوموار کی رات رجب کے مہینے کی ستائیس اور نبوت کا بارھواں سال تھا۔ جب کہ افق عالم پر دھواں دھار

بادل چھایا ہوا تھا۔ بادل گرجتے تھے۔ بجلی چمکتی تھی۔ بارش کے قطرات کا ترشح ہو رہا تھا۔

(اخبار القرآن ص ۲۵۴)

اور علماء کا اس بات پر اتفاق ہے کہ جسمانی معراج جو کہ بیداری میں ہوئی ہے بعثت کے بعد ہوئی ہے اور بخاری شریف میں حضرت انس بن مالک سے روایت ہے۔

ان الاسراء کان قبل ان یوحی الیه صلی الله علیه وسلم

بے شک معراج بعثت سے پہلے ہوئی ہے تو اس کا مطلب یوں ہے۔

لان ذالك کان فی نومه بروحه

اس لئے کہ بعثت سے پہلے والی معراج بحالت خواب روحانی طور پر ہوئی ہے۔ حضرت ابن وحیہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی معراج سوموار کو ہوئی اور ولادت باسعادت سوموار کو، بعثت سوموار (یعنی غار حرا میں پہلی وحی بھی سوموار کو ہوئی۔ ہجرت کے لئے مکہ سے روانہ ہونا سوموار کو، مدینہ منورہ میں پہنچنا سوموار کو اور وفات سوموار کو۔) (سیرت حلبیہ ج ا ص ۴۰۵)

حدائق بخشش میں شب معراج کی شان یوں اعلیٰ حضرت احمد رضا خان نے بیان کی ہے۔

دو عالم میں سرگوشیاں ہو رہی ہیں
فضاؤں نے چھیڑا سلاموں کا سہرا
زمین سے جناں تک جناں سے مکاں تک!
اُجالا اُجالا، سنہرا سنہرا
افق تا افق چاند تاروں کے بربط
یہ آواز آتی تھی صل علے کی
ادائے نظر قدسیوں نے بچھائی
جہت تا جہت چاندنی کا پھریرا

سجاوٹ براق کی

حضرت جبرائیل کو اللہ جل شانہ کا حکم ہوا کہ آج کی رات بہشت سے ایک براق چن کر ستر ہزار فرشتوں کو شامل کر کے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر جاؤ اور ادب ملحوظ رکھ کے اسے بیدار کر کے لے آؤ تا کہ میں اسے قرب وصال کی دولت سے مشرف کروں۔ جبرائیل علیہ السلام جب بہشت میں آئے دیکھا کہ چالیس ہزار براق جنت کی چراگاہ میں چر رہے ہیں جن کی پیشانی پر لکھا ہے۔

لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ

ان میں ایک براق غمگین صورت میں ایک گوشہ میں سر جھکائے ہوئے رو رہا تھا۔ جبرائیل علیہ السلام نے پوچھا تو بتایا کہ میں نے چالیس ہزار سال سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام سنا ہے۔ اس کی محبت اور اس کے شوق میں زندگی بسر کرتا ہوں۔ یہاں تک کہ کھانا اور پینا موقوف کر دیا ہے۔

چہ مے پرسی زحال من دل غم دیدہ است چوں شد
دلم شد خوں دخوں شد آب و آب از دیدہ بیروں شد

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے تمام براقوں سے اس براق کو پسند فرمایا کیونکہ اس کے دل میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت موجزن تھی پھر براق کو زین ور کر کے دولت سرا کا ارادہ کیا۔ (روض الاظہار ص ۲۰۷) شاد عظیم آبادی کا کلام سنئے۔

جاتے ہیں سوئے عرش بریں خاتم رسل
لٹتے ہیں راستہ میں ستاروں کے آج گل
حاضر ہیں انبیاء سلف آستاں پہ کل
ہے قدسیوں میں صل علی مصطفیٰ کا غل
مہتاب رخ سوئے دولت کئے ہوئے
استادہ وہ ادب سے مشعل کئے ہوئے

ہر دم فلک پکار رہا ہے زہے عز و شرف!
روحانیوں نے آج جمائی ہے آ کے صف،
خود کہکشاں نے راہ بنا دی ہے اک طرف،
زہرہ لئے کھڑی ہے بجانے کو چنگ و دف
رکھا ہے زین روح الامین نے براق پر
جائیں گے آپ گنبد نیلی رواق پر

ادب سے بیدار کرنا

آفتاب عالم تاب اپنی روزانہ مسافت طے کر چکا اور وہ اپنی چمکدار شعاعوں کو سمیٹ کر غروب کر چکا تھا کہ آفتاب نبوت کے جلوہ افروز ہونے کا وقت آیا۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ حضور علیہ السلام کو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دیکھا کہ آپ ہلکی اور خفیف نیند میں ہیں، جسے سونے اور جاگنے کی درمیانی حالت کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ بخاری شریف میں ہے۔ انا بین النائم والیقظان اتانی الملک حتیٰ کہ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے تو آپ اس خفیف نیند سے بیدار ہوئے اور بیداری کی حالت میں آپ کو معراج پر لے گئے۔ (فتح الباری ج ۱۳ ص ۴۱۷) (عمدۃ القاری ج ۲۵ ص ۱۷۳)

کہتے ہیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام چونکہ بارگاہِ ایزدی سے مامور تھے کہ اے روح الامین! میرے ماہ جبین کو خادمانہ آداب ملحوظ رکھ کے بیدار کرنا اس لئے حضرت جبرائیل علیہ السلام سوچ رہے تھے کہ آقا کو کس طرح بیدار کروں تو الہام ہوا کہ اے جبرئیل! ٹھہریئے کہ اپنے پیارے دوست کو میں خود بیدار کروں گا جس طرح اسے بیدار کرنا شایان ہے۔ بس الہام ہونے کے بعد دیکھا تو آپ بیدار ہیں۔ نیز حضرت جبرائیل علیہ السلام سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھے بحکم الٰہی معلوم تھا کہ میرے وجود کی سرشت کافور سے ہے لیکن اس کی حکمت سے بے خبر تھا جو کہ معراج کی رات مجھے معلوم ہوئی اور وہ اس طرح معلوم ہوئی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بیدار کرتے وقت

میں تامل کر رہا تھا۔ کہ آپ کو کس طرح بیدار کروں حتیٰ کہ مجھے الہام ہوا کہ آپ کے پاؤں مبارک کی تلیوں کو بوسہ دے دوں۔ جب میں نے اپنے لب آپ کے پاؤں مبارک کی کف پر رکھے کافور کی برودت آپ کی کفِ پا کو محسوس ہوئی اور آپ بیدار ہو گئے میں نے اس وقت معلوم کیا کہ کافور سے میری سرشت کا سبب یہ تھا تا کہ معراج کی رات آپ کو نہایت ادب سے بیدار کر سکوں۔

(الف) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سرکار میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ان الفاظ سے درخواست پیش کی۔

بے شک اللہ تعالیٰ آپ پر سلام پڑھتا ہے اور وہ آپ کو بلاتا ہے اور میں حاضر ہوا ہوں تا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ کے پاس لے جاؤں۔ آج کی رات اللہ آپ کو ایسے اعزاز کا شرف عطا فرمانے کا ارادہ رکھتا ہے جو اعزاز آپ سے پہلے نہ کسی کو حاصل ہوا نہ ہوگا اور آج تک ایسی نرالی شان و عظمت نہ کسی نے سنی ہے اور نہ کسی انسان کے دل میں خیال تک گزرا ہے۔

(ب) ''آپ کو کس جگہ سے معراج ہوئی'' اس بارے میں بہت روایات ہیں۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ آپ حطیم میں لیٹے ہوئے تھے جیسا کہ بخاری شریف میں روایت ہے۔ اور ایک روایت میں آیا ہے کہ آپ شعب ابی طالب میں تھے۔ جیسا کہ واقدی کی روایت ہے اور ایک روایت میں ہے کہ آپ بی بی اُم ہانی رضی اللہ عنہا کے گھر میں آرام فرما رہے تھے۔ جیسا کہ طبرانی نے روایت کی ہے اور ایک روایت ہے کہ آپ اپنے ہی گھر میں تھے اور مکان کی چھت کھول کر حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے۔ جیسا کہ بخاری شریف میں وارد ہے۔ ان روایات کا تعارض یوں دفع کرنا چاہئے کہ بی بی امہانی رضی اللہ عنہا کے گھر کو جو کہ شعب ابی طالب کے پاس تھا۔ آپ نے بوجہ سکونت کے اپنا گھر فرما دیا اور وہاں سے آپ مسجد شریف کی حطیم میں گئے اور پھر حطیم سے معراج ہوئی۔

وضو اور طواف

حضرت محترم نے فرمایا کہ بیدار ہو کر چاہا کہ وضو کر لوں۔ میں نے ابھی آستین نہیں سکوڑی تھی کہ رضوان جنت نے دو یاقوتی کوڑے جو آب کوثر سے لبریز تھے پیش کئے اور زمرد اخضر کا ایک طشت بھی حاضر کیا جو عجیب تر تھا۔ اس کے چار گوشے تھے اور اس کے ہر گوشے پر ایک چمکدار موتی جڑا ہوا تھا کہ اس کی روشنی اپنے نورانی پرتو سے آسمان کو منور کرتی تھی۔ اس پانی سے وضو اور غسل فرمایا۔ اس کے بعد نورانی لباس زیب فرمایا اور نورانی عمامہ سر مبارک پر باندھا۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ رضوان جنت نے حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے سات ہزار برس پہلے وہ دستار مبارک نہایت حفاظت سے لپیٹ کر رکھی ہوئی تھی اور چالیس ہزار فرشتے تعظیم کی نیت سے اس دستار مبارک کے ارد گرد کھڑے ہو کر تسبیح و تہلیل ادا کرتے تھے اور ہر تسبیح کے بعد درود شریف پڑھتے تھے جب حضرت جبرائیل علیہ السلام وہ دستار مبارک لے آئے چالیس ہزار فرشتے بھی اس کے ہمراہ حاضر ہو کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت سے مشرف ہوئے اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام نے نورانی چادر آپ کے دوش مبارک پر ڈالی نہ برجد کی نعلین پاؤں مبارک میں پہنائی اور ایک یاقوتی پٹکا آپ کی کمر پر باندھا زمرد اخضر کا چابک آپ کے ہاتھ میں دیا جو چار سو مروارید ناسفتہ سے جڑا ہوا تھا۔ پھر آپ خانہ کعبہ میں آئے۔ وہاں سات بار طواف کیا۔ اس کے بعد تھوڑی دیر حطیم میں استراحت فرمائی۔ (معارج النبوۃ ج ۳ ص ۱۴۴)

اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ آپ حسب معمول عادت اپنا لباس اور اپنی پاپوش مبارک جو پہلے پہنا کرتے تھے وہی پہن کر معراج پر تشریف لے گئے اور یہی درست ہے اور معارج میں جو کچھ لکھا ہے کسی کتاب میں نظر سے نہ گزرا۔

شرح صدر مبارک

فرشتوں کی ایک جماعت نازل ہوئی جن کے پاس ایک سنہری طشت زمزم کے

پانی سے بھرا ہوا تھا اور ایک طشت ایمان اور حکمت سے لبریز تھا۔ جیسا کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میرا سینہ اوپر سے نیچے تک شق کیا گیا (یعنی کھول دیا گیا) اور میرا قلب نکال کر ایک سنہری تھال میں آب زم زم سے دھویا گیا پھر ایک اور تھال آیا جس میں ایمان اور حکمت رکھی ہوئی تھی۔ تب میرے دل کو ایمان اور حکمت سے بھر دیا گیا۔ اور دل کو پھر اصلی مقام پر رکھ دیا گیا اور اوپر سے درست کر دیا گیا۔ (مسلم شریف ج ۱ ص ۹۲) الف ''وجہ استعمال آب زم زم'' حضرت ابن ابی جمرہ ایک نکتہ لکھتے ہیں کہ وضو اور غسل کے لئے حوض کوثر کا پانی استعمال فرمایا اور شرح صدر مبارک کے وقت زم زم کا پانی استعمال فرمایا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زم زم کے پانی کی اصل بہشت ہے۔ اس کا قرار زمین پر ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی برکت بھی زمین پر باقی رہ جائے۔ یہی وجہ ہے کہ زم زم کا پانی حوض کوثر کے پانی سے افضل ہے۔ اس لئے شق صدر میں یہ پانی استعمال کیا گیا۔ (مواہب لدنیہ ج ۲ ص ۱۱) زرقانی شریف ج ۶ ص ۳۰) (ب) قلبی آنکھوں کا بیان ور جب حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کا دل مبارک دھو چکے تو کہا۔

آپ کا دل مبارک عزم اور استقبال والا ہے ہمیں دو آنکھیں ہیں اور دو کان ہیں جو سنتے ہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وجہ استعمال آب زم زم

وجہ استعمال آب زم زم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میرے پاس ایک فرشتہ آیا اور وہ زم زم کے پاس لے گیا اور میرا شق صدر کیا اور میرے دل کو آب زم زم سے دھویا۔

شق صدر میں حکمت

حضرت محمد بن اسماعیل حقی فرماتے ہیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جو شق صدر مبارک کا کیا ہے اس کی کیفیت صرف اس قدر ہے کہ حضرت

جبرائیل علیہ السلام نے اشارہ کیا آپ کا سینہ مبارک کھل گیا۔ حتیٰ کہ آپ کے سینہ مطہرہ کسی ہتھیار سے نہ چیر اور نہ کسی قسم کا وہاں خون بہا اور نہ ہی کسی قسم کا درد محسوس ہوا۔

(د) "عظمت شان رسالت" ایمان اور حکمت اگرچہ ذی اجسام اور ذی صورت نہیں لیکن اللہ تعالیٰ اس پر قادر ہے کہ غیر جسمانی چیزوں کو جسمانی صورت عطا فرمانے اور ایمان اور حکمت کا تمثیل ایک طشت میں نمودار ہونا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عظمت شان پر دلالت کرتا ہے۔ علامہ شہاب الدین خفاجی فرماتے ہیں کہ بعض لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ شق صدر مبارک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور ہونے کے منافی ہے تو یہ ایک وہم ہے جو غلط ہے اور خیال ہے جو بالکل ہی باطل ہے۔

وکونہ مخلوقا من النور لاینافیہ

اور آپ کا نور سے مخلوق ہونا اس کے منافی نہیں۔ (نسیم الریاض ج ۲ ص ۲۳۸)

(ہ) تعداد شق صدر مبارک کہتے ہیں کہ ایک دفعہ آپ کا شق صدر طفولیت کے عہد میں ہوا جب کہ آپ بنی سعد کے ہاں دائی حلیمہ کے پاس رہتے تھے اور دوسری دفعہ بعثت کے بعد ہوا جس طرح کہ دلائل النبوت میں ابو نعیم اصبہانی نے بیان کیا ہے اور تیسری مرتبہ معراج کے آغاز میں ہوا اور بعض نے چوتھی مرتبہ کا قول بھی کیا ہے۔ جب کہ آپ کی عمر مبارک بیس برس کی تھی اور درمنثور میں ایک روایت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پانچ دفعہ شق صدر ہوا۔ جب کہ آپ کی عمر شریف دس سال کی تھی۔ مگر یہ پانچویں روایت درست نہیں کیونکہ راوی نے غلطی سے بیس کی بجائے دس کا لفظ کہہ دیا۔ (سیرت حلبیہ ج ۱ ص ۱۲۰)

(و) "سونے کے برتن کا استعمال" اور چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت میں سونے کے برتن کا استعمال حرام ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ سونے کا استعمال دنیا میں حرام ہے لیکن آخرت میں مومنوں کے لئے خالص استعمال ہوگا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

للذین امنوا فی الحیوۃ الدنیا خالصۃ یوم القیامۃ

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا

هو لهم في الدنيا ولنا في الاخرة

کہ سونا کافروں کے لئے دنیا میں ہے اور ہمارے لئے آخرت میں ہوگا اور اسراء کا قصہ درحقیقت عالم آخرت سے ہے۔

(دوسرا جواب یہ ہے کہ) سونے کے تھال کا استعمال حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہ فرمایا بلکہ فرشتوں نے استعمال کیا جو شریعت کے احکام کے مکلف نہیں ہیں۔ (تیسرا جواب یہ ہے کہ) احتمال ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ تحریم سے پہلے ہوا اور اصل واقعہ بھی اسی طرح ہے کہ سونے چاندی کے برتنوں کا استعمال مدینہ منورہ میں حرام ہوا اور یہ تحریم کا واقعہ معراج کے بعد ہے۔ (مدارج النبوۃ ج ۱ ص ۱۹۴)

چوتھا جواب یہ ہے کہ معراج کا سارا قصہ خدا کے حکم سے ہوا جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے زرین طشت کا استعمال ہوا تو حرمت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور اس طشت کے لانے میں اور اس کے استعمال میں بحسب حرف و عادت بھی ایک تکریم کا نوع تھا کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تمام عالم میں مکرم اور معظم ہیں۔

بطحائے مکہ

حضرت جبرائیل علیہ السلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مکہ شریف کے باہر بطحائے مکہ میں سے لائے۔ وہاں حضرت میکائیل علیہ السلام اور حضرت اسرافیل علیہ السلام منتظر تھے اور ہر ایک کے ساتھ ستر ہزار فرشتے مقرب صف بستہ موجود تھے۔ آپ کو دیکھتے ہی تعظیم و تکریم کی اور صلوٰۃ و سلام کے تحفے پیش کئے۔ آپ نے بھی ان کے حالات کے مناسب ان پر کرم فرمایا۔ اس کے بعد فرشتوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رضائے الٰہی اور کرامت غیر متناہی کی خوشخبری سنائی۔ (معارج ج ۳ ص ۱۲۵)

تبارک اللہ اے شان تیری تجھی کو زیبا ہے بے نیازی
کہیں تو جوش لن ترانی کہیں تقاضے وصال کے تھے

براق کے اوصاف

آپ کے سامنے ایک سفید جانور لایا گیا جس کا نام براق ہے جو بجلی کی مانند تیز رفتار اور چمک دار ہے۔ فرشتوں کی طرح تذکیر اور تانیث سے پاک ہے جس کا سینہ مثل یاقوت سرخ کے اور پیٹھ مثل چمکدار سفید موتی کے اور ٹانگیں مثل زمرد سبز کے اور دم اس کی مرجان خالص کی طرح ہے۔ اس کے ماتھے پر **لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ** لکھا ہوا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت ہے کہ اس براق کی خوبی ہے کہ پہاڑ پر چلتے وقت پاؤں لمبے ہو جاتے ہیں اور اترتے وقت ہاتھ لمبے ہو جاتے ہیں تا کہ سوار کو ہر طرح آسانی ہو جائے۔ (سیرت حلبیہ ج۱ص ۴۰۸)

حدیث شریف میں ہے **وهو دابة ابيض طويل فوق الحمار دون البغل يضع حافره عند منتهى طرفه** (مسلم شریف ج۱ص ۹۱)

اور وہ جانور سفید رنگ کا ہے۔ گدھے سے قدرے بلند ہے اور خچر سے قدرے چھوٹا ہے (یعنی درمیانہ قد رکھتا ہے۔ نہ بہت پست قامت ہے اور نہ بہت لمبا قد آور ہے) جہاں اس کی نظر کی انتہا ہے وہاں اس کا قدم پڑتا ہے۔ بیان میرٹھی فرماتے ہیں۔

آیا براق برق رم لے برق بھی جس کے قدم
ہستی سے تا ملک عدم
اس کی روش کی ایک دم تھا نرم روچوں موج یم
گرمی میں بجلی اس سے کم
تھی شان رب ذو کرم اس کی روش اس کا چلن
توسن میں یہ قدرت کہاں
صرصر میں یہ سرعت کہاں آہوں میں یہ جودت کہاں
شہباز میں رفعت کہاں

ایک روایت میں ہے کہ براق کے دائیں اسی ہزار فرشتے اور براق کے بائیں اسی ہزار فرشتے استادہ تھے۔ ہر ایک کے ہاتھ میں نورانی شمع تھی حتیٰ کہ اسی چمک سے بطحا کا دالان روشن تھا جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام وہاں تشریف لے گئے۔ آپ کی ذات بابرکات کے نور کے پرتو سے وہ روشنی نمودار ہوئی کہ ان تمام شمعوں پر غالب آئی بلکہ اگر ہزارہا سورج اور چاند ہوتے تو آپ کے نور کے سامنے ماند پڑ جاتے۔ اس وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام کو وحی ہوئی کہ اے جبرئیل میں نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو نور کے ستر ہزار حجاب میں پوشیدہ کیا ہوا ہے۔ اس وقت صرف ایک حجاب اٹھالیا جو کہ ان تمام شمعوں پر غالب آیا جو عرش بریں سے روشن کر کے لائے تھے۔ (معارج النبوہ ج ۳ ص ۱۲۷)
اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فاضل بریلی نے کس ترکیب حسن سے اس کی نقشہ کشی فرمائی ہے۔

اتار کر ان کے رخ کا صدقہ یہ نور کا بٹ رہا تھا باڑا!
کہ چاند وسورج مچل مچل کر جبیں کی خیرات مانگتے تھے
وہی تو اب تک چھلک رہا ہے وہی تو جوبن ٹپک رہا ہے
نہانے میں جو گرا تھا پانی کٹورے تاروں نے بھر لئے تھے
بچا جو تلوؤں کا ان کے دھوون بنا وہ جنت کا رنگ و روغن
جنہوں نے دولہا کی پائی اترن وہ پھول گلزار نور کے تھے

اُمت کی یاد

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم براق حاضر ہے۔ آپ اس پر سوار ہو کر تشریف فرما ہوں کیونکہ ملا اعلیٰ اور مقربان عالم بالا آپ کے قدوم فیض لزوم کی انتظار میں ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سوار ہونے میں توقف فرمایا اور سر مبارک نیچا کر لیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو خطاب ہوا کہ اے جبرئیل! میرے دوست سے اس توقف کا سبب دریافت کیجئے۔ چنانچہ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس توقف کا کیا سبب ہے۔ تب آپ نے فرمایا کہ

میں آج کی رات نوازشات الٰہی سے سرفراز ہوا۔ ملائکہ مقربین میرے اعزاز واکرام کو جمع ہوئے اور براق برق رفتار میری سواری کے لئے ہمراہ لائے۔ اب یہ سوچ رہا ہوں کل قیامت کے دن جب میری اُمت کے لوگ اپنی قبروں سے باہر آئیں گے اور (پل صراط) کی پچاس ہزار سال کی مسافت سواری کے بغیر پیدل کس طرح طے کریں گے۔ تب اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی کہ آپ مغموم نہ ہوں کیونکہ آپ کی اُمت سے جس شخص کو میں اپنی عنایت سے مخصوص کروں گا اس کو براق پر سوار کر کے پل (صراط) پر سلامتی سے گزار کر بہشت میں پہنچادوں گا۔ (ریاض الازہار ص ۲۰۹)

جیسا کہ قرآن مجید میں آیا۔

یَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِیْنَ اِلَی الرَّحْمٰنِ وَفْدًا (پ ۱۶ ع ۹)

قیامت کا وہ دن ہے جس دن پرہیزگاروں کو براق پر سوار کر کے اپنے پاس ملائیں گے۔ جلالین شریف ص ۲۶۰ پر ہے۔

حضور صاحب معراج صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کی التجا

حضور پاک، صاحب لولاک، سیاح افلاک صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا کہ براق پر سوار ہوں۔ تب براق کودنے لگا حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا اے براق تو کیوں کودتا ہے۔ حالانکہ تجھ پر ایسا شخص سوار ہو رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کے قریب سب کائنات سے زیادہ مرتبہ والا ہے۔ براق نے کہا آپ نے درست کہا مگر میں حاجت مند ہوں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا تیری کیا حاجت ہے۔ براق نے عرض کیا قیامت کے دن بے شمار براق برق آساء عام آراء فلک پیما، آپ کے سامنے حاضر ہوں گے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس دن بھی آپ مجھے سواری کا شرف بخشیں۔ جیسے آج کی رات شرف عنایت فرمایا ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے براق کی درخواست کو قبول فرمالیا اور سوار ہوئے (معارج النبوۃ ج ۳) کہتے ہیں کہ براق اس جسارت کے بعد شرمندہ ہو کر لرزہ باندام ہوگیا اور اسے پسینہ آگیا اور اپنے کو اس قدر زمین کے نزدیک کرلیا کہ آپ آسانی سے

سوار ہو گئے۔

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے لگام تھامی اور میکائیل علیہ السلام نے رکاب پکڑی اور اسرافیل علیہ السلام نے زین پوش اٹھایا۔ کہتے ہیں کہ سفید گلاب حضرت جبرائیل علیہ السلام کے پسینہ سے پیدا ہوا اور زرد گلاب براق کے پسینہ سے پیدا ہاو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب مجھے معراج پر بلایا گیا تو میرے بعد زمین رونے لگی تو اس کے رونے سے زرد گلاب پیدا ہوا اور جب میں واپس ہوا اور میرا پسینہ زمین پر گرا تو اس سے سرخ گلاب پیدا ہوا خبردار؟ جو شخص میری خوشبو سونگھنا چاہے وہ سرخ گلاب کو سونگھے۔ (روح البیان ج ۲ ص ۳۹۲ ف) اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اس سے پہلے سرخ گلاب ہی نہ تھا بلکہ گلاب تھا۔ ان وجوہ مذکورہ سے بھی گلاب پیدا ہو گیا۔ جیسا کہ حضرت حوا کے آنسو سے تولو پیدا ہوئے حالانکہ تولو پہلے بھی موجود تھے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام بہشت سے کافور لائے وہ زمین پر ڈالا تو نمک ہو گیا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ نمک پہلے زمین پر موجود نہ تھا۔ قرآن مجید میں آتا ہے کہ ''گنہگاروں کا ایک گروہ بندر ہو گیا'' اس کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے بندر موجود نہ تھے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو لاٹھی دی وہ اس صحابی کے ہاتھ میں تلوار بن گئی۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ تلوار کا وجود پہلے نہ تھا بلکہ مقاصد حسنہ میں امام سخاوی لکھتے ہیں کہ یہ کمالات نبوی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بطور معجزہ عطا فرمائے۔

عظیم الشان جلوس

کہتے ہیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو لاکھوں سال کی عبادت کے صلہ میں براق کی زین وری کی سعادت نصیب ہوئی اور حضرت میکائیل کو مکہ معظمہ سے بیت المقدس تک لگام پکڑنے کی شرافت ملی اور حضرت اسرافیل علیہ السلام کو زین پوش اٹھانے کا انعام عطا ہوا۔ جب آپ کی سواری روانہ ہوئی بطحا کا میدان آپ کے نور سے روشن ہو

گیا اور بہشت سے خوشبودار ہوا چلی اور صلوٰۃ وسلام کی صدا گونجی ہر طرف سے مرحبا کے نعرے لگے۔ بہشتی حوروں نے اس انداز کے ترانے گائے۔

دونوں عالم ہیں نور علیٰ نور کیوں ۔ کیسی رونق فزا آج کی رات ہے
یہ مسرت ہے کس کی ملاقات ہے ۔ عید کا دن ہے یا آج کی رات ہے
طور چوٹی کو اپنی جھکانے لگا ۔ چاندنی چاند ہر سو بچھانے لگا
عرش سے فرش تک جگمگانے لگا ۔ رشک صبح و صفا آج کی رات ہے

مختلف آوازیں

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی اگر راستہ میں کوئی آواز سنائی دے تو آپ اس کی طرف توجہ نہ فرمائیں۔ حضرت ابوسعید خدری کی روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ کو داہنی طرف سے پکارنے والے نے پکارا کہ میری طرف نظر کیجئے کہ میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں مگر میں نے اس کی آواز کی طرف توجہ نہ کی۔ اس کے بعد بائیں طرف سے اسی طرح کی آواز آئی مگر میں نے اصلاً اس کی طرف التفات نہ کی۔ اس کے بعد سامنے سے ایک عورت نے سنگار کیے ہوئے پکار کر کہنے لگی۔ آپ ٹھہریئے۔ میں نے آپ سے کچھ دریافت کرنا ہے مگر میں نے اس کی طرف کوئی خیال نہ کیا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ پہلا پکارنے والا یہودیت کا داعی تھا۔ اگر آپ اس کی طرف توجہ فرماتے تو آپ کی امت یہودی ہو جاتی اور دوسرا پکارنے والا نصرانی تھا۔ اگر آپ اس کی طرف التفات فرماتے تو آپ کی امت نصرانی ہو جاتی اور آگے پکارنے والی دنیا تھی۔ اگر آپ اس کی طرف خیال مبذول فرماتے تو آپ کی امت دنیا کو آخرت پر ترجیح دیتی اور ایک اور روایت میں آیا ہے کہ پیچھے سے بھی اس طرح آواز سنی گئی مگر آپ نے اس کی پرواہ تک نہ کی۔ حضرت جبرائیل نے عرض کی کہ یہ شرک اور آتش پرستی کا داعی تھا۔ اگر آپ اس سے بات کرتے تو آپ کی امت مشرک اور آتش پرست ہو جاتی۔ کہتے ہیں کہ ان چار آوازوں میں یہ حکمت پوشیدہ تھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ و

السلام کے دل مبارک میں خیال گزرتا تھا کہ میرے بعد میری امت کا کیا حال ہوگا۔ اس لئے ان چار پکاروں کے نتائج کے بعد گویا آپ کو تسکین دی کہ حق تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے آپ کی امت کو دین اسلام پر ثابت قدم رکھے گا۔ اس طرح نہ ہوگا جس طرح پہلی امتوں کا حال کہ ایک بھی ان سے اپنے مذہب کا صحیح پیروکار نہیں رہ گیا۔ (ریاض الازہار ص ۲۱۰)

ایک عظیم الشان بستی سے گزر

آپ کا ایک زمین پر گزر ہوا جس میں کھجور کے درخت بکثرت تھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں پر اتر کر دوگانہ نفل نماز ادا کیجئے۔ چنانچہ آپ نے وہاں اتر کر دو رکعت نفل نماز ادا فرمائی۔ اس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا جہاں آپ نے نماز پڑھی ہے۔ یہ آپ کی ہجرت گاہ مدینہ منورہ ہے۔ (زرقانی شرح مواہب ج ۶ ص ۳۹) چونکہ کعبہ شریف کا دروازہ مشرق کی طرف ہے۔ اس طرح شمالی سمت کعبہ کی بائیں طرف ہوتی ہے اور مدینہ منورہ کا وقوع بھی شمال میں ہے۔ بنا بریں اس راز کی حقیقت سمجھنے کے لئے حدائق بخشش کی رباعی پیش کی جاتی ہے۔

کعبہ سے اگر تربت شاہ افضل ہے — کیوں بائیں طرف اس کیلئے منزل ہے
اس فکر میں جو دل کی طرف دھیان کیا — سمجھا کہ وہ جسم ہے یہ مرقد دل ہے

طور سینا

پھر ایک سفید زمین پر آپ کا گزر ہوا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ آپ یہاں پر دو رکعت نفل نماز پڑھ لیں۔ حضور علیہ السلام نے واں اتر کر دو رکعت نفل نماز ادا کی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ وہ طور سینا ہے جہاں پر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو کلام کا شرف بخشا تھا۔ (مواہب اللدنیہ ج ۲ ص ۱۴)

کلیم بر سبیل طور اعتبار گرفت — مسیح بر فلک چہارم قرار گرفت
غلام ہمت آنم کہ فوق کون و مکاں — براق عزم دو انید دست یاد گرفت

بیت اللحم

پھر ایک پہاڑ پر سے گزر ہوا جس کا رنگ سفید اور چمکیلا تھا۔ اس جگہ فرشتوں کی ایک جماعت بھی موجود تھی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا۔ آپ یہاں پر نماز ادا فرما لیں۔ حضور علیہ السلام وہاں پر اترے اور دو رکعت نماز ادا فرمائی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہ وہ جگہ ہے جہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے تھے اور اس جگہ کا نام بیت اللحم ہے۔ (درمنثور ج ۴ ص ۱۴۷) اللہ تعالیٰ نے ایک قبلہ آسمان پر بنایا ہے جس کا نام بیت المعمور ہے اور تین قبلے زمین پر بنائے ایک قبلہ بیت اللہ ہے جو کہ مکہ معظمہ میں ہے اور دوسرے قبلہ کا نام بیت المقدس ہے جو ایلیاء میں ہے۔ تیسرے قبلہ کا نام بیت اللحم ہے جو یروشلم کہلاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اے نبی کریم! اگر آپ اہل کتاب کو وہ تمام معجزے دکھائیں جو آپ کے کعبہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کے لئے رہنمائی کریں پھر بھی یہود اور نصاریٰ تیرے قبلہ کی طرف منہ کر کے عبادت نہیں کریں گے اور نہ ہی تو ان کے قبلہ کی پیروی کرنے والا ہے اور اہل کتاب کا آپس میں اختلاف بھی ہے کہ ان کا بعض ایک دوسرے کے قبلہ کی طرف اتباع نہیں کرتا۔ (پ ۲ ع ۱۲ القرآن)

اس لئے کہ نصاریٰ کا قبلہ مشرق میں واقع ہوتا ہے اور اس کے مغرب میں یہود کا قبلہ ہے۔ یہ دونوں ایک دوسرے کے قبلہ کی طرف منہ کر کے عبادت نہیں کرتے۔

بخت دولت عافیت

اس کے بعد تین شخص سامنے ظاہر ہوئے ان میں ایک بوڑھا، ایک ادھیڑ عمر اور ایک نوجوان تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جوان کی طرف نگاہ کی اور ادھیڑ عمر اور بوڑھے کو نہ دیکھا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی یا رسول صلی اللہ علیہ وسلم! آپ نے بہت اچھا کیا ہے کہ آپ نے عافیت کو پسند فرمایا ہے کیونکہ بوڑھا بخت ادھیڑ دولت اور جوان عافیت ہے۔ بخت اور دولت ہر دو ناپائیدار ہیں اور عافیت ہر دو جہاں کی نعمت کا سبب ہے۔ اس لئے آپ کو مبارک ہو کہ آپ کی امت عافیت سے بہرہ ور ہو جائے گی۔

(معارج النبوۃ ج ۳ ص ۱۲۹) گویا نووارد مہمان کی میزبانی کے لئے یہ ایک قسم کی خوش آمدید تھی جس کو عربی میں اہلاً وسہلاً مرحبا کہتے ہیں۔ جو عافیت پر نظر فرمانے سے رونما ہوئی جس کے بعد آپ کو اور آپ کی امت کو دین ودنیا کی خوشخبری سنائی گئی۔

حریص آدمی

ایک شخص پر گزر ہوا جس نے لکڑیوں کا ایک بڑا گٹھہ بنا رکھا تھا اور اس کو سر پر اٹھانا چاہتا تھا مگر نہیں اٹھا سکتا تھا۔ تو اس میں دوسری لکڑیاں جمع کر دیا ہے پھر جب گٹھہ کو نہیں اٹھا سکتا تو اس میں اور لکڑیاں فراہم کرتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کیسا شخص ہے کہ جب لکڑیوں کا گٹھہ بھاری ہے تو اس میں لکڑیاں کم کرے تا کہ سر پر اٹھا سکے مگر یہ شخص گٹھ کو اور وزنی بناتا ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا کہ یہ آپ کی امت میں سے ایسا شخص ہے جو کہ بہت لوگوں کے حقوق اس کے ذمہ ہیں اور حرص کرتا ہے۔ لوگوں کے حقوق اور ان کی امانتیں ایک قسم کا وزنی بوجھ ہے جس کو انسان نہ اٹھا سکے تو اس کے اندر زیادتی نہ کرے۔ (تفسیر ابن جریر ج ۶ ص ۱۵)

بات پر نادم

ایک چھوٹے پتھر پر گزر ہوا جس میں سے ایک بیل پیدا ہوتا ہے اور وہ بیل اس پتھر کے اندر جانا چاہتا ہے لیکن نہیں جا سکتا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا یہ اس شخص کا حال ہے جو ایک بری بات منہ سے نکالے اور شرمندہ ہو جائے مگر اس کے واپس کرنے پر قادر نہیں ہے۔ (مواہب الدنیہ ج ۲ ص ۱۵)

ریاکار

ایک شخص کو دیکھا جو کنویں میں ڈول لٹکاتا ہے جب ہی باہر نکالتا ہے اسے پانی سے خالی پاتا ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ ریاکار ہے جو شخص دکھلاوے کی عبادت کرتا ہے وہ محنت بھی کرتا ہے مگر قیامت کے روز اس کا ثواب نہ پائے گا۔

(معارج النبوۃ ج ۳ ص ۱۲۹)

جنت کی آرزو

ایک جگہ پاکیزہ اور ٹھنڈی ہوا چلی۔ مرجان بکثرت ہو گئے۔ اب اس وعدہ کو پورا کر جو مجھ سے کیا ہے۔

جس میں سے کستوری کی خوشبو آتی تھی اور ایک آواز سنی تھی حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ جنت کی خوشبو ہے اور اس کی آواز ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اے میرے رب! میرے بالاخانہ پر استبرق، حریر، سندس اور عبقری بہت ہو گئے۔ چاندی سونے کے گلاس، برتن اور کوزے زیادہ ہو گئے۔ دودھ پانی، شہد اور شرابا طہورا بہت کافی ہو گئے ہیں۔ موتی، مونگے اور مرجان بکثرت ہو گئے ہیں۔ اب وہ وعدہ پورا کر جو مجھ سے کیا ہے اور وہ لوگ بھیج جو ان چیزوں کو استعمال کریں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے تیرے لئے نیک لوگوں کو مقرر فرمایا ہے اور وہ ایسے لوگ ہیں جو مرد یا عورت ایمان اور اسلام لائے اور میرے ساتھ شرک نہ کرے اور جو میرا خوف دل میں رکھے میں اسے امن دوں گا اور جو کوئی مجھ سے مانگے گا میں اس کو دوں گا اور جو مجھے قرض دے گا میں اس کو اس کا نیک صلہ دوں گا اور جو مجھ پر توکل کرے گا میں اس کی کفایت کروں گا اور میں ایک ہی عبادت کے لائق ہوں میرے سوا کوئی اور عبادت کے لائق نہیں۔ میں وعدہ خلافی نہیں کرتا بے شک ایمانداروں کو فلاح ہو گی اور اللہ تعالیٰ بہت ہی برکت والا ہے۔ بہشت نے کہا کہ میں رضامند ہو گئی۔ (ابن کثیر ج ۳ ص ۱۸)

دوزخ کو آرزو

ایک وادی پر گزر ہوا جہاں پر ایک وحشت ناک آواز سنی اور بدبو محسوس کی۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ جہنم کی آواز ہے کہ وہ کہتی ہے اے رب! جو مجھ سے وعدہ کیا ہے پورا فرما کیونکہ میری زنجیریں، طوق، شعلے، گرم پانی، پیپ اور عذاب کثرت سے ہو گئے ہیں۔ میری گہرائی وسیع ہو گئی ہے۔ میری گرمی بہت سخت ہو گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا کہ تیرے لئے شرک کرنے والا مرد اور شرک کرنے والی عورت اور کفر کرنے والا مرد اور کفر کرنے والی عورت اور تکبر و عناد کرنے والے لوگ اور قیامت کا انکار کرنے

والے تجویز کیے ہیں۔ دوزخ نے کہا میں راضی ہوگئی۔ (درمنثور ج ۴ ص ۱۴۴)

صوتِ حجر

ایک وادی میں وحشت ناک آواز سننے میں آئی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جبرئیل! یہ کیا آواز ہے جس سے انسان گھبرا جاتا ہے اور لوگوں کو حیرت میں ڈال دیا ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی کہ ایک پتھر جو عرصہ ایک ہزار سال سے دوزخ میں ڈال دیا گیا تھا آج وہ پتھر دوزخ کی تہہ میں پہنچ گیا ہے۔ اس کے گرنے کی آواز تھی جو سنی گئی۔ (اخبار القرآن، ص ۲۵۷)

حضرت موسیٰ علیہ السلام نماز میں

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ معراج کی رات میرا گزر ریت کے سرخ ٹیلے کے پاس ہوا جہاں پر حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر مبارک میں نماز پڑھ رہے تھے۔ اگر کوئی دریافت کرے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے کس طرح دیکھا ہے؟ حالانکہ عالم برزخ میں عبادت کے وہ مکلف نہ رہے تو مسند ابو یعلیٰ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ

''تمام انبیاء سلام ہوان پر اپنی قبروں میں زندہ ہیں۔ اور وہ اپنی قبروں میں نماز بھی پڑھتے ہیں۔'' (مسلم رقم 6034) (نسائی رقم 1631) (طبرانی رقم 11207)

حلیۃ الاولیاء میں لکھا ہے کہ ثابت بنانی نے حضرت حمید سے پوچھا کہ آپ نے سنا ہے کہ نبیوں کے سوا کوئی دوسرا اپنی قبروں میں نماز پڑھتا ہے تو حضرت حمید نے فرمایا صرف نبیوں کا خاصہ ہے کہ وہ اپنی قبروں میں نماز پڑھتے ہیں۔ مولانا عبدالوہاب سعرانی تحریر فرماتے ہیں۔

صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قبر شریف میں زندگی کے ساتھ جلوہ افروز ہوتے ہیں اور آپ اذان و اقامت کے ساتھ نماز ادا فرماتے ہیں۔ جس

طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے نبیوں کی (سلام ہوان پر) خبر دی ہے آپ نے ان کو معراج کی رات نماز پڑھتے دیکھا ہے۔ (مسخ السلیہ ص ۹۲)

براق کا باندھنا:

بیت المقدس کے پاس آسمان کے بے شمار فرشتوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا استقبال کیا اور عزت واحترام کے ساتھ صلوٰۃ پڑھی۔ (معارج النبوۃ ج ۲ ص ۱۲۹) وہاں پر ایک پتھر تھا جس کے ساتھ پہلے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے براقوں کو باندھا کرتے تھے لیکن اس وقت کافی عرصہ گزر جانے کے بعد اس پتھر کا سوراخ بند ہو چکا تھا جس میں رسی ڈال کر براق کو باندھ دیا جاتا تھا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے انگلی سے اشارہ فرمایا وہ سوراخ ظاہر ہو گیا۔ ریشم کی ڈوری سے براق کو وہاں پر باندھ دیا گیا۔ (زرقانی ج ۶ ص ۵۳) (ف) اس بارے میں ترمذی شریف کی دو روایتوں میں تعارض نظر آتا ہے۔ حضرت حذیفہ فرماتے ہیں جس براق کو اللہ تعالیٰ نے مسخر کر دیا تھا اس کو باندھنے کی کیا ضرورت ہے؟ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۱۴۳)

دوسری جگہ یوں لکھا ہے کہ حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے اشارہ سے پتھر کا سوراخ ظاہر ہوا جہاں براق کو اس سے باندھا گیا۔ (ترمذی شریف ج ۲ ص ۱۴۱) تو ان دونوں روایتوں میں تطبیق کی یوں صورت ہو گی کہ مثبت حدیث کو نافی پر مقدم مانا جائے گا۔ ویسے بھی حضرت بریدہ کی حدیث مرفوع ہے جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منقول ہے اور حضرت حذیفہ کی روایت ہے حدیث نہیں تو ان دونوں اقوال میں تعارض کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جس میں تطبیق کی صورت ہو۔ اس لئے کہ اصول حدیث کے قائدہ کے لحاظ سے تعارض کے لئے درجہ میں مساوات ضروری ہیں۔

حوروں کا استقبال

تفسیر ابن ابی حاتم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا آپ نے اپنے رب سے

درخواست کی تھی کہ آپ کو حورعین دکھلائے۔ آپ نے فرمایا "ہاں" حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی کہ ان حوروں کے پاس جایئے کہ استقبال کے لئے حاضر ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے ان کو سلام کیا تو انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا۔ میں نے پوچھا تم کس کے لئے ہو۔ انہوں نے کہا ہم نیک ہیں خوبصورت ہیں، ایسے مردوں کے لئے ہیں جو پاک ہیں اور صاف ہیں اور میلے نہیں ہوں گے اور ہمیشہ زندہ رہیں گے اور کبھی نہ مریں گے۔ (سیرت حلبیہ ج ۱ ص ۴۱۱) حورعین کا معنی یاد رہے کہ حورعین کا لغت عربی میں اس خوبصورت حور کو کہتے ہیں جو اپنے حسن و جمال کے باعث دوسرے کی طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھے اور اپنی خوبصورتی پر اسے ناز ہو۔

فرشتوں کا استقبال

ہم بے کسوں کے مددگار، شفیع روز شمار دو عالم کے مختار سلطان بحر و بر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب میں بیت المقدس میں پہنچا تو میں نے فرشتوں کی ایک جماعت کو دیکھا کہ میرے استقبال کو آئے ہیں اور مجھے رب العزت کی طرف سے نہایت اعزاز و احترام کی بشارت سنائی اور مجھے یوں سلام کیا السلام علیک یا اول یا اخر یا حاشر میں نے جبرائیل علیہ السلام سے کہا ان ناموں کے ساتھ سلام میں کیوں مخصوص کیا ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی کہ آپ سب سے پہلے شفاعت کرنے والے ہیں اور آپ سب سے آخری نبی ہیں اور قیامت کے دن مخلوقات کا حشر آپ کے قدموں کے پیچھے ہوگا۔

(معارج النبوۃ ج ۳ ص ۱۲۹)

امامت انبیاء علیہ السلام

ہم بے کسوں کے مددگار، شفیع روز شمار، دو عالم کے مختار، سلطان بحر و بر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اور جبرائیل دونوں مسجد میں داخل ہوئے تو انبیاء علیہم السلام کو میں نے پہچانا۔ کوئی صاحب قیام میں ہے، کوئی رکوع میں اور کوئی سجدہ میں ہے اور پھر ایک

اذان کہنے والے نے اذان کہی اور اقامت کہی گئی۔ اس وقت ہم صفیں درست کر کے اس انتظار میں کھڑے ہو گئے کہ کون امامت کرتے ہیں۔ سو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھا دیا اور میں نے ان سب کو نماز پڑھائی۔

تفسیر قرطبی میں ہے کہ تمام نبیوں نے "سلام ہو ان پر" حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو امام بنانا چاہا کہ ہمارے اندر بھی اس کی اقتدار کرنے میں خوبی کا اثر ہو جائے اور محبوبیت کی خوشبو حاصل ہو جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام اور مقتدی میں ایک خاص تعلق ہوتا ہے جس کی بنا پر امام کی نماز مقتدی کی نماز کو مستعمل ہوتی ہے حتیٰ کہ امام کی خوبیاں مقتدی میں سرایت کرتی ہیں۔

نماز اقصیٰ میں یہی تھا سر
عیاں ہو معنی اول و آخر
کہ دست بستہ ہیں پیچھے حاضر
جو سلطنت آگے کر گئے تھے

اس مقام پر مسلمانوں کو جس بات کا عقیدہ رکھنا لازمی ہے وہ یہ ہے کہ یہ مقدس اجتماع نبیوں کا "سلام ہو ان پر" محض روحانی نہ تھا بلکہ جسمانی تھا اور سب کے سب مجسم اور اپنی شکل و شباہت میں تھے جو ان کو دنیا میں عطا ہوئی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص روحانی وجود کے ساتھ نماز پڑھے اور اصلی وجود اس میں شامل نہ ہو تو شرعاً نماز نہیں ہوتی۔ چنانچہ ملا علی قاری اپنی کتاب مرقاۃ المفاتیح ج ۵ ص ۳۰۵ میں فرماتے ہیں اس لئے نماز افعال مختلفہ قیام، رکوع و سجود، قعدہ کی ادائیگی کا نام ہے اور یہ اجسام سے ہو سکتی ہے۔ ارواح مجردہ نماز کے ارکان ادا نہیں کر سکتے۔

(الف) حیات انبیاء کا بیان

امام بیہقی نے فرمایا کہ تمام نبی "سلام ہو ان پر" زندہ ہیں حتیٰ کہ جب ان کی روحیں وفات کے وقت نکالی جاتی ہیں تو پھر وہ روحیں ان سب کے جسموں میں واپس لوٹا دی گئیں

ہیں۔پس سب نبی خدا کے نزدیک زندہ ہیں جیسا کہ شہید زندہ ہیں۔

اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

انبیاء کو بھی اجل آنی ہے! مگر ایسی کہ فقط آنی ہے
پھر اسی آن کے بعد ان کی وفات مثل ثابت وہی جسمانی ہے
روح تو سب کی ہے زندہ، ان کا جسم پرنور بھی روحانی ہے
اوروں کی روح ہو کتنی لطیف ان کے اجسام کی کب ثانی ہے
پاؤں میں خاک پر رکھ دیں وہ بھی روح ہے پاک ہے نورانی ہے

(ف) علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ کا مکتوب گرامی مطالعہ فرمایئے جو انہوں نے خان نیاز الدین احمد کو بمورخہ ۱۴ جنوری ۱۹۲۱ کو تحریر فرمایا: میرا عقیدہ ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں اور اس زمانے کے لوگ بھی اس طرح مستفیذ ہو سکتے جس طرح صحابہ کرام ہوا کرتے تھے لیکن اس زمانے میں تو اس قسم کے عقائد کا اظہار بھی اکثر دماغوں کو ناگوار ہوگا۔اس لئے خاموش رہتا ہوں۔"

(ب) تذکرہ دو اموات کا

یاد رکھئے۔انسان پر دو موتیں وارد ہوتی ہیں۔ایک وہ موت جو دینوی حیات کے اختتام پر ہوتی ہے اور متعارف ہے اور ایک وہ موت ہے جو قبر میں جسم کو زندگی ملنے اور سوال و جواب کے سلسلے کے بعد واقع ہوتی ہے۔کفار مکہ اس دوسری موت کا انکار کرتے ہیں۔جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

تحقیق کفار کا گروہ کہتے ہیں ہمارا انجام کار صرف پہلی موت ہے جو دنیا میں آئی ہے۔اس موت کے بعد ہم زندہ ہونے والے نہیں۔(پ ۲۵ ع ۱۵)

اس کے بعد یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ نبی ہوں یا ولی یا شہید ان کے لئے دوسری حیات دائمی اور ابدی ہو جاتی ہے۔وہ اس طرح سے قوی حیات ہوتی ہے کہ دینوی حیات سے بہت بالاتر ہوتی ہے۔وہ اس دنیا میں زندہ ہیں مگر ہم اس بات کا شعور نہیں کر سکتے۔

(بخاری ج۱ص۱۶۶) پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا قول منقول ہے کہ انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مخاطب کر کے یوں کہا "اے اللہ تعالیٰ کے نبی! آپ پر اللہ تعالیٰ دو موتیں جمع نہ کرے گا مگر وہ موت جو اللہ تعالیٰ نے لکھی تھی وہ ہو گزری۔ اس لئے امام منصور بغدادی نے کہا ہے کہ ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بعد وفات کے زندہ ہیں اور آپ امت کی نیکیوں سے خوش ہوتے ہیں اور ان میں گنہگاروں کے گناہ پر مغموم ہوتے ہیں اور آپ کی امت میں سے جو شخص بھی درود پاک پڑھتا ہے وہ آپ تک پہنچ جاتا ہے۔

تذکرہ کمالاتِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

حضور علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قبر شریف میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ جب آپ بیت المقدس میں پہنچے تو وہاں بھی ان کو دیکھا پھر چھٹے آسمان پر بھی موجود تھے تو اس میں کمالات نبوت کا اظہار ہے کہ نبی کو یہ طاقت حاصل ہے ایک وقت میں جہاں چاہیں موجود ہو سکتی ہیں۔ حالانکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے براق پر وہاں جانے سے پہلے خدا کے نبی (سلام ہو ان پر) پہنچ جاتے تھے۔ اس سے ثابت ہوا کہ نبوت کی طاقت براق کی پرواز سے بھی بہت بالاتر ہے۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حجاب کبریا کے پاس ایک قدم سے اتنا فاصلہ طے فرمایا جتنا کہ زمین سے حجاب کبریا تک ہے۔ اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معراج کے لیے براق کی حاجت نہ تھی لیکن سوار پیادہ سے زیادہ اچھا ہوتا ہے۔ بنابریں آپ براق پر سوار ہو کر معراج کو گئے۔

(د) براق ٹھہرنے کی وجہ

براق نے تمام سفر طے نہ کیا اور راستہ پر رُک کر ٹھہر گیا۔ اس بارے میں چند وجوہ ہیں۔ نمبر۱ براق پر سوار ہونے سے آپ کی نورانی قوت پر شبہ وارد ہونے کا اندیشہ تھا۔ اس لئے آپ حجاب کبریا سے آگے براق کے سوا گئے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کو براق کی احتیاج نہ تھی بلکہ براق اس شرف پانے میں آپ کی ذات سے حاجت مند تھا۔ نمبر۲

کریم لوگوں کی عادت ہے کہ جب اپنے پیشوا کے آستانہ پر جاتے ہیں تو اس درگاہ سے کچھ فاصلہ پر اتر جاتے ہیں۔ جس سے درگاہ معلیٰ کا احترام مقصود ہوتا ہے۔ اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس لامکاں درگاہ کے قریب میں براق سے اتر گئے اور بلا واسطہ بغیر کسی سواری کے مقام اوفی کا شرف پایا۔ نمبر ۳ علاوہ ازیں یہ نکتہ بھی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اس بلند درجہ اور اعلیٰ مقام پر گئے کہ نہ وہاں کوئی مقرب فرشتہ جا سکتا ہے نہ کسی کو پرواز کی مجال ہے۔ اس لئے براق ٹھہر گیا کہ اس کے آگے جانے کی اس میں طاقت ہی نہ تھی۔

(ھ) اجساد مثالیہ کی تحقیق

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب نماز پڑھائی تمام نبیوں نے (سلام ہوان پر) اقتداء فرمائی تو اس آن میں وہ سب کے سب نبی ''سلام ہوان پر'' اپنی قبروں میں بھی موجود تھے۔ پھر جب سب نبیوں کو ''سلام ہوان پر'' حسب مراتب آسمانوں پر بھی موجود تھے تو وہ سب کے سب اپنی قبروں میں بھی تھے بلکہ بیت المقدس میں بھی آپ کے واپس آنے تک موجود رہے۔ اس کو شریعت میں اجساد مثالیہ کہتے ہیں۔ ان اجساد میں تغائر اور تبائن نہیں ہوتا۔ اس کی مثال یوں سمجھ لیجئے کہ ہمارا عقیدہ ہے کہ قرآن مجید بے مثل کلام ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں علان ہے۔

فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ (پ ۱ ع ۳)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس کو قرآن کے اعجاز میں شک ہے تو وہ قرآن کی ایک سورت جیسی سورت بنا کر پیش کرے۔ اب اگر بالفرض آپ کے سامنے کوئی شخص کہہ دے کہ میں اس کی مثل پیش کر سکتا ہوں۔ پھر آپ نے سورت کوثر پڑھی اور کہا اس کی مثل کیسے ہو سکتی ہے۔ تب اس نے آپ کے سامنے وہی سورت کوثر پڑھ کر یہ دعویٰ کر دیا کہ میں نے جو کچھ تلاوت کی ہے وہ آپ کی تلاوت کے بعد ہے۔ اگر آپ کہیں کہ یہ بعینہٖ وہی ہے تو ایک شئی کا اپنی ذات سے تاخیر لازم آئے گا اور یہ محال ہے لہٰذا آپ کو ماننا پڑے گا جو

سورت میں نے تلاوت کی ہے وہ آپ کی پڑھی ہوئی سورت کوثر کے مغائر ہے۔ القصہ جس طرح یہ معارضہ سراسر دھوکہ ہے غلط بیانی اور ناقابل قبول بات ہے بلکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ قرآن شریف کی سورت بے شمار تلاوتوں میں ظاہر ہونے سے ایک دوسرے کے مبائن نہیں ہوسکتی۔ اس طرح نبی ہو یا ولی یا شہید یا بیت المقدس یا بیت اللہ ہو سب کے سب اپنی مثالی اجسام میں ظہور پانے سے کوئی ایک دوسرے کے مغائر نہیں ہوسکتے بلکہ ایک ذات کے تمام اجساد مطہرہ کو آپس میں اتحاد بالذات ہوتا ہے کسی قسم کا تغائر ان میں نہیں ہوتا۔ ''کامل ترین دیدار الٰہی'' حضرت شیخ اکبر رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ہیں۔

جب واقعات اس طرح ہیں جیسے کہ گزر چکے ہیں تو ہم نے جان لیا کہ کامل ترین دیدار الٰہی ہم خدا کی تجلی کو صورتِ محمدی میں رویت محمدی کے ساتھ دیکھیں۔ اس لئے ہم نے لوگوں کو بالمشافہ اس کی رغبت دلائی اور اپنی اس کتاب میں اس کا اہتمام کیا۔

(فتوحات مکیہ ج ۲ ص ۵۴۰)

(ف) جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو طور پر اللہ تعالیٰ کی تجلی نظر آئی اسی طرح وہ تجلی حضور علیہ السلام پر جلوہ گر ہوتی ہے۔ اہل نظر کو اس تجلی کا دیکھنا دوسری قسموں سے کامل ترین نظر آتا ہے۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کے خطبات

نماز سے فارغ ہو کر سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے خطبہ پڑھا اور اللہ تعالیٰ کا شکر اور اس کی ثناء بجالائے اور فرمایا خدا تعالیٰ کا احسان ہے جس نے مجھے مٹی سے پیدا فرمایا اور خلیفہ بنایا فرشتوں نے میرا سجدہ کیا۔ حوا کو مجھ سے پیدا کر کے میرا جفت بنایا اور بہشت کی بے پناہ نعمتوں سے ہم کو بہرہ ور فرمایا اس کے بعد حضرت ابراہیم نے تقریر فرمائی کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں کہ جس نے مجھے خلیل بنایا اور مجھ کو ملک عظیم عطا فرمایا اور مجھے صاحب ملت بنایا اور مجھ کو مقتداء صاحب قنوت بنایا یہاں تک کہ میری اقتدا کی جاتی ہے اور مجھ کو آتش نمرود سے نجات دی اور اس کو میرے لئے سلامتی اور

ٹھنڈک بنادیا۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام نے خدا کی حمد وثناء کے بعد فرمایا کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں جس نے مجھے کلام خاص کا شرف عطا فرمایا اور مجھے برگزیدہ بنایا اور مجھ پر تورات نازل فرمائی۔ میرا دشمن فرعون ہلاک ہو گیا اور میری مددگار بنی اسرائیل کی قوم کو نجات دی۔ میری قوم کو ایسا گروہ بنایا جو حق کے ساتھ ہدایت کرتے ہیں اور اس کے موافق عدل کرتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام نے اللہ کی حمد وثناء کے بعد کہا کہ جمیع محامد اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں اور جس نے مجھے ملک عظیم عطا فرمایا اور مجھ کو زبور کا علم دیا اور میرے لئے لوہے کو نرم کر دیا اور پہاڑوں کو میرے لئے مسخر کر دیا۔ جو میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور پرندوں کو میرے ساتھ تسبیح خوانی کے لئے مسخر کر دیا اور مجھ کو علم وحکمت اور خوش الحانی عطا فرمائی۔ اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے رب کی حمد وثنا کے بعد یہ تقریر فرمائی کہ تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں جس نے ہوا کو میرے لئے مسخر کر دیا اور جنات کو میرے تابع بنایا۔ حتیٰ کہ جو چیزیں مثل عمارات عالی شان کے ان سے بنوانا چاہوں وہ بناتے ہیں اور مجھ کو پرندوں کی آواز سمجھنے کی طاقت عطا فرمائی اور مجھے ایسی سلطنت عطا کی کہ میرے سوا کسی اور کو عطا نہ ہوئی۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے رب کی حمد وثنا کے بعد یہ تقریر فرمائی کہ تمام محامد اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں جس نے مجھے اپنا مسیح بنایا اور مجھ کو حکمت تورات اور انجیل کا علم دیا اور مجھ کو وہ طاقت عطا فرمائی حتیٰ کہ مٹی کے پرندے بنا کر اس میں پھونک مارتا ہوں تو خدا تعالیٰ کے حکم سے اڑتا ہوا پرندہ بن جاتا ہے۔ مادرزاد اندھے اور جذامی کو اچھا کر دیتا ہوں اور اللہ تعالیٰ کی اذن سے مردوں کو زندہ کر دیتا ہوں۔ اس کے بعد حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کی حمد وثناء کے بعد فرمایا کہ جمیع محامد اللہ تعالیٰ کے لئے ثابت ہیں جس نے مجھے تمام جہانوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ خوشخبری اور ڈر کی باتیں سب لوگوں کو بتانے والا بنایا ہے اور مجھ پہ قرآن مجید نازل کیا ہے جس میں ہر شے کا بیان ہے۔ میری امت کو بہترین امت

بنایا۔ میرے ذکر کو بلند کیا مجھے سب سے اول اور سب سے آخر بنا دیا۔ (یعنی نور میں اول اور ظہور میں آخر) حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اس تقریر کے بعد سب نبیوں نے (سلام ہو ان پر) کہنے لگے کہ اس میں کوئی شک باقی نہیں رہا کہ آپ ہم سب نبیوں سے فضیلت پا گئے۔ مرتبہ اور شان کے لحاظ سے بڑھ گئے۔ (زرقانی ج ۶ ص ۵۰)

ایک آیت کا نزول

بیت المقدس میں آپ پر یہ آیت نازل ہوئی۔

اے نبی! آپ ان رسولوں سے دریافت کرلیں جن کو میں نے آپ کے آنے سے پہلے رسول بنا کر بھیجا ہے کہ ہم نے خدا تعالیٰ کے سوا کبھی بتوں کی عبادت کا حکم دیا ہے۔ (پ ۲۵ ع ۱۰)

یعنی کبھی یوں حکم نہیں دیا اور آپ ان رسولوں سے پوچھ سکتے ہیں حتیٰ کہ یہ کام کسی ملت و مذہب میں جائز نہیں رہا۔ اس آیت پر توحید پر تمام نبیوں کی "سلام ہو ان پر" کی گواہی مقصود تھی۔ معالم التنزیل میں ہے کہ آپ نے رسولوں سے (سلام ہو ان پر) یہ دریافت نہ کیا۔ صاحب عین المعانی کی روایت ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت میکائیل علیہ السلام سے کہا کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ مسئلہ نبیوں سے پوچھا تھا۔ حضرت میکائیل علیہ السلام نے کہا کہ آپ کا یقین بہت کامل ہے اور آپ کا ایمان بہت محکم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو یہ بات پوچھنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔ (بلا حق الیقین والے کو علم الیقین کی کیا ضرورت ہے۔) (تفسیر حسینی ج ۲ ص ۳۰۵)

جنت کے مشروبات

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب مسجد اقصیٰ سے باہر آیا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام دو برتن لائے ایک میں شراب طہور تھی اور ایک میں دودھ لبریز تھا پھر فرمایا ان میں سے جو آپ پسند فرمائیں نوش فرمائیے۔ (مسلم ج ۱ ص ۹۳)

تو میں نے دودھ کا برتن اختیار کیا پھر جبرائیل علیہ السلام نے کہا آپ نے فطرت

''دین السلام'' کو پسند فرمایا۔

امام ابن حجر عسقلانی تحریر فرماتے ہیں کہ اس روایت میں اختلاف ہے کہ جو برتن آپ کے سامنے پیش کئے گئے تھے۔ بیت المقدس میں معراج شروع ہونے سے پہلے تھے۔ یا سدرۃ المنتہیٰ کے پاس پہنچنے کے بعد تھے۔ پھر برتنوں کی تعداد میں اختلاف ہے۔ بعض روایات میں دو برتن مذکور ہیں۔ ایک شراب طہور اور ایک دودھ خالص کا اور بعض روایات میں شہد سے بھرے برتن کا ذکر بھی ہے اور بعض روایات میں پانی کے برتن کا اضافہ ہے۔ ''جیسا کہ تفسیر ابن کثیر کی روایت میں چار برتنوں کا ذکر ہے۔''

امام ابن حجر فرماتے ہیں کہ ان روایات میں تطبیق کی صورت یہ ہے کہ دو دفعہ برتن پیش کئے گئے۔ ایک دفعہ بیت المقدس میں نماز سے فارغ ہونے کے بعد اور ایک دفعہ سدرۃ المنتہیٰ کے پاس جبکہ آپ نے چار نہروں کا مشاہدہ فرمایا اور برتنوں کے عدد میں یہ تطبیق کی ہے کہ بعض راویوں نے ان برتنوں کا ذکر دیا جو دوسرے نے ترک کر دیا اور دراصل یہ چار برتن تھے اور ان چار برتنوں میں بہشت کی چار نہروں کے مشروبات تھے۔ ایک پانی دوسرا دودھ اور تیسرا شراب طہور اور چوتھا شہد خالص کا برتن تھا۔ (فتح الباری)

حجر رتح میں

جب آپ نے براق پر سوار ہونے کا ارادہ فرمایا تو آپ کا قدم صخرہ شریف (پتھر) پر پڑا جو بہشت کے پتھروں میں سے ایک تھا۔ وہ پتھر اللہ تعالیٰ کی عجائبات میں سے ہے۔ اس لئے وہ پتھر اس وقت تک مسجد اقصیٰ کے صحن میں زمین اور آسمان کے درمیان میں لٹکا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بغیر ستون کے ہوا میں محفوظ رکھا ہے جس طرح آسمان ستون کے بغیر موجود ہے اور اس پتھر کے جنوبی حصہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قدم مبارک کا نقش ہے جو براق پر سوار ہوتے ظاہر ہوا تھا۔ اب وہ پتھر بوجہ ادب نقش پا شریف کے اس طرف جھکا ہوا ہے۔ (شرح شفا شریف ج ا ص ۳۹۰)

کہتے ہیں کہ جہان دنیا میں جہاں بھی پانی میٹھا ہے اس پانی کا مخزن اور منبع اس صخرہ کے نیچے ہے اور بنی امیہ کی سلطنت کے دوران اس صخرہ شریف پر گنبد بنا دیا گیا ہے۔

(الف) ”تحقیق ردیف شدن بر براق“

بعض روایات سے ثابت ہوا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی براق پر سوار ہو گئے۔ چنانچہ عمدۃ القاری میں ہے کہ بیت المقدس میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو براق پر ردیف بنالیا۔ مستدرک میں حدیث ہے ”میں جب براق کے پاس آیا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام کے پیچھے سوار ہو گیا۔“ صحیح ابن حبان میں لکھا ہے۔“

کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت جبرائیل نے براق پر دیف بنا لیا۔ شفا شریف میں ہے۔ دونوں براق پر سوار ہو گئے حتیٰ کہ معراج سے واپس آ گئے۔

(ب) ”مخصوص بود براق“

تحقیق یہ ہے کہ براق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مخصوص سواری تھی۔

وزیف بان ابا حمزہ میمون الاعور تفرد بہ (نبراس ص ۲۷۲)

”یہ روایت جس میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کا براق پر سوار ہونا مذکور ہے۔ ضعیف ہے کیونکہ ابوحمزہ میمون اعور نے تمام ثقہ راویوں سے تفرد کیا ہے اور حیات الحیوان میں ہے۔

امام دمیری فرماتے ہیں کہ بے شک میرے نزدیک ظاہر یہی ہے کہ معراج کی رات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو براق پر سوار نہیں کیا۔ اس لئے کہ براق پر سوار ہونا معراج کا شرف تھا جو کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خصوصیت تھی۔

سیڑھی کا ظہور

حضرات محترم! حضور علیہ السلام نے فرمایا وہاں ایک سیڑھی نازل ہوئی خوبصورتی

میں اپنی مثل اور نظیر نہ رکھتی تھی۔ اس سیڑھی کے دو بازو تھے۔ ایک یاقوت سرخ کا اور ایک زمرد اخضر کا اور اس کے درمیان بہت ڈنڈے تھے۔ جن میں ایک ڈنڈا سونے کا اور ایک چاندی کا تھا اور اس سیڑھی کے پچاس مقام تھے اور ہر مقام ستر برس کی راہ تھا۔ ہر مقام میں ایک فرشتہ متعین تھا جس کے پاس پچاس ہزار فرشتے خادم تھے اور جب فرشتے آسمان سے زمین پر آتے جاتے ہیں تو اس سیڑھی کے ذریعے آتے جاتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جب میں براق پر سوار ہو کر اس سیڑھی سے گزرا تو وہاں ایک فرشتے نے مجھے سلام کر کے کہا کہ میں حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پچیس ہزار سال پہلے یہاں پر مقرر ہوں تا کہ آپ پر صلوٰۃ وسلام پڑھتا رہوں۔ مدت سے آپ کے انتظار میں بے قرار تھا اور آپ کی محبت میرے دل میں جاگزیں ہے۔ سو اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہوئی کہ آپ کی زیارت کا شرف پایا۔ (ریاض الازہار ص ۲۱۱)

(الف) بعض روایات میں آیا ہے کہ آپ کو سیڑھی کے ذریعہ معراج ہوئی اور بعض روایات میں ہے کہ آپ کو بذریعہ براق معراج ہوئی۔ صحیح یہ ہے کہ آپ براق پر سوار تھے اور سیڑھی کے ذریعہ آسمان پر چڑھے اور بعض روایات میں ہر آسمان کے لئے حتیٰ کہ عرش اور کرسی کے لئے بھی سیڑھی تھی۔ یعنی کل نو سیڑھیاں تھیں اور ہر جگہ آپ کے استقبال کے لئے فرشتے موجود تھے۔

الٰہی منتظر ہوں وہ خرام ناز فرمائیں   بچھا رکھا ہے فرش آنکھوں نے کم خواب بصارت کا
نہ ہو آقا کو سجدہ آدم و یوسف کو سجدہ ہے   مگر سد ذرائع داب ہے اپنی شریعت کا

(ب) لغت عرب میں معراج سیڑھی کو کہتے ہیں۔ ایک نورانی سیڑھی جس کی حقیقت کو اللہ اور اس کا رسول ہی جانتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے اس سفر میں زمین اور آسمان کے درمیان نصب کی گئی جس کی وجہ سے اس سارے سفر کا نام ہی معراج ہو گیا۔

جیسا کہ کسی سورت میں دھواں کا ذکر ہے تو اس سورت کا نام دخان ہے اور اگر

گائے کا ذکر ہے تو سورت کا نام بقرہ ہے اور کہتے ہیں کہ سکرات کے وقت انسان کو وہ سیڑھی نظر آتی ہے اور اس سے آسمان کے فرشتے چڑھتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس لئے انسان کی آنکھیں اس طرح کھل جاتی ہیں جیسے کہ کسی چیز کو تک رہی ہیں۔ بعض بزرگوں نے یہاں ایک نکتہ لکھا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بیت المقدس سے اس لئے معراج ہوئی کہ زمین سے آسمان پر جانے کا راستہ ہی خدا تعالیٰ کے نزدیک اس سیڑھی سے مقرر ہے جس سیڑھی سے آپ نے براق پر سوار ہو کر صعود و ہبوط فرمایا۔

ہوائی اور ناری کرے

اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا گزر ہوائی کرہ سے ہوا۔ وہ ہوا کا ایک خزانہ ہے جس کو ستر ہزار زنجیروں سے باندھا گیا ہے اور زنجیر اس کی ایک ایک فرشتے کے پردہ پر ہے تاکہ اس کی نگاہ رکھے۔ (معارج النبوۃ ج ۳ ص ۱۳۲)

اس کے بعد آپ نے کرہ ناری سے گزر فرمایا۔ (روح البیان ج ۲ ص ۳۹۷)

کہتے ہیں کہ جب قوم عاد پر عذاب آیا تو صرف انگوٹھی کے سوراخ کے برابر اس ہوا کا راستہ کھولا گیا جس کی وجہ سے قوم عاد کا نام ہوائیہ ہو گیا اور ان کے درخت اور عمارتیں سب نیست و نابود اور تباہ و برباد ہو گئیں۔

دریائے قاصیہ

ایک دریا پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا گزر ہوا کہ اس کا نام دریائے قاصیہ ہے۔ اس کی موٹائی دو سو سال کے برابر ہے۔ اس دریا کا رنگ نیلا ہے۔ آسمان کی نیل گوئی جو نظر آتی ہے دراصل اس دریا کا رنگ ہے۔ اس دریا میں سمندر اور جنگلات کے جانوروں کے مثل سب جانور موجود ہیں۔ (معارج النبوۃ ج ۳ ص ۱۴۲)

(ف) مامون رشید خلیفہ عباسی کا باز شکارگاہ میں اڑتا ہوا غائب ہو گیا۔ ایک ساعت کے بعد ایک مچھلی منہ میں لئے واپس آ گیا۔ مامون کو مچھلی لانے سے حیرانی ہوئی کہ مچھلی دریا میں ہوتی ہے نہ ہوا میں۔ جب شکار سے واپس ہوا تو راستہ سے گزر ہوا۔

جہاں حضرت امام تقی اس مقام پر موجود تھے۔ مامون نے ان کی خدمت میں پیش ہو کر ماجرا سنایا اور اس بات کا راز دریافت کیا۔ حضرت امام علیہ السلام نے فرمایا کہ حیرانی اور تعجب کی بات نہیں کیونکہ اللہ کا دریا ہے جو کہ آسمان کے ذرے جو (ہوا) میں موجود ہے۔ یہ اس دریا کی ہے۔ مامون آپ کے بدیہی جواب اور وسعت علم سے متعجب ہوا اور نہایت نیاز کر کے رخصت ہو گیا۔ (ملفوظات طیبہ ص ۶۰ از قبلہ عالم گولڑوی رضی اللہ عنہ)

آسمانِ اول

جب آسمان تک پہنچے تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دروازہ کھلوانے کے لئے آواز دی۔ اس دروازہ کا نام باب الحفظ ہے جو یاقوت سرخ سے ہے اور اس کا قفل موتی کا ہے۔ اس کے دربان کا نام اسماعیل ہے۔ جس نے آواز سن کر کہا مرحبا آپ کا آنا بہت اچھا آیئے اور دروازہ کھولا۔ آپ اس دروازہ سے آسمان پر چلے گئے۔ اس آسمان کی موٹائی پانچ سو برس کی مسافت تھی اور اس آسمان کے ماتحت ایک لاکھ فرشتے تھے جو سبحان ملك الاعلى سبحان الكلى الاعلى سبحان من يس كمثله شيء کی تسبیح پڑھتے تھے۔ (ریاض الازہار ص ۲۱۶)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام ہم کو آسمان دنیا تک لے گئے۔ پس حضرت جبرائیل نے آسمان کا دروازہ کھلوانے کو کہا۔ دربان فرشتوں کی طرف سے پوچھا گیا آپ کون ہیں۔ کہا میں جبرائیل ہوں۔ پوچھا گیا تمہارے ساتھ کون ہیں کہا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پوچھا گیا ان کے پاس آسمانوں پر بلائے جانے کا پیغام بھیجا گیا ہے۔ جبرئیل نے کہا ہاں بلائے گئے ہیں۔ پھر ہمارے لئے دروازے کھول دیئے گئے۔

(بخاری شریف رقم الحدیث 342) (بخاری شریف رقم الحدیث 3035)' (بخاری شریف رقم الحدیث 3213) (بخاری شریف رقم الحدیث 3247)' (بخاری شریف رقم الحدیث 3674) (بخاری شریف رقم الحدیث 5287)' (مسلم شریف رقم الحدیث 164) (ترمذی شریف رقم الحدیث 3346)' (نسائی شریف رقم

الحدیث 448)(ابن خزیمہ رقم الحدیث 17867)'(سنن الکبریٰ رقم الحدیث 1313)

تعجب کے صحیفے

اے میرے بزرگو اور دوستوں اب اس مقام پر اہل علم کے لئے ایک علمی تحقیق درج کی جاتی ہے وہ یہ کہ حدیث شریف کی عبارت سے آپ کو واضح ہو گیا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام جب حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے ہمراہ آسمانوں پر پہنچے تو ہر آسمان پر فرشتوں نے کہا۔

من انت آپ کون ہیں۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا میں جبرئیل ہوں۔ پھر فرشتوں نے کہا من معک آپ کے ساتھ کون ہیں۔ جبرائیل علیہ السلام نے کہا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ پھر فرشتوں نے کہا کیا وہ بلائے گئے ہیں۔ جبرئیل نے کہا ہاں۔ ان تمام سوالات اور جوابات کی نوعیت سے یہ نہ سمجھا جائے کہ فرشتوں کو پہلے کچھ معلوم ہی نہ تھا۔ کیونکہ حدیث شریف میں یہ الفاظ موجود ہیں۔

حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی خوشخبری آسمان والے سنتے تھے۔ (بخاری شریف ص ۱۱۲۰)

پھر امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں گویا فرشتوں کو بتلایا گیا تھا کہ حضور علیہ السلام کو عنقریب معراج کرائی جائے گی۔ تو وہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی تشریف آوری کے انتظار میں تھے۔ (فتح الباری ج ۷ ص ۲۱۱)

علامہ احمد بن محمد شمنی تحریر فرماتے ہیں۔

وکان سو الهم للاستعجاب بما انصر الله عليه واولا سبتشا بعروجه (مزیل الخفائن الفاظ الشفاء ج ۱ ص ۱۷۸)

فرشتوں کا یہ سوال حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی نعمتوں سے یا آپ کی معراج کی خوشی میں تعجب کے باعث تھا۔ علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری میں لکھتے ہیں۔

اور کہا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام پر جو اللہ کی نعمت معراج کے سبب نازل کی گئی یا فرشتوں کو معراج کے سبب خوشی ہوئی تو تعجب کے مقام پر یہ سوال کیے اور تحقیق

فرشتوں کو اس بات کا علم ہے کہ بشر اس ترقی کے مقام پر اللہ تعالیٰ کے اذن کے سوا نہیں پہنچ سکتا اور جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی کو بلایا نہ جائے اس کو حضرت جبرائیل آسمان پر نہیں لے جاتے۔ (فتح الملہم ج ۱ ص ۳۱۸)

فرشتے قیام میں

جناب رسول سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں اس آسمان پر فرشتوں کی ایک جماعت دیکھی جو صف بستہ قیام کی حالت میں یہ تسبیح پڑھ رہے تھے۔

سبوح قدس رب الملائکة و اروح

میں نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ ان فرشتوں کی یہی عبادت ہے۔ جبرائیل نے کہا جب آسمان پیدا ہوا اس دن سے ان کی یہی عبادت ہے اور قیامت تک اسی عبادت میں مشغول رہیں گے۔ آپ حق تعالیٰ سے درخواست فرمائیں کہ اس کی عبادت آپ کی امت کو عطا فرمائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میں باری تعالیٰ سے درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے نماز میں قیام آپ کی امت پر فرض کیا ہے۔ اس لئے ان کو لازم ہے کہ اس کو اچھی طرح بجالائیں۔ میں نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ ان فرشتوں کی تعداد کتنی ہوگی؟ اس نے کہا کہ ان کی تعداد کو سوائے اللہ تعالیٰ کے کوئی نہیں جانتا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔
"تیرے رب کے لشکر کی تعداد کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا" (معارج النبوۃ ج ۳ ص ۱۳۲)

حضرت آدم علیہ السلام

آپ نے فرمایا کہ میں وہاں گیا تو دیکھا کہ حضرت آدم علیہ السلام موجود ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ سے مسند روایت ہے کہ ان کی داہنی طرف ایک دروازہ ہے کہ اس میں سے خوشبو دار ہوا آتی ہے اور بائیں طرف ایک دروازہ ہے کہ اس میں بدبودار ہوا آتی ہے۔ جب داہنی طرف دیکھتے ہیں تو خوش ہوتے ہیں اور جب بائیں طرف دیکھتے ہیں تو مغموم ہو جاتے ہیں اور بخاری شریف میں آتا ہے کہ آسمان دنیا میں ایک کو بیٹھا دیکھا جس کے داہنی طرف کچھ صورتیں نظر آتی ہیں اور کچھ صورتیں بائیں طرف ہیں۔ جب وہ

داہنی طرف دیکھتے ہیں تو ہنستے ہیں اور جب بائیں طرف دیکھتے ہیں تو روتے ہیں۔ بعض روایات میں آیا ہے کہ حضرت جبرائیل نے کہا کہ حضرت آدم علیہ السلام آپ کے باپ ہیں۔ ان کو سلام کیجئے۔ میں نے ان کو سلام کیا، انہوں نے جواب دیا اور مرحبا فرزند صالح اور نبی صالح کو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ صورتیں داہنی اور بائیں ان کی اولاد کی روحیں ہیں سو داہنی طرف والی جنتی اور بائیں طرف والے دوزخی ہیں۔ اس لئے داہنی طرف دیکھ کر ہنستے ہیں اور بائیں طرف دیکھ کر روتے ہیں۔

(ف) حضرت آدم علیہ السلام کے دائیں بائیں جو صورتیں نظر آتی تھیں وہ روحیں اس وقت مستقر نہ تھیں بلکہ اپنے اپنے ٹھکانے پر تھیں حتیٰ کہ مومنوں کی روحیں بہشت میں اور کفار کی روحیں دوزخ میں ہیں۔ حضرت آدم کے سامنے پیش آنے کا واقع اس طرح وقوع میں آیا کہ روحیں گاہے بگاہے حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے لائی جاتی ہیں جیسا کہ کافروں کی روحیں دن اور رات کے خاص اوقات میں دوزخ میں پیش کی جاتی ہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا (پ۲۴ع۱۰)

اور دوزخ میں کافروں کی روحیں صبح وشام پیش کی جاتی ہیں اور جاننا چاہئے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے سامنے پیش ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ سب روحیں آسمان پر چڑھ جاتی ہیں بلکہ ہوسکتا ہے کہ باہر سے پیش کی جاتی ہوں اور آسمان چونکہ شیشہ کی طرح صاف ہے، اس لئے نظر آتی ہوں کیونکہ کفار کے بارے میں قرآن مجید میں ہے "اور کافروں کے لئے آسمان پر جانے کے لئے دروازے نہیں کھولے جاتے" اور یہی جواب علامہ زرقانی نے ارقام فرمایا ہے۔ (زرقانی شرح مواہب ج۶ ص۶۰)

صدقہ دینے والے

پھر ایسے لوگوں پر گزر ہوا جو کھیتی کر رہے تھے مگر اس طرح پر کہ فصل کاشت کی۔ اس وقت فصل پک گئی پھر اس کو کاٹ کر برداشت کرلیا اور فائدہ بھی اتنا کہ ایک دانے کے

عوض سات سو گنا اناج حاصل کرتے ہیں اور جب وہ کاٹ لیتے ہیں پھر وہ ویسا ہی ہو جاتا ہے جیسے کہ کاٹنے سے پہلے تھا۔ آپ نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا یہ کیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے ہیں کہ ان کی نیکی سات سو گنا تک بڑھتی ہے اور وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کو اچھا عوض عطا فرماتا ہے اور وہ بہترین رزق دینے والا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے۔

مثال ان لوگوں کی جو اپنے مال کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں۔ ایسی ہیں جیسے ایک دانے سے سات سو خوشیں اگیں اور ہر خوشے میں سو دانے ہوں اور اللہ تعالیٰ بڑھاتا ہے جس کے لئے چاہتا ہے اللہ تعالیٰ نہایت ہی وسعت والا اور سب کچھ حالات جاننے والا ہے۔ (تفسیر ابن کثیر)

نماز میں سست

پھر ایسے لوگوں پر گزر ہوا جن کے سر پتھر سے پھوڑے جاتے ہیں اور جب وہ کچلے جاتے ہیں تو پھر اسی سابقہ حالت پر ہو جاتے ہیں اور ان کا یہ سلسلہ ذرہ بھر دیر کے لئے بھی بند نہیں ہوتا۔ آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو فرض نماز میں سستی کرتے ہیں اور اس کو اپنے اوقات میں ادا نہیں کرتے اور رکوع وسجود بھی پورا نہیں کرتے جیسا کہ حق تعالیٰ نے فرمایا۔

پھر دوزخ میں خرابی کا گڑھا ان نمازیوں کے لئے تیار کیا گیا ہے جو اپنی نمازوں میں لاپرواہی کرتے ہیں۔ (درمنثور ج ۴ ص ۱۴۴)

مکتوبات شریف میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کیا میں تمہیں ان لوگوں کی خبر نہ دوں جو نماز میں چوری کرتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کیا جی ہاں۔ ارشاد فرمایا جو شخص نماز کے ارکان کو پوری طرح ادا نہیں کرتا۔

زکوٰۃ کے تارک

پھر ایسے لوگوں پر گزر ہوا کہ ان کی شرم گاہ کے آگے اور پیچھے چیتھڑے لپٹے ہوئے

ہیں اور وہ مویشی کی طرح چر رہے ہیں اور زقوم (تھوہر) اور دوزخ کے پتھر کھا رہے ہیں۔ آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں۔ حضرت جبرائیل نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے مال کی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تھے اور فقیروں اور مسکینوں پر رحم نہیں فرماتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اور جو لوگ سونا اور چاندی کو خزانہ بنا کر رکھتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو آپ ان کو عذاب دردناک کی خوشخبری سنا دیں۔ (تفسیر ابن جریر ج ۱۵ ص ۱۶)

(الف) کشفی واقعات کی تشریح

یہاں ایک شبہ ہوتا ہے کہ اس وقت نماز اور زکوٰۃ فرض ہی نہیں ہوئے تھے۔ تو پھر اس کوتاہی پر عذاب کیسے ہو سکتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہوتا ہے کہ شاید یہ پہلی امتوں کے لوگ ہوں لیکن آپ کو آنے والے حالات کا انکشاف ہو گیا ہو۔ یا ہر دو طرح کے لوگ ہوں اور کسی امت کی تخصیص نہ ہو بلکہ علاوہ ازیں دیگر کشفی واقعات میں بھی یہی احتمالات ہوں گے۔

(ب) نگاہِ نبوت کی شان

جس طرح ہمارے عینی مشاہدہ کے سامنے کثیف چیزیں مثل دیوار وغیرہ کے حجاب ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح زمانہ ماضی اور استقبال کے واقعات دیکھنے کے لئے زمانہ حال آڑ اور حائل ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ ہماری نگاہ ان واقعات کو نہیں دیکھ سکتی۔ مگر جب اللہ تعالیٰ کسی نبی کی نگاہ کو یہ شرف اور طاقت بخشتے کہ زمانہ حال اس کے آگے آڑ نہ بنے تو یہ محال نہیں بلکہ قدرت الٰہی کے لئے یہ امر ممکن ہے اور ایسی بات جس کا خرق عادت کے طور پر شہود ہو جائے تو اس کو کشف اور مکاشفہ کہتے ہیں اور خدا کی یہ توفیق سے ولی کو بھی یہ کشف حاصل ہوتا ہے اور یہ اس کی کرامت ہے۔ جس طرح نبی کے لئے یہ کشف معجزہ ہوتا ہے۔

زانی مرد اور عورتیں

پھر ایسے لوگوں پر گزر ہوا جن کے سامنے ایک ہنڈیا میں پکا ہوا گوشت رکھا ہے۔ وہ

لوگ اس سڑھے کچے گوشت کو کھا رہے ہیں اور پکا گوشت نہیں کھاتے۔ آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ آپ کی امت میں سے وہ مرد ہیں جس کے پاس حلال اور پاکیزہ بیوی ہو اور پھر غیر عورت کے پاس جائے اور شب باشی کرے۔ اس طرح وہ عورت ہے جو حلال اور پاکیزہ مرد کے ہوتے ہوئے غیر مرد کے پاس جائے اور اس کے ساتھ برا کرے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اور تم لوگ زنا کے قریب مت جاؤ کیونکہ یہ بہت بے حیائی کا کام ہے اور برا راستہ ہے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۲)

یتامیٰ کے حق خور

پھر ایسے لوگوں پر گزر ہوا ہے جن کے ہونٹ اونٹوں کی طرح ہیں۔ وہ آگ کی چنگاریاں کھا رہے ہیں اور وہ ان کے پیٹ کو جلاتی ہوئی نیچے نکل جاتی ہیں اور اسی طرح سلسلہ جاری ہے۔ آپ نے پوچھا یہ لوگ کون ہیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو یتامیٰ کا حق کھاتے ہیں۔ بار تعالیٰ کا ارشاد ہے "اور جو لوگ یتیموں کا مال ناحق کھاتے ہیں وہ لوگ چنگاریاں کھا کر اپنا پیٹ بھر رہے ہیں اور یہ لوگ اس کے بعد بھڑکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۱۲) (پ ۴ ع ۱۲)

راہ کے موزی

پھر ایسے لوگوں پر گزر ہوا جو شارع عام سولیوں پر لٹکائے جا رہے ہیں اور سولیاں ایسے کانٹے رکھتی ہیں کہ راہ جانے والے کے جسم اور لباس کو نوچ لیتی ہیں۔ آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو راستہ پر بیٹھ کر جانے والے کو تکلیف دیتے تھے۔ اللہ نے فرمایا "اے لوگو راستہ پر اس طرح مت بیٹھو کہ تم لوگوں کو ڈراؤ اور اللہ تعالیٰ کے راستہ سے روکو۔ (درمنثور ج ۴ ص ۲۴) (پ ۸ ع ۱۸)

خیانتی

پھر ایسے لوگوں پر گزر ہوا جن کی پیٹھ پر بہت سا بوجھ تھا حالانکہ بوجھ کے مارے وہ

جنبش اور ہلنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے۔ مگر پھر بھی وہ کہہ رہے تھے ہاں لاؤ اور بوجھ رکھ دو چنانچہ ان کے کہنے پر اور بوجھ لادا جا رہا ہے۔ آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ ان لوگوں کی صورت مثالی ہیں جو امانت میں خیانت کرتے ہیں اور باوجودیکہ اس قدر لوگوں کے حقوق ان کی گردن میں ہیں لیکن وہ حقوق زیادہ اپنے ذمہ لیتے ہیں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو خدا اور رسول کے ساتھ خیانت نہ کرو اور آپس کی امانتوں میں خیانت نہ کرو اور تم جانتے ہو۔ (معارج النبوۃ ج ۳ ص ۱۳۴) (پ ۹ ع ۱۷)

خوشامدی

پھر ایسے لوگوں پر گزر ہوا کہ ان کے ہونٹ اور زبانیں آگ کی مقراضوں سے کاٹی جاتی ہیں۔ جب وہ اپنی اصلی حالت میں آتی ہیں فرشتے پھر کاٹ لیتے ہیں اور ایک ساعت کی مہلت نہیں دیتے۔ آپ نے ان کے بارے میں پوچھا حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو بادشاہوں کے پاس جاتے ہیں اور اس کی خوشامد کرتے ہیں اور ان کے جھوٹ اور صاف بری باتوں پر ہاں میں ہاں ملاتے ہیں اور ان کو ظلم، فسق فجور سے نہیں روکتے اور انصاف واحسان کا فرمان نہیں سناتے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

ایسے لوگوں کی طرف میلان نہ کرو جن لوگوں نے ظلم کر رکھا ہے پھر تم کو بھی آگ کی سزا ملے گی۔ (معارج النبوۃ ج ۳ ص ۱۳۴)

غیبت کرنے والے

ایسے لوگوں پر گزر ہوا جن کو مردار جانور کے گوشت کا ٹکڑا کھلایا جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا یہ کون لوگ ہیں۔ حضرت جبرائیل نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو چغل خوری کرتے ہیں اور دوسرے بھائی کا گلہ کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

ایک دوسرے کے عیب نہ ڈھونڈو اور تمہارا بعض بعض لوگوں کا گلہ نہ کرے کیا تم میں سے کسی کو یہ بات پسند آتی ہے کہ وہ اپنے بھائی کا گوشت کھائے جبکہ وہ مردہ ہو بلکہ

تمہیں نفرت ہو گی اور اس کو کھانے کو برا جانو گے۔ اس طرح چاہئے کہ تم کو غیبت سے نفرت آئے اور اس کو برا جانو۔ (اخبار القرآن ص ۲۶۲)

شراب نوش

ایسے لوگوں پر گزر ہوا جن کے چہرے کالے اور آنکھیں نیلی تھیں۔ ان کا نچلا ہونٹ پاؤں پر لٹکتا تھا اور اوپر کا ہونٹ سر کے اوپر جاتا تھا۔ دوزخ کی آگ کا زرد پانی آگ کے پیالوں میں پلائے جاتے تھے۔ حتیٰ کہ پیپ اور خون ان کے منہ سے ٹپکتا تھا اور گدھے کی طرح ہینگتے اور چلاتے تھے۔ آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو زندگی میں شراب پیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اے وہ لوگ جو ایمان لائے ہو بجز اس کے اور کوئی صورت نہیں کہ شراب اور جوا اور بت اور فال کے تیر سب شیطانی کام کرتے ہیں۔ ایسے کاموں سے بچ کر رہا کرو نہ تم ان کے بچنے کے سبب عذاب اخروی سے نجات پاؤ۔ (اخبار القرآن ص ۲۶۲)

جھوٹے گواہ

ایسے لوگوں پر گزر ہوا جن کی زبانیں گدی سے نکالی گئی ہیں اور ان کی شکلیں مسخ ہو کر سو جیسی شکلیں بن گئی ہیں۔ سر سے پاؤں تک عذاب میں گرفتار ہیں۔ آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو جھوٹی گواہی دیتے تھے۔ فرمانِ الٰہی پس تم لوگ بتوں کی پلیدی سے بچے رہے اور جھوٹی گواہی یا جھوٹی بات کہنے سے بھی بچتے رہو۔ (ریاض الازیار ص ۲۱۴)

سود خوار

ایسے لوگوں پر گزر ہوا جن کے پیٹ سوج کر کوٹھے کی طرح ہو گئے تھے اور ان کے چہرے پیلے ہو گئے تھے۔ طوق ان کے گلے میں اور زنجیر ان کے ہاتھوں میں اور بیڑیاں ان کے پاؤں میں پڑی ہوئی تھیں۔ جب چاہتے تھے کہ اٹھ کھڑے ہوں تو پیٹ کے

پھولنے کے سبب گر جاتے تھے اوپر اور نیچے عذاب میں مبتلا تھے۔ آپ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو سود کھاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اور وہ لوگ جو سود کھاتے ہیں قیامت کے روز اس طرح اٹھیں گے جس طرح وہ شخص اٹھتا ہے جسے شیطان نے چھو کر بدحواس بنا دیا ہو۔ (درمنثور ج ۴ص ۱۴۲)

قاتل ناحق

ایسے لوگوں پر گزر ہوا جن کو فرشتے آگ کی چھریوں سے ذبح کر رہے تھے اور ان کے گلے سے کالا خون بہتا تھا وہ پھر زندہ ہو جاتے تھے تو پھر ذبح کئے جاتے تھے۔ حضرت جبرائیل نے کہا یہ وہ لوگ ہیں جو ناحق قتل کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

جو شخص کسی ایماندار کو عملاً اور قصداً قتل کرتا ہے جبکہ اس قتل کرنے کو حلال بھی جانتا ہو تو اس کی سزا دوزخ مقرر ہے۔ اس میں ہمیشہ رہے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے اور اس کے گناہ کے ارتکاب کے باعث وہ ایسے جرم کا مرتکب ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس مجرم کے لئے بہت بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

(ریاض الازہار ص ۳۴۱)

نافرمان بیویاں

عورتوں کے ایک گروہ پر گزر ہوا کہ ان کے چہرے کالے اور آنکھیں نیلی ہیں۔ آگ کے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ فرشتے ان کو آگ کے گرز مارتے ہیں اور وہ گدھوں اور کتوں کی طرح چلاتی ہیں۔ حضرت جبرائیل نے کہا یہ وہ عورتیں ہیں جو اپنے خاوندوں کی نافرمان ہیں۔ قرآن میں ہے مرد عورتوں پر حاکم ہیں اور حاکم کی نافرمانی اچھی نہیں۔

(تفسیر ابن جریر ج ۱۵ص ۱۱)

ماں باپ کے عاق

پھر ایسے لوگوں پر گزر ہوا جو آگ کے جنگل میں قید تھے۔ ان کو آگ جلاتی تھی پھر

وہ درست ہو جاتے تھے۔ اس وقت پھر ان کو آگ جلا دیتی تھی اور یوں ہی سلسلہ جاری تھا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جو ماں باپ کے عاق یعنی نافرمان ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اور پروردگار کا حکم ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ بھلائی کرو اگر تیرے پاس ان میں سے ایک بڑھاپے کو پہنچ جائے یا وہ دونوں ہی بڑھاپے کی حد میں پہنچ جائیں تو ان کو اف نہ کہو اور نہ ہی ان کو عتاب کرو اور ان کے ساتھ بھلائی کی بات کرو۔ (پ ۱۵ ع ۳)

دغاباز اور منافق

ایسے لوگوں کو دیکھا جو ہوا میں لٹکے ہوئے تھے اور ان کی ناک آنکھ اور کان سے آگ کے شعلے نکلتے تھے۔ ان میں سے ہر ایک پر دو فرشتے مقرر تھے۔ جن کے ہاتھوں میں آگ کے گرز تھے۔ اتنے بڑے گرز تھے کہ ہر ایک گرز کی ستر شاخ تھی۔ اگر ایک شاخ ابوقیس پہاڑ پر پڑے تو تاب نہ لا کر ریزہ ریزہ ہو جائے۔ دونوں فرشتے اس گرز سے اس کو سزا دیتے تھے اور یہ تسبیح پڑھتے تھے۔ **سبحان القادر المقتدر سبحان المنتقم عن اعدآء ہ سبحان الملک العظیم** ۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ دغاباز لوگ اور منافق لوگ ہیں۔ قرآن مجید میں ہے۔

بے شک وہ لوگ جو خدا اور رسول سے منافقت کرتے ہیں دوزخ کی تہہ میں سب سے نچلے طبقے میں ان کا ٹھکانا ہے۔

اور جو لوگ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے دھوکہ کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ ان کو دھوکہ کی سزا دے گا۔ (معارج النبوۃ ج ۳ ص ۱۳۵)

(ف) یاد رہے کہ جلالین میں لکھا ہے کہ حذف محذوف کے قاعدہ کے موافق لفظ اللہ سے رسول مراد ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ غائب الغیب ہے اس سے دھوکہ کیسے ہو سکتا ہے۔

اس لئے آیت کی تفسیر میں لکھا ہے یحادعون رسول اللہ

بے ہودہ گانے والے

پھر ایک گروہ پر گزر ہوا کہ آگ کے طبق ان کے سینوں پر رکھے ہوئے ہیں۔ ان کے منہ کالے ہیں۔ آنکھیں نیلی ہیں اور قطران (لک) کے کپڑے پہنے ہوئے ہیں۔ فرشتے ان کو آتشی گرز مارتے ہیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی کہ یہ مطرب اور بے ہودہ گانے والے لوگ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

بعض ایسے لوگ ہیں جو کھیلنے کی باتوں کو خرید کرتے ہیں تاکہ خدا کے راستہ سے لوگوں کو گمراہ کریں بغیر کسی دلیل اور ثبوت کے اور خدا کی آیات کا استہزاء کریں وہ ایسے لوگ ہیں جن کے لئے اہانت کرنے والا عذاب تیار کیا گیا ہے۔ (معارج النبوۃ ج ۳)

رعد فرشتہ

پھر ایک فرشتہ کو دیکھا جو آدمی کی شکل رکھتا تھا جس کا اوپر والا جسم کا حصہ آگ کا تھا اور نیچے والا نصف حصہ برف کا تھا۔ آگ برف کو نہیں پگھلاتی تھی اور برف آگ کو نہیں بجھاتی تھی۔ اس فرشتہ کی تسبیح یہ تھی۔

سبحن الذی الف بین الثلج والنار الف بین عبادك الصالحین ۔

آپ نے پوچھا یہ کون ہے۔ حضرت جبرائیل نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اس فرشتہ کو اپنی کمال قدرت سے پیدا فرمایا ہے اور یہ فرشتہ بادلوں پر مؤکل ہے حتیٰ کہ جس جگہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہوتا ہے یہ فرشتہ اس جگہ بادلوں کو لے جاتا ہے۔ اس فرشتہ کا نام رعد ہے۔ اس لئے کہ رعد کے معنی گرجنے کے ہیں اور یہ فرشتہ بھی جب چاہتا ہے بادلوں کو چلاتا ہے اور ان کو ہانکتا ہے۔ اس ہانکنے سے جو گرج پیدا ہوتی ہے۔ اس کو گرج کو بھی رعد کہتے ہیں اور قرآن میں ہے۔

يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهٖ (پ ۱۳ ع ۸) اور رعد فرشتہ جب بادلوں کو چلاتے وقت گرجتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان فرماتا ہے اور تعریف بیان کرتا ہے۔

(الف) فرشتہ کی تعریف

باالفاظ دیگر فرشتہ کسے کہتے ہیں تو عربی کی کتابوں میں لکھا ہے فرشتہ نوری جسم ہوتا ہے جو مختلف شکلوں اور صورت میں اپنی شکلیں بنا سکتا ہے وہ مذکر اور مؤنث نہیں ہوتا۔

(ف) اس تعریف کے بعد یہ سوال ہی پیدا نہیں ہو سکتا کہ رعد فرشتہ آگ اور برف سے کیسا بنا ہے۔

(ب) فرشتوں کی شکلیں حدیث کی روشنی میں۔

(۱) حضرت امیر عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے۔ ایک آدمی اس مجلس میں آگیا جس کے کپڑے سفید تھے اور اس کے بال بہت سیاہ تھے۔ (ابن حبان کی حدیث میں ہے کہ اس کی داڑھی بہت سیاہ تھی) اور اس پر سفر کا کوئی اثر معلوم نہ ہوتا تھا۔ اور ہم میں سے کوئی بھی اس کو نہ پہنچانتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے دوزانوں ہو کر بیٹھ گیا اور اپنے دونوں ہاتھوں کو اپنے گھٹنوں پر رکھا۔ پھر اس نے حضور علیہ السلام سے چند مسئلے پوچھے۔ (جن کا ذکر حدیث میں مفصل آتا ہے) اور پھر چلا گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اس شخص کو میرے پاس واپس لاؤ پھر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کو واپس لانے کے لئے گئے مگر کچھ نشان نہ پایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ جبرائیل علیہ السلام تھے۔ (مسلم شریف ج ۱)

(۲) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ملک الموت کو حضرت موسیٰ کے پاس بھیجا گیا۔ پھر جب وہ ان کے پاس آئے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو طمانچہ مارا۔ واپس وہ اپنے رب کے پاس آگیا اور کہا تم نے مجھے ایسے شخص کے پاس بھیجا ہے جو موت نہیں چاہتے۔ (فتح الباری میں ہے کہ ہمام کی روایتوں میں یہ زیادتی بھی ہے) اور اس نے میری آنکھ نکال دی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کو دوبارہ آنکھ عطا فرمائی اور فرمایا کہ تو اس کو یوں کہہ کہ آپ اپنا ہاتھ بیل کی پشت پر رکھیں جس قدر بال آپ کے ہاتھ

کے نیچے ہو جائیں اتنے ہی برس آپ کی عمر زیادہ ہو گی۔ جب فرشتے نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے یوں کہا تو آپ نے فرمایا اس کے بعد کیا ہو گا۔ فرشتے نے کہا "موت" اس پر حضرت موسیٰ نے کہا کہ پھر ابھی موت ہونی چاہئے۔ (بخاری شریف مع حاشیہ اص ۴۸۲)

بحرالحیوان

اس کے بعد آپ ایک دریا پر پہنچے کہ اس دریا کے عجائب و غرائب گنتی سے زیادہ ہیں۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید تھا۔ اور اس کی موجیں پہاڑوں سے زیادہ اونچی تھیں۔ حضرت جبرائیل نے عرض کی یارسول اللہ! اس دریا کو بحرالحیوان کہتے ہیں جب قیامت کے روز لوگوں کا حشر ہو گا تو اس دریا سے زمین پر بارش ہو گی جس کے اثر سے بوسیدہ ہڈیاں اور ریزہ شدہ اجزاء باہم جمع ہو جائیں گے اور انسان کا جسم بحکم خداوندی زندگی حاصل کرے گا۔ قرآن مجید میں ہے۔

اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے، جس نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو رزق دیا پھر تم کو مارے گا پھر تم کو زندہ کرے گا۔ (معارج النبوۃ ج ۳)

(ف) اس آیت کریمہ سے نشاۃ ثانیہ کا ثبوت مقصود ہے۔ بحرالحیوان کا ثبوت مطلوب نہیں۔

دوسرا آسمان:

پھر آپ دوسرے آسمان پر تشریف لے گئے تو وہ آسمان نہایت ہی نورانی تھا۔ اس کا نام قیدوم تھا اور اس کا دروازہ موتی کا قفل نور کا تھا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام آگے بڑھے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔ دربان نے کہا آپ کون ہیں؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا میں جبرائیل ہوں۔ دربان نے کہا آپ کے ساتھ کون ہیں؟ حضرت جبرائیل نے کہا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ پھر دربان نے پوچھا کیا آپ کو بلایا گیا ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا ہاں۔ بلائے گئے ہیں۔ دربان نے کہا کہ الحمدللہ آپ تشریف لائے ہیں اور دروازہ کھول دیا۔ اس دربان کا نام اسرافیل ہے اور

اس کے تابع دولاکھ فرشتے مقرر ہیں۔ان کو آپ نے سلام کیا۔تمام نے نہایت عظمت کے ساتھ سلام کا جواب دیا۔ان کی تسبیح یہ تھی۔سبحان اللہ حلما سبح اللہ مسبح والحمد اللہ کلما ھل اللہ مھلك واللہ اکبر کلما کبرا اللہ مکبرا

(ریاض الازیاد ص ۲۱۵)

فرشتے رکوع میں

آپ نے فرشتوں کو دیکھا کہ صف بستہ حالت رکوع میں ہیں۔یہ تسبیح کہہ رہے تھے۔سبحان الوارث الواسع سبحان الذی یدرك الابصار سبحن العظیم ۔العلیم ۔اور یہ فرشتے جب سے پیدا ہوئے ہیں رکوع میں ہیں۔جبرائیل علیہ السلام سے آپ نے پوچھا کہ دوسرے آسمان کے فرشتوں کی یہی دعا ہے۔اس نے کہا ہاں یارسول اللہ! اس آسمان کے فرشتوں کی یہی عبادت ہے۔آپ بھی دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ آپ کی امت کو اس عبادت کا ثواب عطا فرمائے چنانچہ آپ نے اس وقت دعا فرمائی۔آپ کی دعا کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے نماز میں رکوع کو فرض کر دیا۔

(معارج النبوۃ ج ۳ ص ۱۲۷)

حضرت عیسیٰ اور حضرت یحییٰ علیہما السلام

جب آپ فرشتوں کے گروہ سے گزرے تو آپ نے دو نوجوان دیکھے جو ہم شکل ہیں اور آمنے سامنے دو سونے کی کرسیوں پر بیٹھے ہوئے ہیں۔جبرائیل علیہ السلام سے ان کا حال دریافت فرمایا تو اس نے کہا۔یہ دونوجوان حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ علیہ السلام ہیں جو کہ آپس میں رشتہ کے لحاظ سے خالہ زاد بھائی ہیں۔یاد رہے کہ حضرت یحییٰ کی والدہ حضرت مریم کی خالہ ہیں۔گویا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے مجازی طور پر خلیر بھی کہہ سکتے ہیں۔حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا۔آپ ان کو سلام کیجئے چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو سلام کیا۔انہوں نے سلام کا جواب دے کر کہا

مرحبا بھائی نیک اور نبی نیک کو۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آپ کو بہت سی خوشخبری سنائی اور ان خصوصیات کا ذکر کیا جو خداوند تعالیٰ کی عنایت سے آپ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ آپ کی تسبیح یہ تھی: **سبحان الجنان المنان سبحن المبدی المعین ۔**

(معارج النبوۃ ج ۳ ص ۱۳۷)

رزق تقسیم کرنے والا

پھر آپ ایسے فرشتے پر گزرے جس کے ستر سر تھے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ستر ہزار تھے اور ہر سر میں ستر ہزار منہ تھے اور ہر منہ میں ستر ہزار زبانیں تھیں۔ اور ہر زبان کی ستر ہزار بولی تھی اور ہر بولی دوسری بولی سے نہ ملتی تھی۔ اس کی تسبیح یہ تھی۔

سبحان الخالق العظیم سبحان اللہ وبحمدہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت جبرائیل سے پوچھا کہ اس فرشتے کا کیا حال ہے۔ حضرت جبرائیل نے بتایا کہ یہ فرشتہ مخلوق کی روزی پہنچانے میں مامور ہے۔ ہر شخص کا رزق جو مقسوم میں ہے ہر روز اس کو پہنچاتا ہے۔ اس فرشتے کا نام قاسم ہے۔

(معارج النبوۃ ج ۳ ص ۱۳۷)

تیسرا آسمان

جب تیسرا آسمان آیا تو دیکھا کہ سفید موتی سے زیادہ روشن اور چمکدار نورانی قندیلیں رکھی ہوئی ہیں۔ اس آسمان کا نام زیلون تھا۔ اس کے دربان کا نام کائیل ہے۔ تین لاکھ فرشتے اس کے قائل ہیں جن کی تسبیح یہ ہے۔ **سبحان المعطی الوھاب الفتاح العظیم سبحان المجتد لمن دعاہ** ۔ حضرت جبرائیل نے دروازہ کھولنے کو کہا حسب معمول دربان نے دروازہ کھولا۔ (ریاض الازہار ص ۲۱۶)

فرشتے سجدہ میں

وہاں آپ نے بہت سے فرشتے دیکھے جو صف بستہ سجدہ میں پڑے ہوئے تھے۔ آپ نے ان کو سلام کہا۔ انہوں نے سر اٹھایا اور سلام کا جواب دیا اور پھر سجدہ میں چلے

گئے اور سجدہ میں وہ یہ تسبیح کہتے تھے۔ سبحان الخالق العلیم سبحان الذی لا مفرو لا ملجاء الاعلیہ سبحان العلی الاعلی۔ میں نے جبرائیل سے پوچھا کہ اس آسمان کے فرشتوں کی یہی دعا ہے۔ اس نے عرض کیا ہاں آپ بھی حق تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ آپ کی امت کو بھی اس طرح عبادت عطا فرمائے۔ اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے دعا فرمائی کہ میری امت کو بھی اس عبادت سے حصہ عطا فرمائے۔ اس وقت اللہ جل شانہ نے آپ کی امت پر ہر رکعت میں دو سجدہ فرض کئے۔ اس واسطے کہ ان فرشتوں نے سلام کا جواب دینے کے لئے سجدے سے سر اٹھایا اور دوبارہ سجدے میں چلے گئے۔ (معارج النبوۃ ج ۳ ص ۱۲۸)

حضرت یوسف علیہ السلام

پھر آپ نے یوسف علیہ السلام کو دیکھا کہ وہاں عبادت میں مشغول ہیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آپ کو بتایا کہ یہ حضرت یوسف علیہ السلام ہیں۔ ان کو سلام کیجئے۔ آپ نے سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دے کر معانقہ کیا اور اللہ تعالیٰ کی مہربانیوں کی خوشخبری سنائی۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی تسبیح یہ تھی۔ سبحان الکریم الاکرم سبحن الجدیل الاجل سبحان الفرد الوتر سبحان الابد الابد

(ریاض الازہار ص ۲۱۷)

آپ نے فرمایا کہ میں نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جو خدا کی مخلوق میں سب سے زیادہ خوبصورت ہے اور سب لوگوں پر حسن میں ایسے فضیلت رکھتا ہے جیسے چودھویں رات کا چاند ستاروں پر فوقیت رکھتا ہے اور وہ حضرت یوسف علیہ السلام تھے۔ اس سے ظاہر متبادا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام تمام لوگوں سے زیادہ خوبصورت تھے لیکن ترمذی شریف میں حضرت انس سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو مبعوث نہیں فرمایا مگر وہ خوبصورت اور خوش آواز ہوتا ہے اور تمہارے نبی ان سب نبیوں سے زیادہ خوبصورت اور زیادہ خوش آواز ہیں۔ (فتح الملہم ج ۱ ص ۳۱۹)

تکبر کرنے والے

جب آپ آگے بڑھے تو دیکھا کہ ایک فرشتہ کرسی پر بیٹھا ہوا ہے۔ اس کے ستر ہزار پر ہیں۔ اگر ایک پر کو پھیلائے تو مشرق سے مغرب تک تمام جہان کو گھیرے گا۔ اس فرشتے کے اردگرد بھی بڑی جسامت والے فرشتے موجود تھے۔ یہاں تک کہ ان میں سے ایک کی طول و قامت بارہ سو برس کی راہ تھا۔ وہ فرشتے لوگوں کے ایک گروہ کو آتش گرزوں سے اس طرح عذاب دے رہے تھے کہ جب ان کو گرز مارتے تو ان کے جسم ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں۔ پھر اصل حالت ہو جاتے ہیں پھر دوبارہ ان کو مار کر ریزہ ریزہ کیا جاتا ہے۔ آپ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو اس فرشتے کا نام اور ان لوگوں کے عذاب کا سبب پوچھا۔ حضرت جبرائیل نے کہا اس فرشتہ کا نام ضوصائیل ہے اور یہ لوگ وہ ہیں جو جبر اور تکبر کرتے تھے۔ کہ اپنے کیے کی سزا بھگت رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس فرشتہ کو اس کے تمام خادموں کے ساتھ اسے مقرر کر دیا ہے تا کہ اس طور پر قیامت تک ان کو عذاب دیتے رہیں۔ اس فرشتہ کی تسبیح یہ تھی۔ **سبحان من هو فوق الجبارين سبحان من هو فوق المسلطين لمن عصاه** ۔ (معارج النبوۃ ج ۳ ص ۱۳۹)

چوتھا آسمان

چوتھا آسمان مثل مروارید سفید کے چمکتا تھا۔ اس آسمان کا نام زہرہ ہے۔ اس آسمان کا دروازہ نور کا اور قفل بھی نور کا لگا ہوا ہے۔ اس پر نور سے لکھا ہوا ہے۔

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

اس کے دربان کا نام موضائیل ہے چار لاکھ فرشتے اس کے تابع ہیں جن کی تسبیح یہ ہے۔ **سبحان خالق و الظلمات والنور سبحان خالق الشمس و القمر المنير سبحان الرفيق الاعلى** ۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دروازہ کھولنے کے لئے کہا دربان نے حسب معمول سابق کے دروازہ کھول دیا۔

فرشتے قعدہ میں

آسمان پر فرشتے دو زانوں بیٹھے ہوئے تھے اور یہ تسبیح پڑھ رہے تھے۔ سبحان الرؤف الرحیم سبحان النور المبین سبحان الذی لا یخفی علیہ شیء سبحان رب العلمین۔ آپ نے فرمایا اے جبرائیل بتایئے کہ اس آسمان کے فرشتوں کی یہی عبادت ہے۔ اس نے کہا ہاں آپ بھی اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ اس طرح کی عبادت کا حصہ ان کو عطا ہو۔ اس کے بعد آپ نے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی اللہ تعالیٰ نے آخری قعدہ نماز میں فرض کر دیا۔

(معارج النبوۃ ص ۱۳۹)

حضرت ادریس علیہ السلام

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جب میں وہاں پہنچا تو حضرت ادریس علیہ السلام وہاں پر موجود تھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی یہ حضرت ادریس علیہ السلام ہیں۔ آپ ان کو سلام کیجئے۔ میں نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا کہ مرحبا اے نبی صالح اس کے بعد اس نے میرے حق میں دعا کی۔

(بخاری شریف رقم الحدیث 342، 3035)' (مسلم شریف رقم الحدیث 164)' (ترمذی شریف رقم الحدیث 3346)' (نسائی شریف رقم الحدیث 448)' (مسند امام احمد رقم الحدیث 17867)' (ابن خزیمہ رقم الحدیث 301)' (سنن الکبریٰ رقم الحدیث 313)

حضرت عزرائیل

اس کے بعد ایک فرشتہ دیکھا جو نہایت غمگین صورت میں کرسی پر بیٹھا ہوا تھا۔ اور اس کی آنکھ سے انوار چمک رہے تھے۔ اس کرسی کے چار گوشے تھے اور ہر گوشہ میں سات لاکھ پائے تھے۔ اس کرسی کے آس پاس بہت فرشتے کھڑے تھے جن کی تعداد اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ دائیں طرف ایسے فرشتے کھڑے تھے جو نورانی چہرے والے سبز پوش اور عنبر کی خوشبو والے تھے۔ نرمی سے بات کرنے والے اور بہت ہی خوبصورت نیک

خصلت تھے جن کو دیکھ کر جی خوش ہو جائے بائیں طرف ایسے فرشتے کھڑے تھے جن کے چہرے سیاہ تھے۔ بہت ہی تند جو تھے اور تسبیح کی بجائے ان کے منہ سے شعلے نکلتے تھے کہ کسی کو ان کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی طاقت نہ تھی۔ اس بڑے فرشتے کے سامنے ایک تختہ تھا جسے ہر وقت دیکھتا رہتا تھا اور اس سے نظر نہیں اٹھاتا اور سبز پتوں کا ایک بہت بڑا درخت ہے جس کے اتنے پتے ہیں کہ ان کی گنتی اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور ہر ایک پتہ پر ایک آدمی کا نام لکھا ہوا ہے اور اس فرشتہ کے سامنے ایک تھال بھی رکھا ہوا ہے اور وہ فرشتہ ہر ساعت میں ہاتھ بڑھاتا ہے اور ہاتھ میں کچھ چیز لے کر کبھی داہنی طرف والے فرشتے کو دیتا ہے اور کبھی بائیں طرف والے فرشتے کو دیتا ہے۔ حضرت جبرائیل نے کہا اس فرشتہ کا نام حضرت عزرائیل علیہ السلام ہے۔ اس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام نے آگے جا کر اس کو مطلع کیا کہ اے عزرائیل! یہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ تب اس نے سر اٹھایا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف دیکھ کر تبسم کیا اور تعظیم کے لئے کھڑا ہو گیا اور کہا خوش آمدید ہو۔ اللہ تعالیٰ نے آپ سے زیادہ پیارا پیدا نہیں کیا اور کوئی امت آپ کی امت سے زیادہ فضیلت والی نہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ حضرت عزرائیل نے کہا ارشاد فرمایئے۔ کیا فرمان ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے پوچھا کہ آپ غمگین صورت میں کیوں نظر آتے ہیں۔ اس نے عرض کیا کہ میرے ذمہ روحوں کے قبض کرنے کا کام سپرد ہے اور میں ہر وقت ڈر کے مارے غمگین صورت رہتا ہوں کہ خدا کرے میری خدمت قبول ہو جائے اور اس میں قصور سرزد نہ ہو جائے۔ پھر آپ نے فرمایا تمہارے سامنے یہ تھال کیسا ہے؟ اور یہ تختہ کیسا ہے؟ اور اس درخت کا کیا مقصد ہے؟ اس نے کہا یہ تھال مثال تمام دنیا کی ہے کہ قاف سے قاف تک تمام جہان میری قدرت میں ایسے ہے جیسے یہ تھال میرے سامنے ہے اور یہ تختہ زندگی معیاد اور موت کا وقت بتاتا ہے اور اس درخت کے ہر پتے پر نیک یا گناہ گار لکھا ہوا ہے جب وہ بیمار ہو جاتا ہے تو وہ پتہ جس پر اس کا نام درج ہے زرد ہو جاتا ہے اور جس وقت اس کی موت آتی ہے وہ پتہ خشک ہو کر اس تختہ میں گر جاتا ہے میں اس کا نام تختہ سے کاٹ کر

ہاتھ دراز کرتا ہوں اور اس بندہ کی روح قبض کر لیتا ہوں۔ خواہ مشرق میں یا مغرب میں۔ پھر آپ نے پوچھا یہ فرشتے دائیں بائیں کس کام میں لگے ہوئے ہیں۔ اس نے کہا دائیں طرف والے رحمت کے فرشتے ہیں جب کسی نیک آدمی کی روح قبض کرتا ہوں تو ان کے حوالے کر دیتا ہوں اور جب کسی برے انسان کی روح قبض کرتا ہوں تو بائیں طرف والے فرشتوں کے سپرد کر دیتا ہوں۔ آپ نے پوچھا یہ فرشتے کس قدر ہوں گے۔ اس نے کہا ان کی گنتی کا علم اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے لیکن روح کے قبض کا وقت ہوتا ہے تو چھ لاکھ رحمت کے فرشتے اور چھ لاکھ عذاب کے فرشتے آجاتے ہیں پھر میں نیک روح کو رحمت کے فرشتوں کے حوالے کرتا ہوں اور برے روح کو عذاب کے فرشتے کے حوالے کرتا ہوں۔ پھر قیامت تک ان کو دوبارہ حاضر ہونے اور روح کو لینے کی نوبت نہیں آئے گی۔ اس کے بعد آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا ہر جاندار کی روح قبض کرنے کے لئے تو خود جاتا ہے یا کسی دوسرے فرشتے کو بھیج دیتا ہے۔ اس نے کہا جس دن سے میں یہاں آکر ٹھہرا ہوں میں کبھی اس جگہ سے ہلا نہیں لیکن ستر ہزار فرشتے میرے ماتحت ہیں اور پھر ہر فرشتے کے تابع ستر ہزار فرشتے ہیں جب کسی بندہ کی روح قبض کرنے کا وقت آتا ہے تو میں ان کو بھیج دیتا ہوں تاکہ وہ اس بندہ کی روح قبض کر کے اس کے خلق تک لے آئیں۔ اس کے بعد میں خود ہاتھ بڑھا کر کام پورا کر لیتا ہوں۔ حضور علیہ الصلوۃ نے فرمایا اے مقرب فرشتے! میں تجھ سے ایک درخواست کرتا ہوں اگر قبول کرے تو کہوں؟ حضرت عزرائیل نے کہا آپ فرمایئے میں بدل وجان اس بات کو قبول کروں گا۔ آپ نے فرمایا میری امت کے ساتھ سہولت اور آسانی کا معاملہ کیا کرو۔ عزرائیل نے کہا کہ مجھے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور جلال کی قسم ہے کہ اللہ تعالیٰ مجھے ہر دن رات میں ستر ہزار مرتبہ حکم فرماتا ہے کہ اے عزرائیل میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ساتھ سختی نہ کرنا اور بہت نرمی کرنا۔ بنا بریں عرض ہے کہ میں ان پر بہت مہربان ہوں۔ (ریاض الازہار ص ۳۱۸)

سورج

پھر آپ نے سورج کو ملاحظہ فرمایا۔ حضرت ابن عباس کی روایت ہے کہ سورج کا

طول وعرض اسی ہزار برس کی راہ ہے۔ ہر روز تین لاکھ فرشتے اس کو مشرق سے مغرب میں لاتے ہیں پھر وہ فرشتے عبادت میں مشغول ہو جاتے ہیں اور دوسرے دن اور فرشتے اس قدر آ جاتے ہیں اور یہی کام کرتے ہیں اور قیامت تک ان کی نوبت نہیں آتی۔ جب رات کا وقت ہوتا ہے تو سورج کو عرش کے نیچے لے جاتے ہیں۔ حتیٰ کہ وہاں سجدہ میں اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتا ہے اور وہیں رہتا ہے۔ تا آنکہ صبح کے وقت اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کو جانب مشرق میں لاتے ہیں اور اسی طرح یہ کام رہتا ہے۔ حتیٰ کہ قریب قیامت کے وقت اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ تو سورج کو فرشتے مغرب کی طرف سے لائیں گے اور ادھر ہی سے طلوع کرے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اور سورج اپنی جائے قرار (یعنی عرش کے نیچے سجدہ کے لئے) چلتا رہتا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے جو کہ سب پر غالب اور ہر بات کا جاننے والا ہے۔ (پ ۲۳ ع ۱) حدیث شریف میں آیا ہے۔

حضرت ابی ذر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک دن صحابہ سے خطاب فرمایا کیا تم بتلا سکتے ہو کہ یہ سورج کہاں جاتا ہے۔ صحابہ کرام نے عرض کی کہ اللہ اور اس کا رسول اچھا جانتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ یہ سورج چلتا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ یہ اپنی قرارگاہ تک پہنچ جاتا ہے جو عرش کے نیچے مقرر ہے۔ وہاں یہ سجدہ میں پڑا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ اس کو کہا جاتا ہے کہ سر کو اٹھا اور جہاں سے آیا ہے وہیں واپس چلا جا پھر وہ مشرق سے طلوع کرتا ہے اور پھرتا رہتا ہے۔ حتیٰ کہ اپنے ٹھکانہ پر پہنچ جاتا ہے۔ جو کہ عرش کے نیچے ہے۔ پھر وہاں سجدہ میں پڑا رہتا ہے۔ یہاں تک کہ اس کو کہا جاتا ہے سجدہ سے سر اٹھا اور جہاں سے آیا ہے وہیں واپس لوٹ جا۔ پھر وہ لوٹ کر حسب دستور مشرق سے طلوع کرتا ہے اور اس بات کو لوگ نئی بات نہیں سمجھتے۔ اس لئے غروب اور طلوع سورج کی عادت کے مطابق یکساں اور باقاعدہ جاری ہے کہ ہر روز مشرق سے طلوع کرتا ہے اور مغرب میں غروب کرتا ہے۔ حتیٰ کہ جب وہ اپنی قرارگاہ میں

پہنچے گا اور سجدہ میں سر جھکا کر طلوع کا اذن مانگے گا۔ اس وقت اس کو کہا جائے گا کہ سجدہ سے سر کو اٹھا اور مغرب سے طلوع کیجئے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ مغرب سے طلوع کرے گا پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تم جانتے ہو یہ کب ہو گا۔ پھر خود ہی ارشاد فرمایا کہ یہ اس وقت مغرب سے سورج کا طلوع ہو گا جب کسی شخص کو ایمان لانا فائدہ نہ دے گا۔ جو شخص پہلے ایمان نہیں لایا اور نہ ہی کسی شخص کو توبہ فائدہ دے گی جس شخص نے اس سے پہلے توبہ نہیں کی۔ (بخاری شریف رقم الحدیث 4524)

تحقیق سجود شمس

کیونکہ جدید تعلیم اور مغرب تہذیب یافتہ لوگوں کو یہ مسئلہ سمجھنا بہت مشکل ہے کیونکہ ہر رات شام سے صبح تک سورج کا عرش کے نیچے اپنی قرار گاہ میں متواتر سجدہ کرنا کس طرح تسلیم ہو سکتا ہے حالانکہ سورج جب ایک وقت ایک ملک سے غروب کرتا ہے دوسرے ملک میں طلوع ہوتا ہے اور رات کسی جگہ لمبی اور کسی جگہ تھوڑی ہوتی ہے اور دن رات میں بڑا اختلاف ہے۔

حتیٰ کہ فن لینڈ (Finland) بلغاریہ میں بعض اوقات شام کی شفق زائل ہونے سے پہلے صبح صادق ہو جاتی ہے۔ قطب شمالی اور قطب جنوبی میں رات اور دن چھ چھ ماہ کے برابر ہوتے ہیں۔ نوے درجہ کے طول بلد کا بھی یہی حال ہے اور یہ بات دلائل سے ثابت ہے کہ غروب کے سورج کسی جگہ نہیں ٹھہرتا کیونکہ غروب کے بعد کسی نہ کسی ملک میں طلوع کرے گا اگر غروب کے بعد سورج کچھ وقفہ کے لئے ٹھہر جائے تو ضروری ہے کہ دوسرے ملک میں طلوع ہونے میں توقف ہو جائے اور یہ بات واضح ہے کہ سورج اپنے محور سے کبھی بھی جدا نہیں ہوتا۔ ہر آن اور ہر زمان میں وہ کسی نہ کسی ملک میں موجود رہتا ہے اگر ایک ملک سے غائب ہے تو دوسرے ملک میں ظاہر ہے۔ اس لئے ضرورت ہے کہ احادیث صحیحہ کی تشریح کی جائے جس سے عیاں اور برہان سے مطابقت ہو جائے۔ حاصل جواب یہ ہے کہ نفوس قدسیہ کو اللہ تعالیٰ نے یہ قدرت بخشی ہے کہ وہ ایک

وقت میں چند جگہوں پر موجود ہو سکتے ہیں اور ان کے سبب ان کے غایت تقدس ہو سکتا ہے اس کی مثالیں یہ ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وفات شریف کے بعد ایک وقت میں متعدد جگہوں پر دیکھا گیا ہے۔ حالانکہ قبر شریف میں بھی آپ نماز پڑھ رہے ہیں۔ جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قبر میں نماز پڑھ رہے تھے اور بیت المقدس میں بھی جماعت کے ساتھ نماز ادا کی اور چھٹے آسمان پر بھی تشریف فرماتے اور حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے جتنے نبیوں کو دیکھا ہے "سلام ہو ان پر" وہ اپنی قبروں میں موجود تھے۔ اور جہاں دیکھے گئے وہاں بھی موجود تھے۔ اسی طرح حضرت ابراہیم بن ادھم کے بارے میں منقول ہے کہ آپ کو آٹھویں ذی الحج کے دن لوگوں نے بصرہ میں دیکھا اور اسی دن لوگوں نے مکہ میں ان کو دیکھا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے کرامات میں منقول ہے کہ بیک وقت پورے چالیس مقامات مختلفہ ہیں۔ آپ کو دیکھا گیا۔ بیت المقدس کا مسئلہ واضح ہے کہ جب آپ معراج سے واپس آئے تو لوگوں نے بیت المقدس کے نشانات دیکھے تو بیت المقدس کو فرشتوں نے اٹھا کر آپ کے سامنے رکھ دیا اور آپ نشانات بتاتے رہے حالانکہ بیت المقدس اپنے اصل مقام پر موجود تھا۔ بہر حال معجزات اور کرامات کی کیفیت کا ادراک تو ہم عوام کے لئے محال ہے۔ صرف اس قدر جانتے ہیں کہ قدس روح والا خواہ عالم علوی کا ہو یا عالم سفلی کا ہو۔ نبی ہو یا ولی ہو۔ بیت اللہ ہو یا بیت المقدس ہو۔ سورج ہو یا چاند ستارے ہوں۔ ان کو اللہ تعالیٰ نے قدرت عطا کی ہے کہ ایک وقت میں متعدد مقامات پہ موجود ہو سکتے ہیں۔ اب اس تقریر سے یہ استحالہ نہ رہا کہ سورج اپنے محور میں بھی موجود ہے اور عرش کے نیچے سجدہ بھی کرے اور خدا تعالیٰ کی تسبیح بھی کرے اور ہر طلوع کے لئے اذن بھی چاہتا رہے۔ ایک مقدس ہستی کے لئے اس قسم کا تعداد کوئی محال نہیں ہے۔ گویا نئی روشنی کے لوگ اس بات کو بعید از عقل کہہ دیں تو سورج کی کرامت متصور ہوگی حالانکہ کرامت اس کو کہتے ہیں جو عادت اور عقل کے خلاف اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی قدرت سے ظاہر ہو جائے اور یہ سوال و جواب کی تقریر تفسیر روح المعانی میں سے

نقل کی گئی ہے۔ باقی رہا یہ اشکال کہ سورج اپنے مدار پر حرکت کر رہا ہے۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ غروب ہونے کے بعد سورج الٹی حرکت کر کے مغرب کی طرف سے طلوع کرے گا تو اس کا جواب اس قدر کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سب قدرت ہے۔ یہ سب اس کا کارخانہ ہے۔ اپنے کارخانہ عالم کو جس طرح اس کی مشیت ہو چلا سکتا ہے اور کسی وقت ایسا بھی ہو چکا ہے کہ کسی وقت حضرت سلیمان علیہ السلام کی نماز قضا ہو گئی۔ سورج کے غروب ہونے کے بعد واپس طلوع کیا۔ حتیٰ کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے نمازِ عصر ادا کی اور پھر سورج کو غروب کیا۔ اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خیبر کے موقع پر نمازِ عصر قضا ہو گئی۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ فرمایا ڈوبا ہوا سورج دوبارہ طلوع کر کے نمودار ہوا اور حضرت علی نے عصر کی نماز ادا کی اور پھر سورج غروب ہو گیا۔ اسی طرح ایک واقع ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کو کہا کہ میرا خدا مشرق سے روزانہ سورج کو لاتا ہے۔ اگر تو خدا ہے تو سورج کو مغرب سے نکال۔ کہتے ہیں کہ نمرود کے دل میں خیال آیا کہ میں اس کو یوں جواب دوں کہ سورج کو مشرق سے ہر روز میں نکالتا ہوں۔ آج تمہارا خدا مغرب سے ظاہر کرے۔ اس کے فوراً بعد ہی یہ خیال آیا کہ نبوت کو بہت وسیع اختیارات ہوتے ہیں۔ اگر یہ اپنے اللہ تعالیٰ سے کہہ دے کہ تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے سورج مغرب سے طلوع ہو جائے گا اور اس وقت میری پوزیشن خراب ہو جائے گی کیونکہ اس کی صداقت کی دلیل قائم ہو جائے گی تو نمرود اس مناظرہ میں اس خیال کے بعد مبہوت ہو گیا اور اس سے کوئی جواب نہ بن سکا۔ جیسا کہ تفسیر خازن مین لکھا ہے۔

پانچواں آسمان

بعد ازاں پانچویں آسمان پر گزر ہوا۔ اس آسمان کا نام صافیہ ہے اور دربان کا نام سقطائیل ہے۔ آپ نے سلام کیا اور اس نے سلام کا جواب دیا۔ جب حسب دستور آپ دروازہ کھلوا کر آسمان کے اوپر تشریف لے گئے تو آپ نے دیکھا کہ اس دربان کے ماتحت پانچ لاکھ فرشتے مقرر ہیں۔ تسبیح ان کی یہ ہے۔ قدوس قدوس رب الارباب

سبحن ربنا الاعلی الاعظیم قدوس قدوس رب الملائکۃ والروح ۔

فرشتے خشوع میں

آپ نے وہاں فرشتوں کو دیکھا کہ سب خشوع وخضوع میں کھڑے ہیں اور بلند آواز سے تسبیح کررہے ہیں۔ **سبحان القاضی الاکبر و سبحان العدل الذی لا یجور** ۔ آپ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا ان کی یہی عبادت ہے۔ اس نے کہا ہاں! آپ بھی اپنی امت کے لئے دعا کیجئے کہ آپ کی امت کو بھی یہ عبادت نصیب ہو۔ تب آپ نے دعا کی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کے لئے بھی نماز میں خشوع کا حکم نازل فرمایا۔ وہ ایمان لانے والے عذاب سے فلاح اور نجات پا گئے جو اپنی نماز میں خشوع وخضوع اور نیاز سے عبادت کرتے ہیں۔ (معارج النبوۃ ج ۳ ص ۱۴۳)

حضرت ہارون علیہ السلام

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جب میں وہاں پہنچا تو حضرت ہارون علیہ السلام وہاں موجود تھے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا یہ ہارون علیہ السلام ہیں۔ آپ ان کو سلام کیجئے۔ میں نے سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا۔ پھر فرمایا خوش آمدید یعنی مرحبا اے صالح برادر اور صالح نبی۔

(بخاری شریف رقم الحدیث 342، 5287)، (مسلم شریف رقم الحدیث 164)، (ترمذی شریف رقم الحدیث 3346)، (نسائی شریف رقم الحدیث 448)، (مسند امام احمد رقم الحدیث 17867)، (ابن خزیمہ رقم الحدیث 301)، (سنن الکبریٰ رقم الحدیث 313)۔

شرک کرنے والے

پھر آپ ایک فرشتے پر گزرے کہ اس کا قد اتنا بڑا تھا کہ چاہے تو پوری مخلوق کو ایک لقمہ میں کھالے۔ اس کے آس پاس بہت سے فرشتے تھے جن کے سر عرش کے نیچے اور پاؤں تحت الثریٰ تک پہنچے ہوئے تھے۔ ان میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں آتشی گرز تھا۔ ان فرشتوں کے سامنے لوگوں کا ایک گروہ تھا جن کے لباس آگ کے تھے۔ یہ فرشتے ان

لوگوں کو گرز مارتے تھے جن کے صدمہ سے ان کے جسم کا گوشت پوست پر آگ کے شعلے بھڑک رہے تھے۔ پھر جل کر نیست و نابود ہو جاتے تھے۔ پھر اصل حالت میں آ جاتے تھے اور فرشتے ان کو دوبارہ مارتے جیسے پہلے تھا۔ آپ نے جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں۔ حضرت جبرائیل نے کہا یہ شرک کرنے والے لوگ ہیں۔ جو بتوں سے اپنی حاجتیں مانگتے تھے۔ خدا تعالیٰ نے اس فرشتے کو بمع اس کے تابعداروں کے ان پر مسلط کیا ہے تا کہ اس قسم کا عذاب ہمیشہ دیتے رہیں۔ اس فرشتے اور اس کے تابعداروں کی تسبیح یہ تھی۔ سبحان اللہ الواحد الاحد سبحان القمد الغفار سبحان الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفوا احد۔ (معارج النبوۃ)

چھٹا آسمان

پھر چھٹے آسمان پر گزر ہوا حسب دستور حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دروازہ کھلوانے کے لئے آواز دی اور دربان نے دروازہ کھولا۔ اس آسمان کا نام جاروس ہے اور دربان کا نام روماییل ہے۔ آپ نے سلام کی اس نے سلام کا جواب دے کر یہ دعا دی۔ بارك الله فی حسناتك وزاد فی کراماتك۔

اللہ تعالیٰ تمہاری نیکیوں میں برکت دے اور تمہاری بزرگی زیادہ کرے آپ نے دعا کے بعد آمین کہی۔ اس فرشتے کے ماتحت چھ لاکھ فرشتے تھے۔ جن کی تسبیح یہ تھی۔ سبحان اللہ الکریم سبحان النور المبین سبحان الله من فی سموت والہ من فی الارض (معارج النبوۃ)

حضرت موسیٰ علیہ السلام

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں وہاں پر گیا تو وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام موجود تھے۔ میں نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا مرحبا اے برادر صالح اور نبی صالح جب میں چل کر ان سے آگے چلا تو وہ روئے۔ ان سے پوچھا آپ کیوں روئے۔ تو انہوں نے فرمایا کہ میرے بعد ایک نوجوان نبی مبعوث ہوئے جن

کی امت کے لوگ میری امت کے لوگوں سے زیادہ بہشت میں داخل ہوں گے۔

(بخاری شریف ج ۱ص ۴۵۵ مسلم شریف ج ۱ص ۹۳)(ترمذی رقم الحدیث 3346)(نسائی رقم الحدیث 448)(مسند امام احمد رقم الحدیث 17867)(ابن خزیمہ رقم 301)(سنن الکبریٰ رقم الحدیث 313)

علمائے کرام فرماتے ہیں کہ آپ کے رونے کا سبب یہ تھا۔

ان لکل نبی مثل اجر کل من اتبعه

نبی کے پیروکاروں کو جتنا درجہ ملتا ہے۔اس قدر اس امت کے نبی کو درجات بلند ہوتے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تمنا تھی کہ مجھے بھی اس طرح درجات حاصل ہوتے اور آپ نے نبی کریم کو نوجوان اس لئے کہا کہ حضرت موسیٰ کی عمر تقریباً ایک سو تیس سال ہوئی تھی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر مبارک بوقت معراج ترین ۵۳ برس تھی۔

حضرت میکائیل علیہ السلام

اس کے بعد حضرت میکائیل علیہ السلام پر گزر ہوا کہ وہ ایک بڑی کرسی پر بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کے سامنے ایک بہت بڑی ترازو ہے جس کا ایک پلہ زمین و آسمان کے چودہ طباق سے بھی بڑا ہے۔اس ترازو کی ڈنڈی مشرق سے مغرب تک پہنچی ہوئی ہے۔ رزق کے بے شمار ٹیلے ان کے پاس جمع ہیں۔آپ نے اس کو سلام کیا اس نے سلام کا جواب دیا اور تعظیم کے لئے اٹھ کر کھڑا ہوا اور پھر معانقہ کیا اور پھر یہ دعا دی۔

ذادك الله كرامة و فرحا

اور آپ کو بشارت سنائی کہ کسی امت کی خیر و برکت آپ کی امت کے برابر نہیں ہے۔وہ آدمی بہت خوش نصیب ہے جس نے آپ کی پیروی کی اور آپ سے محبت کی اور وہ شخص بہت ہی بدنصیب ہے جس نے آپ کی نسبت دل میں بغض رکھا۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ آپ کے ماتحت سات لاکھ فرشتے مقرر تھے۔ہر ایک کے

پاس ایک جھنڈا ہے ہر جھنڈے کے نیچے سات لاکھ فرشتے ہیں اور وہ تمام کے تمام حضرت میکائیل کے سامنے سربستہ ہیں۔ ان کے حکم کے انتظار میں ہیں۔ ان ملائک نے کہا کہ ہم سب آپ کے خادم ہیں اور حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے پچیس ہزار برس پہلے سے آپ پر درود وسلام بھیج رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ بارش کے ہر قطرہ ہوا کے ہر ذرہ، سورج اور چاند کی ہر کرن اور نباتات سے جو پودا زمین میں پیدا ہوتا ہے ہر ایک کے ساتھ ایک فرشتہ موکل ہوتا ہے تا کہ اس کی تربیت کر کے کمال تک پہنچائے اور حضرت میکائیل کی تسبیح یہ تھی۔

سبحان رب کل مومن و کافر سبحن من تضع من هيلبسة ما فی بطونها الحوامل ۔ (معارج النبوۃ ج ۳ ص ۱۴۶)

ساتواں آسمان:

اس کے بعد ساتواں آسمان دیکھا اس کا نام اسحاقائیل تھا جو کہ سفید شیشہ کی طرح چمکتا تھا۔ جب دروازہ کھلوا کر اوپر جانا ہوا تو روحائیل فرشتہ نے سات لاکھ دربان کے ساتھ آپ کو سلام کیا اور یہ تسبیح پڑھ رہے تھے۔ سبحن الذی بسط السموت فرفعها سبحان الذی اطلع الکواکب وازهرها سبحان الذی ارس الجبال فیها ۔ (ریاض الازہار ص ۲۲۴)

آفرینش ملائکہ

ایک فرشتہ پر گزر ہوا جس کے سات سر ہیں اور ہر سر میں ستر ہزار چہرے ہیں اور چہرہ میں ستر ہزار منہ ہیں اور ہر منہ میں ستر ہزار زبان ہے اور زبان میں سات لاکھ بولی ہے۔ جو ایک بولی دوسری بولی سے بہ لحاظ نوعیت کے مختلف ہے۔ اس کے سات لاکھ بازو ہیں۔ ہر روز نہر میں غوطہ لگاتا ہے اور باہر نکل کر اپنے پروبال جھاڑتا ہے۔ اور ہر قطرہ سے اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے ایک فرشتہ پیدا کرتا ہے۔ جو قیامت تک یہ تسبیح کہتا رہے گا۔ سبحن ما اعظم شانك سبحانك سیدی اعلی مکانك سبحانك

سیدی ما ارحم بحلقك (ریاض الازہار ص ۲۴۴)

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ روح ایک فرشتہ ہے جس کے ستر ہزار سر اور ہر سر میں ستر ہزار چہرے ہیں اور چہرے میں ستر ہزار منہ ہیں اور ہر منہ میں ستر ہزار زبانیں اور ہر زبان میں ستر ہزار لغت ہے۔

وہ فرشتہ ان لغت سے اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتا ہے اور ہر تسبیح سے ایک فرشتہ پیدا ہوتا ہے کہ قیامت تک ملائکہ کے ساتھ پرواز کرے گا۔ عمدۃ القاری میں کتاب التفسیر میں یسئلونک عن الروح کے تحت یوں ہی لکھا ہے۔ جیسا کہ مذکورہ ہوا ہے اور امام رازی نے تفسیر کبیر میں بھی یہی لکھا ہے اور معالم التنزیل میں امام بغوی نے حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کی ہے کہ روح ایک عظیم فرشتہ ہے جو آسمان، زمین و جہان اور ملائکہ سب سے بڑا ہے۔ اس کا مقام چوتھے آسمان پر ہے۔ ہر روز بارہ ہزار بار تسبیح کہتا ہے۔ اس کی ہر تسبیح سے ایک فرشتہ بنتا ہے یہ روح نامی فرشتہ قیامت کے دن ایک مقام پر ہوگا اور باقی سب فرشتوں کی ایک صف ہوگی۔ (الہدایۃ المبارکۃ فی خلق الملائکہ ص ۵۴)

(ف) یہاں صرف اس قدر لکھا گیا ہے جس کو معراج سے تعلق ورنہ فرشتوں کی پیدائش کے بارے میں اٹھارہ اقوال ہیں اور ان میں کئی طریقے بیان کئے گئے ہیں۔

حضرت اسرافیل:

پھر ایک فرشتہ پر گزر ہوا کہ جس نے بیٹھ کر دو زانوں عرش پر نگاہ لگا رکھی تھی۔ وہ اپنے منہ میں صور لئے ہوئے کسی کے انتظار میں محو تھا۔ اس صور میں تمام مخلوق کے روحوں کی مقدار میں سوراخ تھے اور اس کے سامنے ایک لوح یعنی تختی لٹکی ہوئی تھی۔ آپ نے اسے پہچان لیا کہ یہ حضرت اسرافیل علیہ السلام ہیں۔ آپ نے اس کو سلام کیا اس نے سلام کا جواب دیا اور کہا آپ کو مبارک ہو کہ میں آپ میں اور آپ کی امت میں بھلائی دیکھ رہا ہوں اور اس کی تسبیح یہ تھی۔ سبحان السمیع العلیم۔ (اخبار القرآن ص ۲۶۵)

حضرت ابراہیم علیہ السلام

حضرت ابراہیم پر گزر ہوا۔ آپ نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا اور کہا مرحبا یا نبی الصالح وابن الصالح نیک نبی اور نیک بیٹے کو خوش آمدید ہو اور پھر انہوں نے فرمایا اپنی امت کو میری طرف سے کہنا اور پیغام دینا کہ بہشت کی زمین بہت عمدہ ہے۔ اس میں بے شمار درخت لگاؤ اور پھر اس کے باغات کے میوہ جات چنو اور ان درختوں کے لگانے کی تسبیح یہ ہے۔

سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر

(معراج شریف از عبدالباسط فاخوری مفتی بیروت ص ۱۱)

اس کو حدیث غراس کہتے ہیں کیونکہ غراس کے معنی درخت لگانے کے آتے ہیں۔
اور یہ حدیث ترمذی شریف وغیرہ میں بھی ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔
اور جو کوئی اپنے رب سے ڈر گیا اس کے لئے دو طرح کے بہشت ہیں۔

(پ ۲۷ ع ۱۲)

نبیوں کے ملنے میں نکتے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معراج کے واقعہ میں سب نبیوں سے "سلام ہو ان پر" حضرت آدم علیہ السلام کو اس لئے دیکھا کہ جس طرح حضرت آدم علیہ السلام کو دشمن نے بہشت سے نکالا تھا اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دشمن نے مکہ سے نکالا تھا اس کے بعد جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت یحییٰ کو یہودیوں نے ستایا تھا اسی طرح ہجرت کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہودیوں نے ستایا تھا۔ حتیٰ کہ کبھی زہر آلود گوشت کھلانے کی اور بھی ناگہانی طور پر بڑا پتھر اوپر سے ڈالنے کی کوشش کی گئی پھر جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے بخت اور تخت دیا اور تمام بھائی اس کے سامنے حاضر ہوئے اور دل میں شرمندہ تھے کہ یہ ہمارے ساتھ کیا سلوک کرے گا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا "آج تم پر کوئی ملامت نہیں" (پ ۱۳ ع ۴) اسی

طرح جب حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو مدینہ منورہ میں رہتے ہوئے جنگ بدر میں فتح عطا ہوئی قریش بہت شرمساری سے قیدی ہو کر آپ کے سامنے پیش کیے گئے تو آپ نے ان کو احسان کر کے فدیہ لے کر آزاد فرمایا اور جب فتح مکہ پر وہ پیش ہوئے اور اپنی کار گزاری پر نادم تھے تو حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ میں تم کو وہی کہوں گا جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو کہا تھا۔ لاتثریب علیکم الیوم آج تم لوگوں پر کسی قسم کی ملامت نہیں ہے۔ تم نے اپنے کیے کا انجام دیکھا اور میں نے اپنے رب کی مہربانی کا ظہور دیکھا۔ اس کے بعد جس طرح حضرت ادریس علیہ السلام کو سب سے پہلے لکھنا عطا کیا اسی طرح حضور علیہ السلام کی زندگی کا چوتھا کارنامہ یہ ہے کہ دنیا کے بادشاہوں کی طرف خطوط لکھے حتیٰ کہ نجاشی اور مقوقس اور عمان کا بادشاہ اسلام لائے اور قیصر و کسریٰ جیسے نڈر بادشاہ آپ کے رعب سے کانپ گئے۔ اس کے بعد جس طرح حضرت ہارون علیہ السلام اپنی قوم میں محبوب تھے اسی طرح حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی محبت قریش کے دل میں گھر کر گئی کہ جو لڑتے جھگڑتے تھے۔ سرنگوں ہو کر اسلام لائے اور آپ کے عشق میں جانثار ہو گئے۔ اس طرح جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کو شام کے لوگوں سے غزوات کا حکم ہوا۔ اور وہاں پر عمالقہ جیسی جابر قوم کو شکست فاش ہوئی اور بنی اسرائیل غالب آئے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام کے حالات سے چھٹی حالت یہ ہے کہ آپ نے ملک شام میں غزوات کیے حتیٰ کہ غزوہ تبوک میں فتح ہوئی۔ صاحب دولۃ الجندل نے شکست کھا کر جزیہ قبول کیا اور مکہ شریف فتح ہوا اور صحابہ کرام نے نہایت آرام وسکون سے اپنے وطن کو جا کر دیکھا۔ اس طرح جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ بنایا اور لوگوں کو حج کی اطلاع دی۔ اسی طرح حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے احوال بابرکت اشتمال میں سے آخری احوال یہ تھا کہ اپنے ستر ہزار (اور بروایت ایک لاکھ چوبیس ہزار) صحابہ کرام کی معیت کے ساتھ بیت اللہ شریف کا طواف کیا اور وہاں حج کیا۔ (نسیم الریاض ج ۲ ص ۲۵۷، زرقانی ج ۱ ص ۹، روح البیان ج ۲ ص ۳۹۹، الروض الانف ج ۱ ص ۲۵۰)

گویا نبیوں کے ملنے میں یہ لکھتے ہیں کہ آپ کی تمام زندگی کے حالات سے ان تمام نبیوں

(سلام ہوان پر) مناسبت کی بناء پر موقع بہ موقع ملاقات ہوتی رہی۔

(ف) اصل عربی عبارت کے لئے مذکورہ حوالہ جات مطالعہ فرمائیں۔

استفہام کی حقیقت

عالم برزخ کے واقعات مشاہدہ کرتے وقت حضور علیہ السلام کا حضرت جبرائیل علیہ السلام سے دریافت کرنا اور حضرت جبرائیل کا بتانا اور نبیوں (سلام ہوان پر) کی ملاقات پر کہنا کہ یہ فلاں نبی ہے یہ فلاں نبی ہے۔ آپ ان سے ملے حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کی لاعلمی کی دلیل نہیں ہو سکی کیونکہ استفہام ہمیشہ لاعلمی کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ کبھی استفہام علم کے باوجود بھی کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے کہ اللہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا: تلك بيمينك يموسٰى: اے موسیٰ تیرے ہاتھ میں کیا چیز ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا یہ میرا عصا ہے کہ اس سے سہارا لگا لیا کرتا ہوں اور بکریوں کے لئے پتے جھاڑتا ہوں اور اس میں میرے اور بھی منافع ہیں۔ اسی طرح حدیث شریف میں ہے کہ جب کراماً کاتبین فرشتے اللہ تعالیٰ کے پاس حاضر ہوتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے من اين جئتم تم کہاں سے آئے ہو۔ فرشتے کہتے ہیں کہ ہم زمین سے آئے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ ان سے پوچھتا ہے كيف وجدتم عبادى تم نے میرے بندوں کو کس حالت میں پایا۔ فرشتے کہتے ہیں ہم گئے تو وہ نماز پڑھ رہے تھے۔ دیکھئے صاحب! حضور علیہ السلام نے تو صرف ایک ہی رات ایک ہی سفر معراج کے موقع پر ایک جبرائیل علیہ السلام سے کچھ دریافت فرماتے رہے۔ اللہ جل شانہ ہر آئے دن فرشتوں سے جو لاتعداد اور بے شمار ہیں کہاں سے آئے ہو اور میرے بندوں کو تم نے کس حالت میں پایا۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے اور کہتے ہیں کہ حضرت مولانا خواجہ غلام حسن صاحب سواگ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مرید تھا جو کسی موقع پر عام اجتماع میں آپ سے بیعت ہو چکا تھا اور پھر چھ سال متواتر حاضر ہوا۔ بمقام روڈہ کہنہ پھر عام اجتماع میں بیعت ہونے لگا۔ حضرت صاحب نے اسے روکا کہ تو فلاں جگہ پر پہلے ہی بیعت ہو چکا ہے۔ کیا ایک ولی کی فراست اتنی ہے؟ اور حضور علیہ السلام ان سب نبیوں

''سلام ہوان پر'' سے بیت المقدس میں ملتے ہیں اور پھر آسمانوں پر ان کو اگر نہیں پہچان سکتے تو یہ کہنا کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم یہ ایک بہت بری بات ہے جو ان لوگوں کی زبان سے سرزد ہوتی ہے۔

خدا محفوظ رکھے ہر بلا سے
خصوصاً بے ادب کی ہر ادا سے

کہتے ہیں کہ ہر آسمان پر ہر نبی سے آپ کو واقف کرنا۔ اس لئے نہیں کہ آپ ان سے متعارف نہیں تھے بلکہ خادم اپنے خادمانہ آداب ملحوظ رکھ کر اس طرح عرض کرتے ہیں چنانچہ مولوی فمیر الدین لکھتے ہیں جیسے دولہا سے کہتے ہیں کہ یہ تمہارا باپ ہے تم ان کو سلام کرو اور یہ تمہارا عم بھائی ہے تم اس سے ملو اور سلام کیجئے۔ اسی طرح حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا فلاں نبی ہیں اور یہ فلاں نبی ہیں۔ آپ ان سے ملئے اور سلام کیجئے۔

(وعظ بے نظیر ص ۴۱)

بیت المعمور:

روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المعمور کو دیکھا جو آسمان پہ فرشتوں کا قبلہ ہے۔ وہاں ستر ہزار فرشتے روزانہ آکر زیارت کرتے ہیں اور پھر قیامت تک ان کو حاضری کی نوبت نہیں مل سکتی۔ (مسلم شریف ج ا ص ۹۳)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت المعمور ساتویں آسمان پر ہے اور ایک روایت میں ہے کہ چھٹے آسمان میں ہے۔ طبری نے حضرت قتادہ سے روایت کی ہے کہ بیت المعمور پہلے آسمان پر ہے۔ اس کی تطبیق کے لئے ایک حدیث شریف ہے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ **ان فی کل سماء بیتا یحا ذی الکعبۃ و کل منھا معمور بـا الملائکۃ** (فتح الملہم ج ا ص ۳۲۰) تحقیق ہر آسمان میں ایک گھر ہے جو کعبہ کے سامنے ہے اور سب کے سب فرشتوں سے آباد ہیں۔ کہتے ہیں اس مکان کی دیواریں یاقوت سرخ کی ہیں اور اس کے دروازے زمرد سبز کے ہیں اور اس میں دس ہزار نورانی قنادیل روشن

ہیں جن کی روشنی آفتاب سے زیادہ روشن ہے اور ہر روز ستر ہزار فرشتے دریا نور میں غسل کر کے نورانی چادر اوڑھ کر احرام باندھ کر لبیک کہتے ہیں اور بیت المعمور کا طواف کر کے واپس چلے جاتے ہیں اور قیامت تک پھر ان کو موقع نہیں مل سکتا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کو بیت المعمور لے گئے اور عرض کی کہ جس طرح آپ نے بیت المقدس میں تمام نبیوں (سلام ہو ان پر) کی امامت کی ہے۔ اسی طرح یہاں آپ فرشتوں کی امامت کرائیں پھر آپ نے وہاں دو رکعت نماز پڑھائی اور ساتویں آسمان کے فرشتوں نے اقتداء کی۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آرزو کی اور دعا میں کہا اے خداوند! میری امت کو بھی اس عبادت سے حصہ عطا فرما۔ آپ کی دعا قبول ہوئی اور نماز جمعہ کی فرض کی گئی کتابوں میں لکھا گیا ہے کہ جمعہ کے دن سب مقرب فرشتے بیت المعمور میں جمع ہوتے ہیں۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام اذان دیتے ہیں۔ حضرت اسرافیل علیہ السلام خطبہ پڑھتے ہیں۔ حضرت میکائیل علیہ السلام امامت کراتے ہیں اور تمام فرشتے ان کی اقتداء کرتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت جبرائیل کہتے ہیں کہ میں نے اذان کا ثواب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کو بخش دیا۔ حضرت اسرافیل کہتے ہیں میں نے خطبہ کا ثواب بخش دیا۔ حضرت میکائیل امامت کا ثواب بخش دیتے ہیں اور حضرات فرشتے نماز کا ثواب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کو بخش دیتے ہیں۔ (ریاض الازہار ص ۲۲۰)

(ف) نماز جمعہ کی فرضیت شب معراج میں ہوئی اور اس کی فرضیت کا ظہور مدینہ منورہ میں ہوا کیونکہ دارالحرب میں جمعہ فرض نہیں ہوتا اور مکہ ان دنوں دارالحرب تھا اور فتح مکہ ۸ھ کے بعد مکہ شریف دارالسلام بنا۔

سدرۃ المنتہیٰ:

پھر آپ کا سدرۃ المنتہیٰ پر گزر ہوا۔ وہ ایک بیری کی شکل کا درخت ہے۔ اس کا تنا سونے کا ہے۔ ڈالیاں موتی اور یاقوت اور زمرد کی ہیں۔ اس کے پتے ہاتھی کے کان کی طرح ہیں اور اس کے پھل ہجر کے مٹکے کی طرح ہیں۔ اس کی ڈالی سے جڑ تک پچاس

ہزار برس کی راہ ہے۔ اس پر دانوں کی مانند اتنے فرشتے رہتے ہیں کہ جن کی گنتی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ قرآن مجید میں ہے اذ یغشی السدرة ما یغشی (پ ۲۷ ع ۵) اور جب سدرۃ المنتہیٰ کو ڈھانک لیا۔ اس چیز نے ڈھانک لیا تھا کہ کہتے ہیں کہ یہ فرشتے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زیارت کے لئے جمع ہوئے تھے۔

(روح المعانی ج ۲۷ ص ۴۴) (درمنثور ج ۲ ص ۱۲۶)

اور آپ کو اسلام کیا اور رحمت الٰہی کی خوش خبری سنائی اور آپ کی زیارت سے بہت خوش ہوئے۔ اس کے بعد سدرۃ کی ایک شاخ دیکھی جس کی بلندی ایک لاکھ برس کی راہ تھی۔ اس کے اوپر سات آسمان اور سات زمین کے برابر ایک پتہ تھا جس پر نور کا بچھونا بچھا ہوا تھا۔ وہاں حضور پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام سے مقرر ایک کرسی پڑی ہوئی تھی۔ جس کے سامنے چالیس ہزار فرشتے تورات پڑھ رہے تھے اور چالیس ہزار فرشتے پیچھے کی طرف انجیل پڑھ رہے تھے اور چالیس ہزار فرشتے بائیں طرف انجیل پڑھ رہے تھے اور چالیس ہزار فرشتے دائیں طرف قرآن پاک پڑھ رہے تھے۔ حضرت جبرائیل نے کہا یہ میری رہائش گاہ ہے۔ آپ یہاں دو رکعت نماز پڑھائیں تا کہ اس مقام کو برکت حاصل ہو جائے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہاں دو رکعت نماز پڑھائی اور فرشتوں نے اقتداء کی۔ (ریاض الازہار ص ۲۶۶)

نیل اور فرات

انہ رای اربعة انہار یخرج من اصلہا نہران ظاہران و نہران باطنان فقلت یا جبریل ماهذه الانہار قال اما النہران الباطنان فنہران فی الجنة واما الظاہران فالنیل و الفرات (مسلم شریف)

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے وہاں سدرۃ المنتہیٰ کے بن سے چار نہروں کو نکلتے دیکھا۔ دو نہریں ظاہری تھیں اور دو نہریں باطنی تھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اے جبرائیل یہ کون سی نہریں ہیں۔ اس نے عرض کی کہ جو دو نہریں باطنی ہیں وہ بہشت

کی ہیں اور جو نہریں ظاہری ہیں وہ نیل اور فرات ہیں اور دوسری روایت میں ہے جو باطنی ہیں ان کا نام رحمت اور کوثر ہیں۔ ظاہری کا مطلب یہ ہے کہ یہ نہریں سدرہ سے نکل کر دنیا جہان میں عام لوگوں کے سامنے ظاہر ہو جاتی ہیں اور باطنی کا معنی یہ ہے کہ وہ عام نظروں سے پوشیدہ ہیں کیونکہ یہ بہشت میں موجود ہیں اور سدرہ کو منتہیٰ اس لئے کہتے ہیں کہ تمام علماء کا علم یہاں تک پہنچتا ہے اس کے آگے خدا کے سوا کوئی آگاہ نہیں ہو سکتا۔ حتیٰ کہ فرشتوں کے معلومات کی وہاں انتہا ہو جاتی ہے۔

(الف) نیل اور فرات کے دہانہ کی بحث

احادیث میں وارد ہے کہ نیل اور فرات سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ سے جاری ہو رہی ہیں حالانکہ مشاہدہ اس کے متعارض ہے تو اس تعارض کے دفع کرنے کے کئی طریقے ہیں۔ ازاں جملہ ایک یہ ہے کہ اصل مرکز ان کا آسمان پر ہوا اور منبع ان کا زمین پر ظاہر ہے جس طرح سورج چوتھے آسمان پر ہے اور اس کی حرارت زمین پر بھی موجود ہے۔ دوسرا طریقہ یہ کہ سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ تحت الثریٰ تک ہے اور نیل اور فرات کا اس سے بہنا کوئی حیرت کی بات نہیں کیونکہ جہاں ان کا منبع ہے وہاں سدرہ کی جڑ ہے۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ حدیث بلا تاویل حقیقت پر مبنی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ سے نیل اور فرات کو نکلتے دیکھا اور یہ دونوں دریا وہاں سے ہی نکلتے ہیں۔ چنانچہ **مــر الـفـرات فـي بـعـض الـسـنين فوجد فيه رمان مثل البعير فيقال انه رمان الجنة** (روح البیان ج ۲ ص ۱۰۲)

بعض سالوں کا قصہ ہے کہ دریائے فرات بہہ رہا تھا تو اس میں ایک انار پایا گیا جو اونٹ کے برابر بڑا تھا۔ کہتے ہیں کہ وہ بہشت کا انار تھا بلکہ سیرت حلبیہ میں ہے کہ وہ کئی انار تھے اور سب ہی اونٹ کے برابر بڑے تھے۔ کہتے ہیں یہ سب انار بہشت کے تھے۔ عبرت کے طور پر یہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو دکھلائے تاکہ ان کو حدیث کی صحت پر یقین ہو جائے۔ چوتھا طریقہ یہ ہے کہ نیل اور فرات کا دہانہ اصل سدرۃ المنتہیٰ پر موجود ہے جس کو

اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے جناح کے ذریعے آسمان سے زمین پر اتارا اور پہاڑوں میں ودیعت رکھ دیا جس طرح قرآن مجید میں ہے "اور ہم نے آسمان سے اندازہ کے مطابق پانی اتارا اور اس کو زمین پر ٹھہرایا" پھر جب زمین سے قرآن اور ایمان اٹھایا جائے گا تب یہ دہانہ بھی اٹھایا جائے گا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ہے "اور اس میں شک نہیں کہ ہم اس پانی کو لے جانے پر قادر ہیں۔" (سیرت حلبیہ ج ا ص ۴۴۴)

اونٹوں کی قطاریں:

سدرۃ المنتہیٰ کے نیچے سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹوں کی قطار کو گزرتے دیکھا جس کے ہر ایک اونٹ پر دو صندوق رکھے ہوئے تھے۔ آپ نے پوچھا یہ قطار کتنے عرصہ سے گزر رہی ہے اور کہاں جا رہی ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! جب سے پیدا ہوا ہوں اس طرح اس قطار کو گزرتے دیکھ رہا ہوں۔ مجھے یہ معلوم نہیں کہ یہ قطار کتنے عرصے سے گزر رہی ہے اور کہاں جا رہی ہے۔ اس کی ابتداء اور انتہاء اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اس اونٹ سے بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر ایک صندوق اتارو جب صندوق اتارا پھر فرمایا بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر اس کا تالا کھولو۔ جب تالا کھول چکے تو صندوق انڈوں سے پر تھا اور سب انڈوں پر قفل لگے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر انڈے کا تالا کھول دو۔ جب یہ تالا کھول چکے تو دیکھا کہ انڈہ خشخاس کے دانوں سے پر تھا اور سب دانوں پر قفل تھا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھ کر تالا کھول دو جب تالا کھولا گیا تو دیکھا کہ اس میں ایک جہان تھا اور اس جہان میں ایک شہر آباد تھا۔ اس شہر میں وعظ ہو رہا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت جبرائیل علیہ السلام وہاں شامل ہو گئے۔ حتیٰ کہ واعظ نے کہا! کہ ایک جگہ پانی ہے اور پانی پر مٹی کا ڈھیلہ ہے۔ اس ڈھیلہ پر آخری نبی مبعوث ہو چکے ہیں۔ اس پر ایمان لائے بغیر ہماری نجات نہیں ہو سکتی۔ وہاں ایک شخص نے سوال

کیا کہ یہ مسئلہ غلط ہے کیونکہ پانی پر مٹی کا ڈھیلہ کیسے ٹھہر سکتا ہے۔ اس وقت جبرائیل علیہ السلام نے اٹھ کر کہا میں جبرائیل ہوں اور یہ وہی نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہیں جس کی تعریف ہو رہی ہے۔ تب سب لوگوں نے کلمہ پڑھا اور آپ پر ایمان لائے۔ پھر آپ وہاں سے باہر آئے۔ اس کے بعد حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حسب دستور بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھ کر خشخاس کا تالا لگایا پھر انڈے کا تالا بند کیا اور پھر صندوق کو بند کر کے اونٹ پر لاد دیا۔ اس کے بعد اونٹ کو قطار میں شامل کر دیا۔ (رہبر راہ حق ص ۴۰)

توبہ کرنے والے

اس کے بعد آپ کا گزر ایک نہر پر ہوا جس میں کالے لوگ غسل کر کے باہر نکلتے اور نورانی چہرہ بن جاتے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بتایا کہ یہ نہر رحمت ہے جن لوگوں نے گناہ کیے اور پھر تائب ہو گئے گویا وہ اس نہر سے غسل کر کے گناہوں کی سیاہی دھو رہے ہیں۔ (معارج ج ۳ ص ۱۴۹)

روزہ داروں کے برات نامے

اس کے بعد ایک باعظمت فرشتہ پر گزر ہوا جس کی قامت دس لاکھ برس کی راہ تھی۔ اس کے ستر ہزار سر تھے اور ہر سر کے ستر ہزار چہرے تھے اور ہر چہرے کے ستر ہزار منہ تھے اور اس فرشتے کے سر پر ستر ہزار زلفیں تھیں۔ ہر زلف پر ستر ہزار موتی معلق تھا۔ ہر موتی میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا سمندر تھا۔ ہر سمندر میں بے شمار مچھلیاں تیرتی تھیں جن کا طول دو سو برس کی راہ تھا۔ ہر ایک مچھلی کی پشت پر لکھا تھا۔

لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ

آپ نے جبرائیل علیہ السلام سے اس کی کیفیت دریافت فرمائی تو حضرت جبرائیل نے بتایا کہ یہ ایک فرشتہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے دو ہزار برس پہلے پیدا کیا ہے اور بہشت کے مرغزار میں اس کے ٹھہرنے کا مقام ہے۔ اب اس کو یہاں لائے ہیں۔ آپ نے اس کو سلام کیا اور اس نے سلام کا جواب دیا۔ دیکھا تو

اس کے سامنے صدوق رکھے ہوئے تھے جن پر ستر ہزار نورانی قفل لگے ہوئے ہیں۔ آپ نے حضرت جبرائیل سے دریافت فرمایا اس نے کہا آپ بہ نفس خود اس سے دریافت فرمائیں۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے پوچھا یہ کیسے صندوق ہیں۔ اس نے کہا ان صندوقوں میں آپ کی امت کے روزے داروں کے برات نامے لکھے ہوئے ہیں جن کے ثواب کی میں گواہی دیتا ہوں۔

نماز پر خوش ہونے والا

پھر ایک فرشتہ پر گزر ہوا جس کے دائیں بازو سات لاکھ تھے اور بائیں بھی اس قدر تھے اور ہر بازو پر مروارید کے ستر ہزار پر اور یاقوت کے ستر ہزار پر اور زمرد سبز کے اور زر سرخ کے اور نقرہ سفید کے اور کافور و زعفران کے ستر ہزار پر تھے جب وہ اپنے بازو کو ہلاتا تو اس میں سے عجیب طرح کے نغمے ظاہر ہوتے۔ ان نغموں کو حوریں سن کر بالا خانوں میں ایک دوسرے کو مبارکباد دیتی تھیں اے حورو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے لئے نماز کا وقت آ گیا۔ اللہ تعالیٰ اس فرشتہ سے پوچھتا ہے حالانکہ وہ سب سے زیادہ جاننے والا ہے کہ تو کیوں خوش ہوتا ہے۔ تب فرشتہ کہتا ہے کہ تیرے حبیب کی امت کے سب لوگ کاروبار ترک کر کے نماز کے لئے تیار ہو گئے ہیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم گواہ رہو میں نے اپنی رحمت سے ان سب کو منظور نظر بنا لیا ہے۔

(معارج النبوۃ ج ۳ ص ۱۵۰)

صورت مرغ سفید

ایک فرشتہ پر گزر ہوا جو مرغ سفید کی شکل و شباہت رکھتا تھا اور امور سے زیادہ خوبصورت ہے جس کے پاؤں سنہری ہیں اور گردن یاقوت اور لعل سے مرصع ہے جس وقت یہ فرشتہ سبوح قدوس کہتا ہے جہان دنیا کے مرغ بھی اس کی آواز سن کر سبوح قدوس کہتے ہیں اور جب یہ چپ ہو جاتا ہے تو دنیا و جہان کے مرغ بھی چپ ہو جاتے ہیں۔ (اخبار القرآن ص ۲۶۶)

حجاب زالغت

جب آپ حجاب زالغت تک پہنچے تو حضرت جبرائیل نے پردہ کو ہلایا۔ اندر سے آواز آئی آپ کون ہیں؟ آپ نے جواب دیا کہ میں جبرائیل ہوں اور میرے ساتھ حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ اس وقت حجاب کے اندر سے آواز آئی کہ فرشتہ نے کہا اللہ اکبر اس کے بعد کہا میرے بندہ نے سچ کہا میں سب سے بڑا ہوں۔ پھر فرشتہ نے کہا اشہد ان لا الہ الا اللہ کہا گیا میرے بندہ نے سچ کہا۔ عبادت کے لائق ایک میں ہوں۔ پھر فرشتے نے کہا۔ اشہد ان محمد رسول اللہ کہا گیا میرے بندہ نے سچ کہا میں نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بنا کر بھیجا ہے پھر فرشتے نے کہا۔

حی علی الصلوۃ حی علی الفلاح قد قامت الصلوۃ قد قامت الصلوۃ اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس فرشتے کی بابت حضرت جبرائیل سے دریافت فرمائی تو اس نے کہا کہ مجھے قسم ہے اس ذات کی کہ جس نے آپ کو نبی بنا کر بھیجا ہے کہ میں تمام مخلوق کے خدا کے زیادہ قریب ہوں مگر جب سے پیدا ہوا ہوں میں نے اس فرشتہ کو نہیں دیکھا۔ (نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۹۳)

خصائص کبریٰ میں لکھا ہے کہ یہ اقامت تھی جو معراج کے رات آپ نے سنی۔ لہٰذا یہ سوال نہ ہوگا کہ مدینہ منورہ میں اذان کے لئے مشورے کیوں ہوئے۔

(ف) جس جگہ معراج کے واقع میں اذان ہونے کا بیان وارد ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ الفاظ معروضہ سے اذان ہوئی ہو کیونکہ یہ بات واضح ہے کہ اذان کی مشروعیت بعد از ہجرت مدینہ منورہ میں ہوئی۔ (سیرت حلبیہ ج ۱ ص ۴۱۲)

حضرت جبرائیل کا ٹھہرنا

اس وقت اس فرشتہ نے پردہ سے ہاتھ باہر کر کے آپ کو مع براق اٹھا لیا اور حضرت جبرائیل علیہ السلام وہیں ٹھہر گئے۔ آپ نے فرمایا اے جبرائیل آپ مجھے اس

جگہ کیوں اکیلا چھوڑتے ہو۔تو حضرت جبرائیل نے کہا میں کیا کروں مجھے آگے پرواز کرنے کی طاقت نہیں۔اس لئے کہ وَمَا مِنَّا اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ (پ۲۳ع۹)

اور ہم سب فرشتوں سے کوئی ایسا فرشتہ نہیں جس کا خاص مقام معلوم نہ ہو کہ اس سے آگے ہمیں تجاوز کا حق حاصل نہیں۔یہاں بھی آپ کی بدولت آ گیا۔ورنہ میرا اصلی مقام وہ ہے جہاں سدرۃ المنتہیٰ پر ملاحظہ فرمایا تھا جو کہ بہت دور رہ گیا ہے۔اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے ہاتھ مبارک سے حضرت جبرائیل کو قابو کر کے ایک قدم چلتے کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ کی ہیبت اور اس کے جلال سے حضرت جبرائیل چڑیا کے برابر ہو گئے۔لرزہ براندام اور آبدیدہ ہو کر عرض کیا۔ **لو دنوت انملة لا حترقت بالی** (مشکوٰۃ شریف) اگر ایک انگلی کے پورے کی مقدار بھی قریب ہوں تو میرے پر جل جائیں گے۔اس کے بعد آپ نے اشارہ فرمایا اور ایک اشارہ میں اس کو اپنے مقام پر پہنچا دیا۔ روایت میں ہے کہ اس ایک قدم میں پانچ سو سال کی راہ طے ہو چکی تھی۔

(معارج النبوۃ ج۳ ص۱۵۱)

جناب اثر مجبائی ارقام فرماتے ہیں

اللہ اللہ کیا مبارک رات تھی — آئی تھی پہلے نہ آئے گی کبھی
آگے تو تھا یا خدا کی ذات تھی — طائر سدرہ کے پر جلنے لگے

اعلیٰ حضرت فاضل بریلی کی پرواز تخیل ملاحظہ فرمایئے۔

چلا وہ سرو چمن خراماں نہ رک سکا سدرہ سے داماں
پلک جھپکتی رہی وہ کوکب کے سب ایں واں سے گزر چکے تھے
جھلک سے اک قدسیوں پر آئی ہوا بھی دامن کی پھر نہ لائی
سواری دولہا کی دور پہنچی برات میں ہوش ہی گئے تھے
تھکے تھے روح الامین کے بازو چھٹا وہ دامن کہاں وہ پہلو
رکاب چھوٹی امید ٹوٹی نگاہ حسرت کے ولولے تھے

بیان میرٹھی ارشاد فرماتے ہیں

خورشید روشن کر گیا ماہ ضیاء گستر گیا
ہمراہ وحی آوز گیا تا گنبد اخضر گیا

حضرت جبرائیل علیہ السلام کو رخصت کرتے وقت آپ نے دریافت فرمایا: اے رفیق! اگر خدا کے دربار میں تیری کوئی درخواست ہو تو میں پیش کر دوں گا۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی۔ آقا بس ایک عرض ہے۔

یا محمد سل الله ان ابسط جناحتی علی الصراط الاقتك حتی یجوذ دا علیه

یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ اللہ تعالیٰ سے یہ سوال کریں کہ قیامت کے دن پل صراط پر میں آپ کی امت کے لئے دونوں پر بچھاؤں تا کہ وہ پل صراط سے بآسانی گزر جائیں۔ (روح البیان ج ۲)

کہتے ہیں کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو نمرود نے آگ میں ڈالنا چاہا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا۔ اے ابراہیم علیہ السلام کوئی حاجت ہو تو بتلائیے۔ معراج کی رات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جبرائیل کی حاجت پوچھ کے اپنے جدامجد کا بدلہ اتار دیا۔

(الف) ''حضرت جبرائیل کے ٹھہرنے کے اسباب''

نمبرا۔ کہتے ہیں کہ حضرت جبرائیل نے کہالو دنوت انملة لا حترقت اگر میں اس پوروے کی مقدار پر اوپر جاؤں تو جل جاؤں گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر فرشتہ کا مقام معین ہے کہ وہ اس حد سے تجاوز نہیں کر سکتا کیونکہ قرآن مجید میں ہے:

وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ معلوم ہم میں سے کوئی ایسا فرشتہ نہیں ہے مگر اس کا ٹھکانہ مقرر ہے جس کے آگے نہیں جا سکتا۔

نمبر۲۔ بعض نے یوں کہا کہ معراج کے وقت اللہ اور رسول میں خاص باتیں ہوتی

ہیں جس میں کسی کو شامل ہونے کی اجازت نہیں ہوتی حتیٰ کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو معراج ہوئی کوہ طور سے سات فرسخ (۱۰۱ میل) ادھر ادھر تمام جانوروں اور فرشتوں کو ہٹا دیا گیا حتیٰ کہ کراماً کاتبین بھی دور ٹھہر گئے۔

اس لئے حضرت جبرائیل علیہ السلام پہلے ہی دور ٹھہر گئے تھے کہ اصول معراج سے واقف تھے۔

(ب) فرشتے افضل ہیں یا بشر

یہاں لوگ بے ربط میں بحث چھیڑ دیتے ہیں جس کا تعلق اس مقام سے نہیں ہے اور معاملہ میں اقوال ذکر کر دیتا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیے۔

۱-علامہ تفتازانی فرماتے ہیں: ولا خفاء می ان هذه المسلة طنية يكتفي فيها بالادلة الظنية هكذا في (شرح عقائد نسفی)

اور اس میں کوئی خفا نہیں کہ یہ مسئلہ ظنی ہے اور اس میں ظنی دلائل پر قناعت کی گئی ہے۔

۲-امام تاج الدین سبکی فرماتے ہیں ومن مات ولم عطر بساله تفضيل الملئكة الموعكسه رجوبت ان لا يسئله الله سبحانه (نبراس ص ۶۰۶)

اور جو شخص مر گیا اور اس کے دل میں یہ خیال نہ گزرا کہ فرشتے افضل ہیں یا مفضول ہیں تو مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے باز پرس نہ فرمائیں۔

۳-اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے انه توقف في هذه المسلة التعارض الالة (نبراس ص ۶۰۲)

انہوں نے اس مسئلہ میں توقف فرمایا کیونکہ دلائل کا تعارض ہے۔

۴-شاہ ولی اللہ حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں: هذه المسئلة من قسم ما لم ينطق به الكتاب ولم يستفض به السنة ولم يتكلم فيها الصحابة

(نبراس ص ۶۰۲ والشیر ۴)

یہ مسئلہ اس قسم سے ہے جس کے بارے میں نہ قرآن میں نص ہے اور نہ حدیث میں کوئی ثبوت ملتا ہے اور نہ صحابہ نے اس کے بارے میں کوئی بات کی ہے۔

رف رف

جب حضرت جبرائیل علیہ السلام ٹھہرے تو سبز رنگ کا ایک تخت ظاہر ہوا جس کا نام رف رف ہے۔ اس کے ساتھ ایک فرشتہ ہے۔ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کو رفرف والے فرشتے کے سپرد کیا (الیواقیت والجواہر ج ۲ ص ۳۶)

ایک روایت میں آیا ہے تدلیٰ کا فاعل رفرف ہے اور دنیٰ کے فاعل حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ دَنیٰ فَتَدَلّٰی کا ترجمہ یوں ہوگا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے رف رف نیچے اتر آئی۔ حتیٰ کہ آپ اس پر بیٹھ گئے۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے قریب ہوئے۔ اور قریب درجہ سے شرف پایا (سیرت حلبیہ ج ۱ ص ۱۴۴)

پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمود کہ من تنہا رواں شدم وحجابہا قطع مے کردم تا ہفتاد ہزار حجاب بگزشتم کہ ہر حجابے پانصد سالہ راہ بود و مابین ہر حجاب با نصد سالہ راہ دیگر ور روایتے آنست تا آنجا کہ براق مرکب بود چوں ایں جا رسید براق بماند و آنگاہ رفرف سبزے ظاہر شد کہ ضیائے وے برضیائے آفتاب غالب آمد (معارج النبوۃ ج ۳ - ص ۱۵۲)

پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں اکیلا روانہ ہوا اور بہت حجاب طے کیے۔ یہاں تک کہ ستر ہزار حجابوں سے گزر ہوا کہ ہر ایک حجاب کی موٹائی پانچ سو برس کی راہ تھی۔ اور دونوں حجابوں کا فاصلہ پچاس سو برس کا راہ تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سواری براق یہاں پہنچ کر تھک گیا۔ اس وقت سبز رنگ کا رفرف ظاہر ہوا جس کی روشنی سورج کو ماند کرتی تھی۔ آپ اس رفرف پر سوار ہوئے اور چلتے رہے حتیٰ کہ عرش کے پایہ تک پہنچ گئے۔ اس کے بعد بہت سے حجابات سامنے آئے۔ اوان جملہ ان میں سے ستر ہزار حجاب سونے کے تھے۔ ستر ہزار چاندی کے۔ ستر ہزار مروارید کے۔ ستر

ہزار زمرد سبز کے۔ ستر ہزار یاقوت سرخ کے۔ ستر ہزار حجاب نور کے۔ ستر ہزار حجاب ظلمت کے۔ ستر ہزار پانی کے۔ ستر ہزار خاک کے۔ ستر ہزار حجاب آگ کے ستر ہزار حجاب ہوا کے تھے کہ ہر ایک حجاب کی موٹائی ایک ہزار سال کی راہ تھی۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ رفرف ان حجابوں سے گزرتی ہوئی پردہ دراں عرش تک لے گئی۔ وہاں ستر ہزار پردہ دیکھا۔ ہر پردہ کا ستر ہزار زنجیر تھے۔ اور ہر زنجیر کو ستر ہزار فرشتے نے گردن پر اٹھا رکھا تھا کہ وہ فرشتے اس قدر قد آور تھے کہ ایک کندھے سے دوسرے کندھے تک ستر ہزار برس کی راہ تھی۔ اور یہ پردے بعضے مروارید کے۔ بعضے یاقوت کے اور بعضے ہوا کے تھے اور ہر فرشتہ ہر پردہ پر ملازم تھا کہ ستر ہزار فرشتے جن کا ذکر بھی گزرا ہے۔ سب اس کے تابع تھے۔ اس رفرف نے آپ کو حجابات سے پار پہنچایا اور پھر غائب ہو گیا۔ اس کے بعد ایک صورت گھوڑے جیسی ظاہر ہوئی جو کہ دانہ مروارید سفید کی طرح تھی۔ تسبیح کہتی تھی اور اس کے منہ سے نور کے فوارے نکلتے تھے۔ اٹھایا اور ان ستر ہزار پردوں سے گزرا جو عرش کے درے تھے اور ساق عرش تک پہنچایا۔ (معارج النبوۃ ج ۳ ص ۱۵۳)

یاد رہے کہ نزہۃ المجالس میں امام صفوری پانچ سواریوں کا ذکر کرتے ہیں اور کسی نے دو سواریوں کا ذکر کیا ہے اور بعض علماء نے تین سواریوں کا ذکر کیا ہے۔ جتنی روایات جس کے پاس تھیں اس قدر بیان کیا ہے۔

حاملین عرش

عرش کو اٹھانے والے چار فرشتوں پر گزر ہوا جس کو حاملین عرش کہا جاتا ہے۔ ہر ایک کے سر پر ۲۴ کلگیاں تھیں۔ ہر ایک کی موٹائی پانچ سال کی راہ تھی۔ ان کا وظیفہ یہ تھا۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کہا گیا آپ ان کے پاس جا کر سلام کریں۔ آپ نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے آپ کے سلام کا جواب دے کر کہا ہم آپ کو خوشخبری سناتے ہیں۔ انا نری الخیر و فی امتک ہم آپ میں اور آپ کی امت میں بھلائی دیکھتے ہیں۔ (انوار القرآن ۲۶۶)

عرش مجید

امام قسطلانی نے مواہب شریف میں لکھا ہے: ولما انتھی الی العرش تمسك العرش باذهاله (مواہب الدنیہ ج ۲ ص ۳۳)

جب حضور علیہ السلام عرش عظیم پر پہنچے تو عرش الٰہی کو آپ کے دامن سے وابستگی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ معراج کی رات میں ایک ایسے شخص پر گزرا جو عرش کے نور میں غائب تھا۔ (زرقانی ج ۶ ص ۱۰۶)

اور سنئے حیث کان العرش اعلیٰ مقام تنھی الیه من اسری به من الرسول علیهم الصلوٰة و السلام قال و هذا یدل علی ان الا سراء کان بجسمه صلی الله علیه وسلم (الیواقیت والجواہر ۲ ص ۳۷) جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے عرش کو اپنی تعریف کا سبب بنایا اس طرح اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو عرش پر بلند کر کے ان کی عظمت کا اظہار فرمایا کیونکہ عرش وہ برتر مقام ہے جہاں معراج کرنے والے تمام نبیوں کی سیر ختم ہو جاتی ہے۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آپ کی معراج جسمانی تھیں اس لئے جسمانی معراج ہی سے عظمت ظاہر ہوتی ہے۔

قال الشیخ ابو الحسن الرفاعی صعدت فی الفوقانیات الی سبع ماة الف عرش فقیل لی ارجع وہ وصول انه الی العرش الذی عرج به محمد صلی الله علیه وسلم (ابریز ص ۴۷۴)

حضرت ابوالحسن رفاعی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ میں (حالت مراقبہ میں روحانی طور پر) عالم بالا میں چڑھتا رہا حتیٰ کہ سات لاکھ عرش سے گزر گیا۔ پھر مجھ سے کہا گیا آپ واپس چلے جائیں کیونکہ جس عرش پر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی وہاں آپ نہیں پہنچ سکتے۔ احمد رضا کے تخیل پر قربان جائیں۔

سنا یہ اتنے میں عرش حق نے کہ اے مبارک ہو تاج والے
وہی قدم خیر سے آئے جو پہلے تاج شرف تیرے تھے

ضیائیں پھر کچھ عرش پر یہ آئیں کہ ساری قندیلیں جھلملائیں
حضور خورشید کیا چمکتے چراغ اپنا منہ دیکھتے تھے

حضرت ابوالحمراء سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جب مجھے آسمان پر معراج ہوئی تو عرش پر لکھا ہوا تھا۔

لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ (شفا شریف ج ۱ ص ۱۷۴)

نعلین پیا کی روایت

جان کائنات اللہ کے محبوب سلطان بحر و بر صلی اللہ علیہ وسلم جب عرش کے قریب پہنچے تو جناب الٰہی سے خطاب آیا کہ اے میرے حبیب! آگے چلے آؤ۔ تب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے نعلین مبارک اتارنی چاہی تو آسمان لرزہ میں آیا اور آواز آئی کہ آیئے میرے حبیب! اور نعلین مبارک پہنے ہوئے عرش پر قدم رکھئے تا کہ آپ کے قدم کی دولت سے میرا عرش قرار پائے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کی یا الٰہی! حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا تھا۔ فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى ۔ (پ ۱۶ ع ۱۰) پس آپ جوتے اتارو اس لئے کہ تحقیق آپ اس مقدس وادی میں ہیں جس کا نام طویٰ ہے جب تیرا عرش وادی طویٰ سے کئی درجے افضل ہے میں کس طرح بمع نعلین عرش پر آؤں تب حکم ہوا کہ اے میرے حبیب! حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس لئے نعلین اتارنے کا حکم ہوا کہ طور سینا کی خاک اس قدموں کو لگے اور موسیٰ علیہ السلام کی شان بلند ہو اور آپ کو بمع نعلین عرش پر آنے کا حکم اس لئے ہوا کہ تا کہ نعلین کی خاک عرش کو لگے اور عرش کی عظمت بڑھے۔ (قصص الانبیاء ص ۲۸۷)

حضرت امیر خسرو طوطی سند فرماتے ہیں۔

ہر کہ از خدا خواہد فردوس دل کشاء را
دین رسول شرط است از بہر ایں جزا را
نعلین پائے اور ابر عرش گو نگاہ کن
جاہل کہ در نیابد معنی استواء را

اردو میں ایک صاحب کی نظم ملاحظہ فرمائیے

جب قریب عرش پہنچے شافع روز جزا　　دل میں خیال آیا ہو نعلین پاؤں سے جدا
پھر ندا آئی بھلا کیا قصد ہے یہ آپ کا　　کیوں جھجکتے ہو بمع نعلین آؤ مصطفیٰ!
عرض کی محبوب نے اے دالق جن وبشر　　کیا سبب تھا طور پہ جب تو ہوا تھا جلوہ گر
حکم ہوا موسیٰ کو نعلین پا نہ طور پر　　حکم مجھ کو یہ ہوا نعلین پا آؤ ادھر

(ف) نعلین بپا عرش پر جلوہ گر ہونے کی یہ روایت کہ "آپ نے نعلین اتارنی چاہی اور خدا تعالیٰ نے فرمایا آپ نعلین نہ اتاریئے۔ علماء سلف میں سے امام ابن ابی جمرہ اس کے قائل ہیں (جواہر البحار فی فضائل النبی المختار صلی اللہ علیہ وسلم)

۲- دوسری روایت یہ ہے کہ آپ کو نعلین اتارنے کا حکم نہ ہوا جس طرح کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نعلین اتارنے کا حکم ہوا تھا۔ جیسا کہ علامہ نبہانی کی رباعی ہے۔

علی رؤس هذا الكون نعل محمد　　علت فجميع الخلق تحت ظلاله
لدى الطور موسى نودى اخلع و احمد　　على العرش لم يؤذن بخلع نعاله

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نعلین کی یہ شان ہے کہ جب آپ معراج پر گئے تو نعلین مبارک پورے جہان کے اوپر تھی اور تمام مخلوق اس نعلین مبارک کے سایہ تلے تھی اور کوہ طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ندا ہوئی کہ آپ نعلین پاک اتار دیجئے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عرش پر نعلین اتارنے کا اذن نہ ملا۔

اس کا اصل ترجمہ یہ ہے کہ بعض اکابر صوفیاء نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا ہے کہ (ان سے پوچھا گیا کہ اس بات کی اصل تحقیق کیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نعلین مبارک اتارنی چاہی اور اللہ نے کہا کہ آپ نعلین کو نہ اتاریئے۔ تو اس بزرگ نے اس روایت کی یہ تاویل بتائی ہے کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اللہ تعالیٰ نے مخاطب فرمایا تو آپ کو عظمت ہیبت کی وجہ سے پسینہ آگیا۔ حتیٰ کہ آپ کی بشری حزاء آپ کے جسم سے اتری یہاں تک کہ آپ کے دونوں پاؤں میں نعلین کی طرح ہوگئی۔ پس حضور

علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اتارنے کا قصد فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو فرمایا کہ ''آپ نہ اتاریئے'' اور یہ حکم اس لئے ہوا کہ اگر آپ اس کو اتار دیتے تو آپ صرف روحانی نور رہ جاتے اور زمین پر نہ اترتے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ تھا کہ آپ زمین پر نازل ہوں تاکہ آپ خدا کی توحید کی دعوت دیں پس اے مخاطب! اس مسئلہ کو سمجھو کیونکہ یہ ایک پوشیدہ مسئلہ ہے جس پر سوائے اولیاء خاص کے کسی کو اطلاع نہ ہوئی۔ اللہ تعالیٰ ان تمام اولیاء سے راضی ہو۔ (ختم شد ترجمہ از جواہر البحار) (ص ۱۲۱۴) (جواہر البحار فی فضائل النبی المختار ص ۱۲۱۴)

(ف) یہاں دو فصل بیان کی جاتی ہیں اور ہر فصل میں اس روایت پر تبصرہ لکھا ہے۔

فصل اول:

جواہر البحار کا تعارف: علامہ نبہانی نے علماء سلف کی کتابوں سے حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کی فضیلت کے متعلق چیدہ مضامین فراہم کر کے ترتیب دے کر جو کتاب لکھی ہے اس کا نام جواہر البحار فی فضائل النبی المختار صلی اللہ علیہ وسلم مقرر فرمایا اور انہوں نے یہ مضمون ایک کتاب مسمی ''النور الوہاج فی الکلام علی الاسراء والمعراج'' سے نقل کیا جس کو علامہ علی اجہوری مالکی متوفی ۱۰۶۶ھ نے تصنیف فرمایا۔

(ب) علامہ نبہانی کا تعارف تیرہویں صدی ہجری میں شام کے ملک میں تین شخص پیدا ہوئے۔ ایک فقہ میں ماہر جو کہ علامہ ابن عابدین شامی ہیں۔ دوسرے علامہ محمد آلوسی جو کہ روح المعانی کے بانی ہیں یہ تفسیر میں ماہر تھے۔ تیسرے فن سیرت میں ماہر تھے جو کہ علامہ نبہانی رحمۃ اللہ علیہ مصنف جواہر البحار ہیں۔

(ج) حضور علیہ السلام کی بشریت مطہرہ: شرح نعمت کبریٰ میں لکھا ہے کہ رسولا من انفسهم ای امن جنسهم لان الملك و كذلك الجن العدم جسيته ولكونه غير مدرك بالحواس الخمس لا يتفتح الى واسطه جنيه ذات جهتين جهة التجرد لتمكن الاستفاضة من باب القدس وجة التعلق لتمكن الاضافة الى جانب الخلق وهو الرسول صلى الله عليه وسلم (جواہر البحار ص ۱۱۳۱)

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے نفسوں سے بھیجا ہے یعنی ان کی جنس سے بھیجا ہے۔ اس لئے کہ فرشتہ اور جن سے نفع حاصل نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ جنس ایک نہیں ہے اور وجہ یہ کہ حواس خمسہ سے ان کا ادراک نہیں ہوسکتا لہٰذا اب اس جنس کے واسطہ کی احتیاج ہوئی جو ذو جہتین ھو من وجہ مجرد ہوا (نور ہو) تا کہ باب قدس سے استفاضہ پر قادر ہوسکے اور ص وجہ عالم مادیان سے تعلق ہو (بشر ہو) تا کہ مخلوق کی طرف فیض پہنچا سکے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں (ف) باقی مسئلہ رہا تقول اور تفوہ بشریت (بشریت کی رٹ لگانا) اور لوازمات بشریت کا ثابت کرنا تو اس بارے میں امام ربانی قدس سرہ کا مکتوب گرامی ملاحظہ فرمایئے۔

جو لوگ رحمت خداوندی سے محجوب تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بشر کہتے تھے آپ کے لئے تمام لوازمات بشریت ثابت کرتے تھے اور شانِ رسالت سے انکار کرتے تھے اور بختور لوگوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو رسالت اور رحمت کے عنوان سے دیکھا اور تمام لوگوں سے آپ کو ممتاز سمجھا وہ لوگ ایمان کی دولت سے مشرف ہوئے اور اہل نجات ہوگئے۔ شرح عقائد نسفی میں لکھا ہے اور رسول وہ ہوتا ہے جو انسان ہو اور اللہ تعالیٰ اس کو مخلوق کی طرف بھیجتا ہے تا کہ احکام شرعی کی تبلیغ کرے (از روئے عقائد حضور علیہ السلام کی بشریت مطہرہ کا یقین رکھنا صحت ایمانی کے لئے شرط ہے اور یہی حق ہے۔ (لاریب فیہ) بیدم شاہ وارثی نے کیا خوب کہا ہے۔

خوبی و شمائل میں ہر آن نرالا ہے ۔۔۔ انسان ہے وہ لیکن انسان نرالا تھا
تزئین شب آسری دیکھی تو ملک بولے ۔۔۔ کیا آج خدا کے گھر مہمان نرالا ہے
اقلیم محبت کی دنیا بھی نرالی ہے ۔۔۔ دربار انوکھا ہے، سلطان نرالا ہے

(د) عقیدہ نص سے ثابت ہوتا ہے بعض صوفیاء کا قول چونکہ نص نہیں۔ ہاں ایک حدیث کی شرح ہے کہ اگر بہت اونچا ہو تو ایک بزرگ کا الہام ہے جس کا ماننا کسی پر لازم نہیں جیسا کہ شرح عقائد میں ہے۔ **والالهام المفسر بالقاء المعنى فى القلب**

بطریق الفیض لیس من اسباب المعرفة بصحة الشیء عند اهل الحق اور الہام جو ولی کے دل میں بطریق فیض معنی کا القاء ہوتا ہے وہ یقین کے اسباب میں سے نہیں ہے کہ اہل حق کے نزدیک شئی کی صحت کا یقین ہو جائے۔

(ھ) طرق ثبوت احادیث حدیث شریف ہونے کے لئے صحاح ستہ میں محصور ہونا بھی درست نہیں۔ اس لئے کہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ بعض شخصوں میں کوئی اور طریقہ پیدا کرے جو مشاہدہ اور تواتر کے ماسوا ہو جس سے ان کو علم یقینی ہو جائے مثلاً الہام صحیح ہو یا سچا خواب ہو۔ (نبراس ص ۸۷)

اس لئے چاہئے کہ جب کوئی حدیث سنو تو یا بزرگ کا الہام سنو تو اس کے انکار کے لئے فوراً لب کشائی کرنا اچھا کام نہیں ہے۔ (الہام دوسرے شخص کے لئے حجت نہیں ہے اور اس شخص کے لئے جس کو الہام ہو حجت ہے۔ لہٰذا ان دونوں اقوال میں تعارض نہ رہا) ہر بات پر انکار کی عادت اچھی نہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ نفی ثبوت (کسی شے کا ثبوت نہ ملے) کو ثبوت نفی (اس شے کے وجود کی نفی) لازم نہیں۔ مثلاً ایک شخص دعویٰ کرے کہ چاہ بابل، سد سکندری، دجال اور یاجوج ماجوج دنیا میں موجود نہیں کیونکہ ہم کو اس کا ثبوت نہیں مل سکا پھر اس کا جواب یہ دو گے کہ شئی کا ثبوت نہ ملنے سے اس کے موجود ہونے کی نفی لازم نہیں آتی۔

(۲) فصل دوسری

بعض مناسب مسائل کے بیان میں

(الف) ذاتی نور ہونے کی دلیل چونکہ علوم نقلیہ اور عقلیہ کا قاعدہ ہے کہ ذاتی کا اپنی ذات سے انفکاک (جدا ہونا) محال ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور علیہ السلام ذات کے لحاظ سے نور ہیں اور بشریت آپ کی ذات مقدسہ کے لحاظ سے ایک صفت ہے۔ جیسا کہ جواہر البحار شریف کی عبارت اس پر دلالت کرتی ہے۔

لانہ لو خلعہا بصار نورا زوقانیا کیونکہ اگر آپ بشریت مطہرہ کو اتار دیتے تو محض

روحانی نور زرہ جاتے۔

(ب) تفسیر سے نور ذاتی کا ثبوت وَلَلْاٰخِرَةُ خَیْرٌ لَّکَ مِنَ الْاُوْلٰی (پ۳۰ ع ۱۷) اور بے شک پچھلی حالت بہتر ہے۔ تیرے لئے اگلی حالت سے یہاں تک کہ تیری بشریت اصلاً نہ رہے گی اور نور حق کا غلبہ ہمیشہ تجھ پر رہا کرے گا۔ (فتح العزیز ص ۲۸۲) طرز استدلال اس طرح ہے کہ موصوف ایک ذات ہے جس کا وجود فی نفسہ مستقبل ہوتا ہے اس کے وجود کے قیام کو غیر کی احتیاج نہیں ہوتی اور صفت ایک عرض ہے جس کے قیام کو ذات کی حاجت ہے اور اس کا بقا بدون موصوف کے محال ہے۔ آپ کی ذات میں نور غالب ہے جو اپنے وجود میں بشریت کا محتاج نہیں ہے اور بشریت مغلوب ہے حتیٰ کہ اگر وہ اصلاً نہ رہے تو ذات بدستور باقی ہے۔

(ج) ذات صفت پر مقدم ہوتی ہے۔ حدیث شریف میں ہے۔

کنت نبیاو آدم بین الماء والطین حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ میں اس وقت نبی تھا کہ جس وقت حضرت آدم علیہ السلام مٹی اور پانی کے مابین تھے اور جس نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں مقرر تھے کہ آپ نبی ہوں گے اس نے حدیث کو نہیں سمجھا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا علم تو جمیع ما کان ما یکون کو ازلا وابدا محیط ہے۔ صرف آپ کی نبوت کی کیا تخصیص ہے؟ لہٰذا ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت اس وقت ثابت تھی جبکہ حضرت آدم علیہ السلام پیدا ابھی نہیں ہوئے تھے۔ (خصائص الکبریٰ ج ص ۴)

طرز استدلال اس طرح ہے کہ نبوت صفت ہے۔ اس کے لئے موصوف چاہئے اور موصوف ذات ہوتا ہے۔ اس سے ثابت ہے کہ آپ کی ذات اس وقت موجود تھی جب بشریت پیدا کرنے کے ارادے ہو رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: انی خالق بشرا من طین ۔ (پ۲۳ ع) "میں مٹی سے بشر پیدا کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں۔"

یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اس وقت موجود تھی اور نبوت کی صفت سے موصوف تھی جبکہ بشریت کا وجود ہی پیدا نہیں ہوا تھا۔ آپ کی ذات سابق ہے اور بشریت

مسبوق ہے۔ آپ مقدم ہیں اور بشریت موخر ہے۔

(د) سیرت نگاروں کی روایت، کہتے ہیں کہ جب مصر میں قحط پڑا اور ساتویں سال سب اناج ختم ہو گیا۔ اس وقت لوگ حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے ہر ساتوں دن جمع ہوتے آپ اپنے چہرہ انور سے پردہ اٹھاتے۔ آپ کے جمال کو دیکھ کر سب لوگوں کی بھوک دفع ہو جاتی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جمال ستر ہزار حجاب میں چھپا ہوا تھا۔ ان میں سے اگر آپ ایک حجاب دور کرتے تو کائنات آپ کو دیکھنے کی تاب نہ لا سکتے اور چاند اور سورج بے نور ہو جاتے۔

جگر مراد آبادی کہتے ہیں:

اے مثل تو در جہاں نگارے یزداں دگر نہ آفریدہ

اے آنکہ بامتزاج کامل درجملہ صفات برگزیدہ

تو پر تو حسن ذات، از تو یک شمہ بہ دیگراں رسیدہ

(ھ) نورِ ہدایت کا شبہ یہاں ایک شبہ ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید نور ہے۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے اور ہم نے تمہاری طرف ظاہر کرنے والا نور نازل کیا۔

(پ ۶ ع) اور تورات بھی نور ہے۔ جیسے کہ فرمایا اور ہم نے تورات کو نازل کیا اور اس میں نور اور ہدایت ہے۔ (پ ۶ ع ۱۱) تو یہاں شبہ ہوتا ہے کہ جس طرح یہاں نور ہدایت ہے اس طرح قد جاء کم من اللہ نور (پ ۶ ع ۷) میں بھی نور ہدایت مراد ہو گا۔ اس شبہ کا حل یہ ہے کہ تمام کتب سماویہ پیغاماتِ الٰہیہ کی حیثیت سے ذوات و عیان نہیں بلکہ محض معانی اور صفات ہیں۔ اس لئے نورانیت معانی سے تجاوز کر کے ذوات و عیان کے حدود میں نہ آ سکے گی۔ اور نور سے نور ہدایت ہی مراد ہو گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کی ذات مقدسہ بھی ہے اور آپ کے صفات مقدسہ بھی ہیں۔ آپ عین ذات ہیں۔ آپ کے صفات معانی اور اعراض ہیں۔ اس لئے نور اعیانی اور معانی دونوں ہوں گے۔ آپ نور معنوی (نور ہدایت) بھی ہیں اور آپ نور ذاتی (نور حسی) بھی ہیں۔

خدا کا درود

امام شعرانی فرماتے ہیں کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اکیلا پن محسوس ہوا تو آپ نے ایک آواز سنی جو ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی آواز کے مشابہ تھی وہ آواز یہ تھی۔

یا محمد فان ربلك یصلی

اے پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ توقف فرمائیے آپ کا رب صلوٰۃ فرما رہا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دل میں خیال گزرا کہ میرا رب نماز پڑھتا ہے۔ حتیٰ کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس خطاب سے تعجب ہوا اور اکیلے پن کا خیال جاتا رہا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا: هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلٰٓئِکَتُهٗ (پ۲۲ع۳) اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے آپ پر درود پڑھتے ہیں۔ پس یہ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جان لیا کہ صلوٰۃ سے مراد درود شریف ہے۔ (الیواقیت والجواہر ج۲ ص ۳۵) پھر یہ آیت نازل ہوئی۔ هُوَ الَّذِیْ یُصَلِّیْ عَلَیْکُمْ وَمَلٰٓئِکَتُهٗ لِیُخْرِجَکُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ (پ۲۲ع۲) اللہ تعالیٰ اور اس کے فرشتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجتے ہیں تاکہ آپ کو اندھیرے سے اجالے میں لائے۔ ابو بن فورک سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک صرف صلوٰۃ میں ہے یعنی درود شریف میں ہے۔ وہ درود جو اللہ تعالیٰ کے فرشتے اور خود اللہ تعالیٰ مجھ پر پڑھتے ہیں اور خدا تعالیٰ نے اس درود کے پڑھنے کا حکم فرمایا۔ (شفا شریف ج ا ص ۴۷)

اسما حسنیٰ کا شہود

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسماء باری تعالیٰ کی بارگاہ سے گزر فرمایا تو آپ ان صفات کے پرتو سے متصف ہوتے رہے حتیٰ کہ جب رحم سے گزرے تو آپ رحم کرنے والے بن گئے اور جب غفور سے گزرے تو مغفرت کرنے والے بن گئے اور جب کریم سے گزرے تو کرم کرنے والے بن گئے۔ جب علم سے گزرے تو علم والے بن گئے اور جب شکور سے گزرے تو شکر کرنے والے بن گئے اور جب جواد سے گزرے تو آپ جود

کرنے والے بن گئے۔ حتیٰ کہ اسی طرح باقی اسماء حسنیٰ سے جب گزرتے تو وہ حسن صفات کرنے والے بن جاتے۔ انہیں صفات سے متصف ہوتے گئے آپ جب معراج سے واپس آئے تو انتہائی کمال کے حال میں جلوہ گر تھے۔

قلموں کی آواز

قال رسول الله صلى الله عليه وسلم عرج لی حتی ظهرت مستوی اسمع فيه صريف الاقلام (مسلم شریف ج ۱ ص ۹۳) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا پھر مجھے اور بلند کیا گیا حتیٰ کہ میں ایک بہت بلند مقام پر چڑھ گیا۔ جہاں میں نے قلموں کی آواز سنی۔ حضرت شہاب الدین خفاجی لکھتے ہیں۔ انه بلغ من الرفعة بمقام اطلع فيه على التكوين و مايراد ويو مزله من تقرير الله عزوجل (نسیم الریاض ج ۲ ص ۲۶۹) آپ ایسے بلند مرتبہ پر پہنچے تو آپ نے تکوین اور اللہ تعالیٰ کے احکام اور اس کی مراد پر اطلاع پائی۔ علامہ قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ان الاقلام اثنا عشر قلما وانها متفاوتة فی الرتب فاعلاها واجلها قدرا قلم التقدير السابق الذی كتب الله به مقادير الخلائق (مواہب الدنیہ ج ۲ ص ۲۸) تحقیق یہ بارہ قلمیں ہیں اور وہ سب کی سب مراتب کے لحاظ سے متفاوت ہیں۔ پس ان میں سے بلند اور بزرگ شان والی قلم تقدیر ہے جس نے سب سے پہلے خلقت کی تقدیر کو لکھا ہے۔ (مدارج ج ۱ ص ۱۶۷) پر لکھا ہے کہ وہ قلم تقدیر ہے جس کی اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں قسم اٹھائی ہے اور فرمایا: ن والقلم وما يسطرون (پ ۲۹ ع ۳) نون حروف مقطعات سے ہے۔ اس کا معنیٰ اللہ تعالیٰ ہی جانتے ہیں۔ بعض نے کہا ہے کہ اسماء الٰہی نور اور ناصر کا ابتداء مراد ہے اور بعض نے کہا کہ الرحمٰن اور مومن کا آخر مراد ہے۔ بعض نے اس کا معنیٰ وہ مچھلی کیا جس نے زمین کو اٹھایا ہوا ہے۔ بعض نے اس کا معنیٰ دوات لیا ہے جس سے لوح محفوظ پر لکھا جاتا ہے پھر فرمایا مجھے قلم کی قسم ہے اور ان فرشتوں کی قسم ہے جو لکھنے والے ہیں اور امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ قال القاضی و فی علو منزلة نبينا

صلی اللہ علیہ وسلم وارتفاعۃ فوق منازل سائر الانبیاء صلوۃ اللہ و سلامہ علیہم اجمعین وبلوغہ حیث بلغ من ملکوت السموت دلیل علی علو درجتہ وابانۃ فضلہ (نووی شرح مسلم ج ا ص ۹۲)

قاضی عیاض رحمۃ اللہ نے فرمایا کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مرتبہ کی بلندی اور تمام نبیوں کے (سلام ہوان پر) منازل سے آپ کے بلندی کا بالاتر ہونا اور آپ کا ملکوت سموت تک پہنچنا اس بات کی دلیل ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا درجہ اعلیٰ تر اور آپ کی فضیلت واضح اور روشن ہے۔

حجاب کبریا

صاحب معراج، محبوب رب العزت، محسن انسانیت پیکر وحسن وجمال صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تنہا رہ گیا اور سوائے پروردگار کے کوئی مونس و مددگار نہ تھا۔ وہاں خدا کے جلال کی ہیبت میرے دل پر چھائی ناگاہ میں نے دیکھا کہ ایک قطرہ ٹپکا اور میں نے اس کو منہ میں لے لیا۔ خدا کی قسم میں نے زندگی بھر اس سے زیادہ چیز نہ چکھی تھی۔ پھر اس قطرہ کی برکت سے تنہائی کا خیال دور ہو گیا اور اولین وآخرین کا علم منکشوف ہو گیا۔ (مواہب اللدنیہ ج ۶ ص ۱۲۸) مدارج النبوۃ ج ۱ ص ۱۶۹) تفسیر روح البیان میں ہے۔ وقال صلی اللہ علیہ وسلم لیلۃ المعراج قطرت فی حلقی قطرۃ فعلمت ما کان و مایکون اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ معراج کی رات میرے حلق میں ایک قطرہ ٹپکا جس سے مجھے گزشتہ اور آئندہ سب امور کا علم ہو گیا۔ تفسیر حسنی میں زیر آیت علمک مالم تکن تعلم کے تحت لکھا ہے کہ بحر الحقائق میں فرماتے ہیں کہ اس سے ما کان وما یکون کا علم مراد ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معراج کی رات اللہ تعالیٰ نے عطا فرمایا ہے۔ جیسا کہ معراج شریف کی حدیث میں روایت ہے کہ عرش کے نیچے ایک قطرہ میرے حلق میں ٹپکایا گیا اس کے وفور فیضان سے مجھے ماکان اور مایکون کا علم ہو گیا۔

(ف) علامہ شہاب الدین خفاجی رحمۃ اللہ علیہ زیر آیت اعلم غیب السموت

والارض و اعلم ما تبدون و ما تکتمون تحریر فرمایا ہے کہ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے کہ معلومات الٰہی لاانتہایت ہیں اور سموں اور زمین کے غیوب اور جو وہ ظاہر کرتے ہیں اور جو وہ چھپاتے ہیں اس میں سے ایک قطرہ ہے۔

تفسیر روح البیان میں ہے کہ ہمارے شیخ علامہ نے رسالہ رحمانیہ میں تحریر فرمایا ہے کہ اولیاء کرام کا علم انبیاء کے علم سے وہ نسبت رکھتا ہے جو ایک قطرہ کو سات سمندروں سے ہوتی ہے اور انبیاء کا علم ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے علم سے یہی نسبت رکھتا ہے۔

بخاری شریف میں ہے وقع عصفور علی حرف السفینۃ غمس منقارۃ فی البحر فقال الخضر لموسی و اعلمك و علمی و علم الخلائق فی علم اللہ تعالی الا قعدار ما غمس ھذا العصفور منقارہ حاصل یہ ہے کہ کشتی کے کنارہ پر ایک چڑیا بیٹھ گئی اور اپنی چونچ دریا میں تر کر لی تو خضر علیہ السلام نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ میرا اور تمہارا علم اور تمام مخلوق کا علم اللہ تعالیٰ کے علم کے سامنے ایسا ہی ہے جیسا کہ سمندر کے مقابلہ میں اس چڑیا کا چونچ تر کر لیتا ہے۔ علماء کرام نے لکھا ہے کہ اگر تمام اولین و آخرین سب کے علوم جمع کر لئے جائیں تو ان کے مجموعہ کو علوم الٰہیہ سے اصلاً کوئی نسبت نہ ہوگی۔ یہاں تک کہ وہ نسبت بھی نہیں ہو سکتی جو ایک بوند کے دس لاکھ حصوں میں سے ایک حصہ کو دس لاکھ سمندروں سے ہے۔ اس واسطے کہ بوند کا یہ حصہ بھی محدود ہے اور ذخار بھی متناہی ہیں اور متناہی کو متناہی سے ضرور کوئی نسبت ہوتی ہے۔

(الدولۃ مکیہ ص ۱۹۷)

جہان کا مکشوف ہونا

مواہب الدنیہ میں طبرانی سے بروایت ابن عمر مروی ہے کہ حضرت ابن عمر نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ جل شانہ نے میرے لئے زمین کو مکشوف فرمایا۔ پس میں دنیا کی طرف اور جو اس میں قیامت تک ہونے والا ہے سب کی طرف اس طرح دیکھ رہا ہوں جیسے اپنی ہتھیلی کو دیکھ رہا ہوں۔ علامہ زرقانی نے اس حدیث کی

شرح میں لکھا ہے کہ اللہ جل شانہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے دنیا کا جہان ظاہر فرمایا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کا احاطہ فرمالیا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں اس کو اور جو کچھ اس میں قیامت تک ہونے والا ہے۔ سب کو مثل اپنی کف دست کے مشاہدہ فرما رہا ہوں۔ اس طرف اشارہ ہے کہ حدیث شریف میں نظر کے معنی آنکھ سے دیکھنا مراد ہے۔ نہ کہ کوئی مجازی معنی ہے۔ (زرقانی ج ۷ ص ۲۳۴) حتیٰ کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر نفخ اولیٰ تک جو کچھ دنیا میں ہونے والا ہے۔ وہ سب حضور علیہ السلام کے سامنے مکشوف ہو گیا۔ حتیٰ کہ اول سے آخر تک تمام احوال آپ کو معلوم ہوئے اور ان میں سے بعض احوال کی آپ نے اپنے صحابہ کرام کو اطلاع فرمائی۔ (مدارج النبوۃ)

(ف) جس شخص نے بحالت اسلام شہنشاہ خوش خصال، پیکر حسن و جمال، صاحب معراج بی بی آمنہ کے لال صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات نہ کی صحیح یہ ہے کہ ان کا شمار کبار تابعین میں ہوتا ہے خواہ ان میں سے کوئی شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ میں مسلمان ہو جیسے کہ نجاشی (بادشاہ حبشہ کا) یا نہ لیکن اگر یہ ثابت ہو جائے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معراج کی رات تمام زمین مکشوف ہو گئی اور آپ نے سب کو دیکھا پھر مناسب ہے کہ وہ شخص صحابی تسلیم کیا جائے جو کہ آپ کی حیات مبارکہ میں اسلام لایا۔ اس لئے کہ اس شخص نے اگرچہ (لوگوں کی نظروں میں) آپ سے ملاقات نہ کی چونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نظروں میں رویت حاصل ہو گئی ہے چاہئے کہ اس شخص کو صحابہ میں شمار کیا جائے کیونکہ صحابی ہونے کے لئے رویت ایک طرف سے کافی ہے۔ حتیٰ کہ جو صحابہ کرام نابینا تھے وہ بھی صحابی تھے۔ (نزہۃ النظر شرح نخبۃ الفکر ص ۸۵)

ادن منی کا خطاب

شہنشاہ خوش خصال، پیکر حسن و جمال، صاحب معراج، بی بی آمنہ کے لال صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حجاب کبریا کے نزدیک جب پہنچا تو آواز آئی اے میرے حبیب گزر جائیے۔ اس آواز کے سنتے ہی میں نے خیال کیا تو حجاب کبریا سے پار ہو گیا تھا۔ اس کے

بعد میں خطاب سنتا تھا۔ ادن منی میرے نزدیک آجائے، جب ہی اس خطاب سے مخاطب ہوتا تھا۔ ایک قدم اٹھاتا تھا اور ہر قدم سے اتنا فاصلہ طے ہوتا تھا جتنا کہ زمین نے آسمان تک طے کیا اور ہزار بار ادن منی کا خطاب سنا اور ہزار بار ہی قدم اٹھایا اور زمین سے وہاں تک جتنی مقدار مسافت تھی ایک قدم سے ترقی کرتا تا آنکہ دنی کے مرتبہ سے مشرف پایا۔ اس کے بعد فتدلی پر ترقی پائی اور وہاں سے فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ کے خلوت خانہ میں پہنچا اور اَوْحٰى اِلٰى عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰى کے اسرار اور راز و رموز سے محرم راز ہوا۔ (معارج النبوۃ ج۳ ص ۱۵۳)

امام احمد رضا کس دل موہ انداز میں لکھتے ہیں۔

سراغ این و متی کہاں تھا نشان کیف الٰہی کہاں تھا
نہ کوئی راہی نہ کوئی ساتھی نہ سنگ منزل نہ مرحلے تھے
ادھر سے پیہم تقاضے آنا ادھر تھا مشکل قدم بڑھانا
جلال ہیبت کا سامنا تھا جمال و رحمت ابھارتے تھے
بڑھے تو لیکن جھجکتے ڈرتے حیا سے جھکتے ادب سے رکتے
جو قرب ان کی روش پہ رکھتے تو لاکھوں منزل کے فاصلے تھے
پر ان کا بڑھنا تو نام کو تھا حقیقتاً فعل تھا ادھر کا
تنزلوں میں ترقی افزاء ادنیٰ تدلیٰ کے سلسلے تھے

دنی فتدلیٰ کا مقام

شیخ ابوالحسن نوری فرماتے ہیں کہ ان کے معنی تک سمجھ کا پہنچنا دشوار ہے کیونکہ دنی بعد اور دوری کے بعد آتا ہے۔ اس وقت وہاں بعد اور دوری کہاں تدلی مکان میں ہوتا ہے۔ وہاں مکان کی کیا گنجائش ہے۔ کان ماضی پر دلالت کرتا ہے۔ اس مقام پر زمانہ خود کہاں ہے قاب سے مقدار اور اندازہ ہے۔ وہاں مقدار کا کیا اعتبار ہے قوسین میں مثال کی طرف اشارہ ہے۔ وہاں مثال ہی معدوم ہے۔ او شک پر دلالت کرتا ہے۔ یہاں شک

کرنے والا محروم ہے۔ ادنٰی لفظ دنو سے مبالغہ ہے اور یہاں قریب ہونے والا کون ہے اور مدنو جس کے قریب ہوتا ہے۔ کہاں؟ خلاصہ یہ کہ تمام عالموں کے علم اس کی تفسیر کما حقہ سے عاجز ہیں۔ اگر کوئی اس میں لب کشائی کرے تو اس قدر کہہ سکتا ہے ''حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے قریب ہوئے۔ حالانکہ وہ عبد تھے اور بہت زیادہ قریب ہوئے حالانکہ آپ فرد تھے قریب ہوئے تو مکی تھے زیادہ قریب ہوئے تو ملکی تھے۔ قریب ہوئے تو فرشی تھے زیادہ قریب ہوئے تو عرشی تھے۔ قریب ہوئے تو مجاہدہ تھے زیادہ قریب ہوئے تو مشاہدہ کرنے والے تھے۔ قریب ہوئے تو طالب تھے زیادہ قریب ہوئے تو مطلوب تھے۔ قریب ہوئے تو محتاج تھے زیادہ قریب ہوئے تو خدا کی نعمتوں پر فخر کرنے والے تھے۔ قریب ہوئے تو ندا کرنے والے تھے زیادہ قریب ہوئے تو مناجات کرنے والے تھے۔ قریب ہوئے تو تعریف کرنے والے تھے زیادہ قریب ہوئے تو تعریف کیے ہوئے تھے۔ قریب ہوئے تو شکر کرنے والے تھے زیادہ قریب ہوئے تو شکر کیے ہوئے ہوگئے مگر یاد رہے یہ تمام مراتب کا بیان حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جملہ حالات کے مقابلہ میں اس طرح ہے جیسا کہ لاکھوں ناپیدا کنار سمندروں کے مقابلہ میں ایک قطرہ ہوتا ہے۔'' (معارج النبوۃ ص ۱۵۵)

بعض بزرگوں نے یوں فرمایا ہے کہ دنٰی کہ یہ معنی ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے عالم خلق کے تمام آثار و علامت کو اپنی ذات مقدس سے جدا کر ڈالا اور منزل فتدلی میں بنی نوع انسان کے ساتھ اشتراک کو دور کر دیا اور اجازت غیبی سے حجاب کبریا تک پہنچے اور ادن منی کا حکم ہوا بارگاہِ الٰہی سے بار بار حکم ہوتا رہا آؤ اور آگے آؤ۔ چنانچہ آپ بموجب ارشاد ربانی اتنا قریب ہوئے کہ حدوث و قدوم میں کوئی مناسبت نہ رہی۔

(معارج النبوۃ ج ۳ ص ۱۵۷)

اٹھے جو قصر دنٰی کے پردے کوئی خبر دے تو کیا خبر دے
وہاں تو جا ہی نہیں دوئی کی نہ کہہ کے وہ بھی نہ تھے اوے تھے

وہی ہے اوّل وہی ہے آخر وہی ہے باطن وہی ہے ظاہر
اس کے جلوے اسی سے ملنے اسی سے اس کی طرف گئے تھے
کمان امکاں کے چھوٹے نقطو تم اوّل و آخر کے پھیر میں ہو
محیط کی چال سے پوچھو کدھر سے آئے کدھر گئے تھے

(امام احمد رضا)

قاب قوسین:

قاب کے معنی مقدار کے ہیں اور قوسین کے معنی کمان کے ہیں۔ اس کی اصلی حقیقت تو اللہ اور اس کا رسول جانتا ہے ملا معین الدین صاحب چوتھے لطیفہ میں رقم طراز ہیں ک عرب میں دستور تھا کہ جب دو سردار آپس میں معاہدہ کرتے تھے تو دونوں اپنی کمانوں کے زہ بدل کر ایک تیر پھینکا کرتے تھے جو اس بات کی دلیل ہوتا تھا کہ دونوں کا آپس میں اس حد تک اتفاق ہے کہ جو تیر ایک کی کمان سے نکلا ہے وہی دوسرے کی کمان سے قرار پایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے میرے حبیب کہ تیری کمان شفاعت کی ہو اور میری کمان شفاعت کی ہو تو رحمت کی زہ شفاعت کی کمان سے باندھ اور میں شفاعت کی زہ رحمت کی کمان سے باندھ لوں تا کہ تیری اور میری محبت اس درجہ ظاہر ہو جائے۔ من یطع الرسول فقد اطاع اللہ ط (پ ع) جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔ یاد رہے کہ جس طرح تفسیروں میں اس کی ضمیروں میں کو حضرت جبرائیل کی طرف راجع کرتے ہیں۔ اسی طرح ان ضمائر کو اللہ تعالیٰ کی طرف راجع کرنا بھی درست ہے۔ جیسا کہ حدیث میں ہے کہ ودنا الجبار رب العزت فتدلی حتی کان منه قاب قوسین او ادنی (بخاری شریف ج ۲ ص ۱۱۲۰۔ مسلم شریف ج ا ص ۹۲) اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے قریب ہوئے اور بہت قریب ہوئے حتیٰ کہ دو کمان کی مقدار بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب ہو گئے۔

امام ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں: وقد نقل القرطبی ابن عباس انه قال

دنا اللہ سبحانہ و تعالیٰ (فتح الباری ج ۱۳ ص ۴۱۴)

اور امام قرطبی سے منقول ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے نزدیک ہوا۔ بعض نے اس آیت کا معنی یوں بیان فرمایا کہ دنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ تعالیٰ کے قریب ہوئے فتدلی یہ پاس ادب وہاں سجدہ کیا فکان قاب قوسین پھر آپ اتنا قریب ہو گئے جتنا کہ دو بھوؤں کے درمیان فاصلہ ہوتا ہے۔ او ادنی بلکہ اس سے بھی زیادہ قریب ہو گئے۔ جتنا کہ آنکھ کی سفیدی کو سیاہی سے قرب حاصل ہے اتنا قرب حاصل ہو گیا اور تفسیر حسینی ص ۳۵۸ پر لکھا ہوا ہے کہ محققین نے نزدیک دنی سے نفس مقدس کی طرف اشارہ کیا ہے اور تدلی سے دل مطہر کی طرف اور فکان قوسین سے روح شریف قربت کے مقام میں اور سر مبارک مشاہدہ کے مقام میں۔ قاضی ایاض نے لکھا ہے کہ اس آیت شریف کی تفسیر میں لکھا گیا ہے جزیں نیست کہ یہ مضمون اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان تقسیم ہوتا ہے۔ بس دنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام قریب ہوئے فتدلی اللہ تعالیٰ ان سے زیادہ قریب ہوئے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی شان میں جہت کا ہونا محال ہے اور قرب جہت پر دلالت کرتا ہے۔ اس لئے اس میں یوں تاویل کرنی لازمی ہے۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کے قریب ہونے سے آپ کی عظمت وقدر و منزلت کی طرف اشارہ ہے کہ آپ وہاں پہنچے جہاں کوئی نہ پہنچ سکا اور اللہ تعالیٰ کے زیادہ قریب ہونے سے یہ مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کی قدر و منزلت کو ظاہر فرمایا اور قاب قوسین نہایت قریب ہے اور حقیقت پر مطلع ہونے سے کنایہ ہے اور یہاں وہ تاویل کرنی چاہئے جو اس حدیث قدسی میں ہے۔ من تقرب الی شبرا تقربت منہ ذراعا ومن اتانی یمشی اتیتہ ہرولۃ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص میری طرف ایک بالشت نزدیک ہو جاتا ہے میں اس ایک گز نزدیک ہو جاتا ہوں اور جو شخص میرے پاس چل کر آتا ہے میں اس کے پاس دوڑ کر آتا ہوں۔

اوحٰی الٰی عبدہٖ ما اوحٰی

پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے محبوب کی طرف وہ وحی کی جو علامہ اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔ بلاواسطہ فیما بینہ و بینہ سرا الی قلبہ (روح البیان ص ۴) اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے پیارے حبیب کی طرف بلاواسطہ وحی فرمائی جو پوشیدہ طور پر ان کے قلب اطہر پر واقع ہوئی اور اس وحی کو اللہ تعالیٰ نے لفظ ما سے بیان فرمایا جو ابہام پر دلالت کرتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ اس وحی کی حقیقت کو یوں ظاہر فرماتا ہے کہ وہ ایسی عظیم والشان وحی تھی جو تفصیل سے بے نیاز ہے۔ حضرت حافظ جمال اللہ صاحب ملتانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے جب حضور فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو انواع اقسام کے علوم تعلیم کیے اور فرمایا کہ پوشیدہ رکھنا جب آپ معراج سے تشریف لائے تو ایک دن کسی دیوانے کو دیکھا کہ وہی علوم بازاروں میں کہتا پھرتا ہے۔ آپ نے جناب باری میں عرض کی کہ یہ کیا بات ہے مجھے تو چھپانے کی وصیت ہوئی اور یہ دیوانہ ظاہر کرتا پھرتا ہے پھر یوں وحی ہوئی کہ یہ ہمارے اسرار ہیں۔ آپ اسے نہ پوچھیے۔ آپ بتلاتے تو فتنہ وفساد ہوتا اس دیوانے کی باتوں کا کون اعتبار کرے گا۔ (گلزار جمالیہ ص ۳۰)

۲۔ عرش سے تحت الثریٰ تک اللہ تعالیٰ کی جتنی مخلوق ہے اس تمام مخلوق کی عقلوں سے اللہ تعالیٰ نے اس پوشیدہ وحی کے بھید کا اوحی فرما کر مبہم کر دیا۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو جو وحی کی اس کو کسی نے نہ سنا جس کی وجہ یہ ہے کہ محب اور محبوب کے درمیان جو راز ہوتا ہے اس پر ان دونوں کے سوا کوئی مطلع نہیں ہو سکتا اور میرا گمان یہ ہے کہ اگر تمام اولین وآخرین کے ان اسرار سے کوئی ایک کلمہ تک بیان کیا جائے تو وہ تمام مرجائیں گے اور اس بھید کا بوجھ نہ اٹھا سکیں گے۔ یہ بھید حق تعالیٰ سے اس کے خاص بندے کے قلب مبارک پر وارد ہوا۔ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا کام تھا کہ وہ اس کے متحمل ہوئے اور یہ بوجھ ربانی ملکوت اور لاہوتی قوت کے ہے جو آپ کو عطا کی گئی۔ ورنہ تو ان کے اسرار سے ایک ذرہ کا تحمل بھی نہ فرما سکتے کیونکہ اس وحی مخصوص کی شان یہ

ہے کہ وہ خبریں عجیب ہیں اور اولین کے لاز ہیں اگر ان میں سے ایک کلمہ ظاہر ہو جائے تو احکام معطل ہو جائیں۔ روح اور جسم فنا ہو جائیں۔ تمام رسوم (نشانات) مندرس ہو جائیں۔ (مٹ جائیں) تمام عقل، فہم اور علم مضمحل (نیست و نابود ہو جائیں)۔

(عرائس البیان ج ۲ ص ۲۸۷)

۳۔ "بے شک میرے رب کریم نے میری امت کے بارے میں مجھ سے مشورہ فرمایا کہ میں ان کے ساتھ کیا کروں؟ میں نے عرض کیا اے پروردگار جو تو چاہے وہی کر وہ تیری مخلوق اور تیرے بندے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دوبارہ مجھ سے مشورہ کیا میں نے وہی جواب دیا۔ تیسری مرتبہ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھ سے مشورہ طلب فرمایا میں نے وہی عرض کیا پھر میرے رب کریم نے مجھ سے ارشاد فرمایا اے احمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بے شک میں تیری امت کے معاملہ میں تجھے ہرگز رسوا نہ کروں گا اور مجھے بشارت دی کہ میرے ستر ہزار امتی سب جنتیوں سے پہلے میرے ہمراہ جنت میں داخل ہوں گے۔ ان میں سے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار ہوں گے جن سے حساب نہ لیا جائے۔

(کنز العمال ج ۶ حدیث نمبر ۳۵۱۷، خصائص کبریٰ ج ۲ ص ۲۱۰ مسند امام احمد ج ۵/۳۹۳)

پھر میرے رب نے (اس وقت کے بعد کسی دوسرے وقت) میری طرف قاصد بھیجا کہ اے حبیب! تو دعا کر تیری دعا قبول کی جائے گی اور مانگ تجھے دیا جائے گا پھر میں نے اپنے رب کریم کے قاصد سے کہا کیا میرا رب میری مانگی ہوئی چیز مجھے دے گا تو اس قاصد (فرشتہ) نے عرض کی کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام اسی لئے تو رب تعالیٰ نے قاصد بھیجا ہے کہ آپ جو کچھ اس سے مانگیں آپ کو عطا فرمائے۔

۴۔ علامہ حسین بن علی بن اقراسیاب اپنی کتاب اخبار القرآن میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے (حضرت) آدم علیہ السلام کو اپنے ہاتھ سے بنایا اور فرشتوں سے اس کا سجدہ کرایا پس اگر تو نہ ہوتا تو میں نہ آدم کو پیدا کرتا اور نہ دنیا کو اور میں نے (حضرت) علیہ السلام سے کلام کیا جب کہ وہ زمین پر تھے اور خراش پر میرا خطاب ہوتا

ہے اور میں نے حضرت ادریس کو بلند جگہ پر اٹھالیا اور تجھے قاب قوسین اوادنیٰ کا درجہ دیا اور میں نے حضرت داؤد (علیہ السلام) کو زبور عطا فرمائی۔ پس تحقیق تجھے قرآن عظیم عطا فرمایا اور اس میں دو سورتیں ہیں کہ ہر ایک ان میں سے دنیا اور آخرت میں اچھی ہے۔ کوئی شخص دن رات ان دونوں سورتوں کو وظیفہ نہیں بنائے گا۔ اس کے لئے دنیا میں حصہ (بخشش کا) اور آخرت میں بہشت کا دخول جزا دوں گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں نے کہا کہ اے میرے سید! اے میرے مولا! وہ کون سی سورتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا وہ دو سورتیں سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران ہیں۔ پھر فرمایا اے احمد صلی اللہ علیہ وسلم جان لے کہ جو شخص آپ کی امت سے رمضان کا مہینہ پائے پھر دن کو روزہ رکھے اور رات کو نوافل پڑھے تو میں اس کو پہلی تہائی ماہ رمضان میں اپنی خوشنودی عطا کروں گا اور دوسری تہائی ماہ رمضان میں اپنی بخشش عطا کروں گا اور تیسری تہائی میں دوزخ سے نجات دلاؤں گا اور میں نے (حضرت) سلیمان علیہ السلام کے لئے ہوا اور پرندوں کو مسخر فرمایا۔ پس تیرے لئے زمین کو مسجد اور پاک کرنے والی بنایا اور تیرے لئے بادشاہوں کی گردنوں کو جھکا دیا اور میں نے حضرت عیسیٰ میں روح پھونکی پس تیرا نام اپنے نام سے مشتق کیا حتیٰ کہ میں محمود ہوں اور تیرا نام محمد ہے اور میں کسی مؤذن کی اذان قبول نہیں کرتا اور نہ کسی دعا کرنے والے کی دعا قبول کرتا ہوں۔ حتیٰ کہ وہ اس بات کی گواہی دے کہ نہیں کوئی معبود سوائے اللہ کے اور آپ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں نے عرض کی اے میرے رب! یہ سب کچھ میرے لئے ہے۔ میری امت کے لئے کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیری امت میں سے ستر ہزار ایسے افراد کو بخش دوں گا جن کے لئے عذاب نازل ہو چکا ہے اور وہ دوزخ کے مستحق ہو چکے ہیں پھر میں نے عرض کی اے میرے رب! کچھ زیادہ فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم تیری امت سے اگر کوئی شخص موت سے ایک سال پہلے توبہ کرنے تو اس کی توبہ قبول کرلوں گا۔ پھر میں نے عرض کی کچھ اور زیادہ عطا فرمایئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

جب ان میں کوئی شخص موت سے ایک مہینہ پہلے توبہ کرے گا تو اس کو معاف کر دوں گا پھر میں نے عرض کی اے مولا کریم کچھ اور زیادہ فرمایئے! اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب ان میں سے ایک جمعہ پہلے توبہ کرے گا تو اس کی توبہ قبول کروں گا۔ میں نے کہا کچھ زیادہ فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب ان میں سے کوئی شخص موت سے ایک ساعت پہلے توبہ کرے گا میں اس کی توبہ قبول کرلوں گا۔ میں نے کہا کچھ زیادہ فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان میں سے غرغرہ کے وقت توبہ کرے تو میں اس کو معاف فرمادوں گا۔ میں نے کہا کچھ اور زیادہ فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ توبہ کا دروازہ کھلا ہے جب تک جسم میں روح باقی ہے۔ میں نے کہا کچھ زیادہ فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں نے تیری امت کے ہر جمعہ کو ایک لاکھ شخص دوزخ سے آزاد کیے۔ میں نے کہا کچھ زیادہ فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جب رمضان کا مہینہ ہو اس مہینہ کی ہر رات کو ایک لاکھ آدمی دوزخ سے آزاد کر دیتے ہیں۔ میں نے کہا کچھ اور زیادہ فرمایئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جب رمضان کی آخری رات ہو گی اس رات میں اس قدر لوگوں کو دوزخ سے رہا کروں گا جتنے کہ اوّل سے آخر تک سب رمضان میں آزاد کیے۔ میں نے کہا کچھ اور زیادہ فرمایئے پھر اللہ تعالیٰ نے تین چلو بھرے اور فرمایا لے لو اور لے لو میں نے کہا اس کی تفسیر کیا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا پہلا میرا کرم ہے دوسرا میرا عفو ہے۔ تیسری میری رحمت ہے پھر میں نے کہا میرے رب کی حمد اور شکر ہے۔

(ف) اب وہ مسائل بیان کیے جاتے ہیں جن کو تائید اً یا تنقید اً روایت مذکورہ سے کسی قسم کا تعلق ہے۔

(الف) امت کا مصداق سواد اعظم ہے۔ مسلمانوں میں جو بڑی جماعت ہے وہ اہل حق ہیں۔ حتیٰ کہ سید زینی دحلان مفتی مکہ مکرمہ ایک رسالہ میں تحریر فرماتے ہیں ”باقی یہ لوگ مسلمان کو دھوکہ دیتے ہیں۔ تاکہ اپنی اغراض کو پہنچ جائیں اور یہ اس کو موحد کہتے ہیں۔ جو ان کی باتوں کا اتباع کرے۔ اس لیے محمد بن عبدالوہاب سے کسی نے کہا ارکان

اسلام کتنے ہیں۔ اس نے کہا پانچ تو سلیمان بن وہاب نے کہا (جو اس کا بھائی تھا) اہل علم میں سے تھا۔ اس کے ہر قول پر انکار کرتے تھے کہ تو نے چھ ارکان کر دیئے کیونکہ تیرے کہنے کے مطابق جو تیری اتباع نہ کرے وہ مسلمان نہیں۔ تیرے نزدیک چھٹا رکن ہے ایک دن کسی شخص نے کہا کہ رمضان کریم کی ہر رات اللہ تعالیٰ کتنے بندے آزاد فرماتا ہے۔ فرمایا ایک لاکھ اور آخری رات میں اتنے کرتا ہے جتنے پورے رمضان میں کئے ہوں۔ اس شخص نے کہا تیرے متبعین تو اس کا عشر عشیر نہیں۔ سو میں سے ایک حصہ بھی نہیں تو وہ کون سے مسلمان ہیں جن کو اللہ تعالیٰ آزاد کرتا ہے۔ پس وہ مبہوت اور حیران رہ گیا۔

(الدرر السنیہ از مفتی زینی دحلان ۲۲۵)

ب: کس وقت کی توبہ قابل قبول نہیں

یاد رکھئے قرآن مجید کی صریح نص سے ثابت ہے کہ غرغرہ کی حالت میں توبہ قبول نہیں ہوتی۔ جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے: انما التوبة علی الله للذین یعملون السوء بجهالة ثم یتوبون من قریب فاولئك یتوب الله علیهم و کان الله علیما حکیما ط (پ ۴ ع ۳) جز ایں نیست کہ اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی توبہ قبول کرتے ہیں جو لوگ بے علمی کی وجہ گناہ کرتے ہیں اور پھر موت آنے سے پہلے توبہ کر لیتے ہیں۔ ان لوگوں کی توبہ کو اللہ تعالیٰ قبول کر لیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ تائبان کی توبہ کو جاننے والے ہیں اور اس کی نجات کا حکم دیئے والے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے: ان الله یقبل التوبه عبد مالم یغرغر ۔ بے شک اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ کو اس وقت تک قبول فرماتے ہیں جب تک وہ غرغرہ کی حالت میں نہیں جاتا۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۴۶۳)

التحیات کے لطائف

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب رب العزت سے کلام کا شرف حاصل ہوا تو آپ نے ان الفاظ میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا ادا کی التحیات لله و الصلوت و الطیبات ۔ تمام عبادت قولی اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں اور عبادات بدنی اور تمام عبادات مالی بھی اسی اللہ

کے لئے ہیں۔ پھر حق تعالیٰ کی طرف سے یوں سلام ارشاد ہوا۔ السلام علیك ایها النبی و رحمة الله و برکاته (اے پیارے نبی! آپ پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت نازل ہو اور اس کی برکتیں نازل ہوں) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سلام کا جواب یوں دیا: السلام علینا و علی عباد الله الصالحین (اے خداوند آپ کا سلام ہم پر اور اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں پر نازل ہو) پھر ایک فرشتہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کے اس عظیم والشان مرتبہ کو دیکھ کر کہا۔ اشهد ان لا الٰه الا الله و اشهد ان محمدا و عبده و رسوله ۔ میں گواہی دیتا ہوں عبادت کے لائق ایک ہی خدا ہے اور میں گواہی دیتا ہوں بیشک حضرت محمد رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام اللہ کے مقدس بندے اور رسول ہیں۔ (نہایہ شرح ہدایہ ج اص ۱۷۶ کبری شرح منیہ ص ۳۲۰)

دو قوسوں کے درمیان درمختار ہے۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ تشہد کے الفاظ سے اس کے ان معانی کا قصد جو کہ جملہ انشائیہ کی صورت میں ارادہ کئے جاتے ہیں۔ گویا کہ نمازی اب اللہ تعالیٰ کے دربار میں تحفہ پیش کر رہا ہے اور اپنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سلام پڑھ رہا ہے اور نمازی اپنے وجود پر اور اپنے دوستوں پر سلام بھیج رہا ہے اور اسے جملہ جزیہ بنا کر نہ پڑھے۔ (اس کے بعد اس شرح میں لکھا ہے) یعنی جملہ خبریا کا قصد نہ کرے اور معراج میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور فرشتوں کی طرف سے جو تحفہ اور سلام اور گواہی کا واقعہ ہے (نمازی کو چاہیے) اس سے حکایت کا قصد نہ کرے۔ فیقصد المصلی انشاء هذه الفاظ مرادة له قاصد امعنا الموضوعة له من عنده (مراقی الفلاح ص ۱۵)

قوله الموضوعه بالبحر صفة الفاظ ای الموضوعة هذه الفاظ لهذه المعنی (طحطاوی ص ۱۷۰) ان الفاظ سے نمازی انشاء کا قصد کرے اور مراد لے اور اپنی طرف سے اس کا معنی موضوع لہ مراد رکھے یعنی جس معنی کے لئے یہ الفاظ وضع کیے گئے ہیں وہ معنی ملحوظ رکھے۔

۲۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ نصب العین مومناں و قرۃ العین عابداں است

وزر جمیع احوال واوقات خصوصاً در حالت عبادت وآخر آنکہ نورانیت انکشاف درمحل بیش تر واقوی تر است وبعضے عرفا گفتہ اند کہ ایں خطاب بجہتہ سریان حقیقت محمدیہ است درسائر موجوات وافراد ممکنات پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم درذات مصلیاں موجود حاضر است پس مصلی را باید کہ ازیں معنی آگاہ باشد وزیں شہود غافل نہ بود تا بنواد قرب واسرار معرفت متنور وفائض گردد (اشعۃ اللمعات ج صہ) حضرت شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں کہ (تشہد میں جملہ انشائیہ کس طرح بنتا ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ایمانداروں کے لئے نصب العین ہے اور عبادت کرنے والوں کے لئے آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں اور یہ تمام حالات اور تمام اوقات میں عموماً ہے اور عبادات کے درمیان اور اس کے آخر میں خصوصاً ہے کیونکہ اس موقع پر حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کی نورانیت کا وجود اور انکشاف بہت زیادہ اور قوی تر ہے اور بعض عارفوں کا قول ہے کہ یہ خطاب حقیقت محمدیہ کو ہے جس نے تمام موجودات اور افراد کائنات میں سریان کیا ہوا ہے۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نمازیوں کی ذات میں موجود ہیں پس نمازی کو چاہئے کہ اس معنی سے آگاہ رہے اور اس مشاہدہ سے غافل نہ رہے تا کہ معرفت کے نور اور قرب اور اسرار سے نور حاصل کرنے والا اور فیض پانے والا ہو جائے۔

۴- امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

واحضر فی قلبك النبی صلی اللہ علیہ وسلم و شعصہ الکریم و قل السلام علیك النبی و رحمۃ اللہ و برکاتہ (احیاء العلوم ج ۱ ص ۱۷۵)

نماز پڑھتے وقت اپنے دل میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ کی شخصیت کریمہ کو حاضر کرلو اور کہو اے نبی! آپ پر سلام ہو اور اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوں۔

۵- امام ابن حجر عسقلانی اور حافظ بدرالدین عینی اقوام پذیر ہیں۔

اور یہ احتمال بھی ہو سکتا ہے جو عارفوں کے طریقہ پر مبنی ہے کہ نمازیوں نے جب التحیات پڑھ کر عالم ملکوت کا دروازہ کھلوانے کو کہا تو ان کو اجازت مل گئی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی

بارگاہ میں حاضر ہو جائیں۔ پس جب نمازیوں کی آنکھیں مناجات سے ٹھنڈی ہو گئیں تو انہیں انتباہ ہوا کہ یہ سب حضور علیہ الصلوٰۃ کی رحمت اور ان کی اتباع کی برکت سے حاصل ہوا ہے۔ تب انہوں نے التفات کی تو حبیب کو حبیب کی بارگاہ میں پایا۔ پھر وہ ان کی طرف توجہ کر کے کہنے لگے۔ (فتح الباری، عمدۃ القاری)

السلام علیك ایها النبی و رحمة الله و بر كاته

۶۔ نمازی نے السلام علیک کے جملہ پر السلام علینا کے جملہ کو واؤ کے ساتھ عطف نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اگر عطف کرتا (چونکہ معطوف اور معطوف علیہ میں ایک ہی حیثیت مدنظر ہوتی) تو گویا کہ نمازی اپنے وجود پر بھی نبوت کی حیثیت سے سلام بھیج رہا ہے۔ حالانکہ نبوت کا دروازہ اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات سے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے اس طرح بند کر دیا جس طرح رسالت کا دروازہ بند کر دیا۔ اس لئے یہ بات متعین ہو گئی کہ ہمارے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان کوئی مناسبت نہیں ہے کیونکہ آپ کا اتنا بڑا مرتبہ ہے کہ ہمارے لئے زیبا نہیں اس لئے ہم نے السلام علینا کو اپنے طور پر بدوں عطف کے ابتداء کر دیا۔ (فتوحات مکیہ جلد ۲ ص ۴۸)

۷۔ علامہ شہاب الدین خفاجی فرماتے ہیں۔

اور یہ کہنا مردود ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صرف اس شخص کو سلام کا جواب دیتے ہیں جو وہاں زیارت کرنے والا نزدیک کھڑے ہو کر سلام عرض کرتا ہے۔ اس قول کے غلط ہونے کی وجہ یہ ہے کہ حدیث شریف میں عموم ہے کہ جو بھی مجھے سلام کرے میں اس کی سلام کا جواب دیتا ہوں۔ تخصیص کے قائل کو دلیل کی حاجت ہے کہ (عموم کو خصوص پر کیو محمول کیا) اور اس تخصیص کو ایک حدیث بھی رد کرتی ہے۔ وہ حدیث یوں ہے کہ جب کوئی مومن شخص اپنے بھائی کی قبر سے گزرتا ہے کہ اس کو دنیا میں پہچانتا تھا اور پھر اس کو سلام کرتا ہے تو وہ مومن اس کو پہچانتا ہے اور اس کے سلام کا جواب بھی دیتا ہے۔ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس طرح خاص طور پر صرف زائر کو سلام کا جواب مرحمت فرما

دیں تو اس میں آپ کی کوئی خصوصیت نہیں ہے۔ اس میں تو ہر ایمان والا شریک ہے۔ امام ابوالیمن جو ابن عساکر کے نام سے محدث مشہور ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام زائرین کے سلام کا جواب دے سکتے ہیں تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ آپ ہر اس شخص کو بھی سلام کا جواب ارشاد فرماتے ہیں جو آپ کی امت سے جہان کے کسی گوشہ میں ہو یا باوجودیکہ وہ اسلام کہنے والا بہت مسافت سے دور کیوں نہ ہو (مگر آپ اس کو سلام کے جواب کا شرف بخشتے ہیں) (نسیم الریاض ج ۳)

۸۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر دور یا نزدیک کوئی شخص سلام کہے تو آپ اس کے سلام سنتے ہیں۔ اس مسئلہ کی تائید کے لئے وہ سلام دلیل ہے جو نماز کے اندر تشہد نمازی خطاب کے صیغہ سے کہتا ہے۔ السلام علیك ایها النبی و رحمة الله و بركاته پس اگر آپ اس طرح زندہ نہیں کہ تمام مسلمانوں کا سلام اللہ تعالیٰ کے سنانے سے سن سکیں خواہ وہ مسلمان جہاں بھی ہوں تو پھر اس خطاب کا کوئی معنی اور فائدہ نہ ہوگا بلکہ عقلمندوں کی کلام میں اس طرح نمازیوں کا سلام پڑھنا پاگلوں کی باتوں کے مشابہ ہوگا۔ اس کی مثال یوں ہے کہ اگر آپ کسی شخص سے سنیں تو وہ موت و راز سے ایک مردہ شخص سے باتیں کرتا ہے یا ایک زندہ شخص سے باتیں کرتا ہے لیکن وہ زندہ بہت دور کے شہروں میں کسی جگہ رہتا ہے۔ تو آپ کو یقین ہو جائے گا کہ ایسی باتیں کرنے والے کا عقل مخبوط ہے کیونکہ یہ مردہ شخص اور دور دراز رہنے والے شخص سے اس طرح خطاب کر کے باتیں کر رہا ہے جس طرح کے اس کے ساتھ موجود نہ ہو۔ پس اس مثال کو مدنظر رکھتے ہوئے نماز میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے یہ خطاب جائز نہ ہوگا مگر اس کے جواز کی ایک صورت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حیات میں اور بعد وفات کے بھی ہمارا سلام سنتے ہیں حتیٰ کہ بعض اولیاء کرام نے کرامت کے طور پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے سلام کا جواب سنا ہے جبکہ انہوں نے السلام علیك ایها النبی و رحمة الله و بركاته کہا اور اس میں کوئی محال لازم نہیں آتا۔ (شواہد الحق)

حدیث وضع الکف

عبدالرحمٰن بن عائش سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا میں نے اپنے رب تعالیٰ کو اچھی صورت میں دیکھا تو آپ نے فرمایا کہ فرشتے کس بات میں بحث کرتے ہیں! میں نے عرض کیا کہ تو ہی خوب جانتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ پھر میرے رب نے اپنی رحمت کا ہاتھ میرے دونوں کندھوں کے درمیان میں رکھا۔ میں نے اس کے وصول فیض کی سردی اپنی دونوں پستانوں کے درمیان محسوس کی۔ پس جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے میں نے جان لیا۔ اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے مناسب حال آیت تلاوت فرمائی۔ وکذلک الی آخرہ یعنی اس طرح آسمانوں اور زمینوں کے مالک ہم نے ابراہیم کو دکھائے ہیں تا کہ وہ یقین والوں میں سے ہو جائیں۔ یاد رہے کہ وضع کف (رحمت کا حال رکھنا) مزید فضل اور عنایت تخصیص پر دلالت کرتا ہے۔ اور سردی کا پانا وصول اثر فیض اور حصول علم سے کنایہ ہے۔

(ف) اب یہاں اس مذکورہ حدیث شریف کی شرح تحریر کی جاتی ہے۔

نمبر ۱۔ (مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوٰۃ ج ۱ ص ۴۶۳) میں ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ رقم طراز ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اس فیض کے حاصل ہونے کے سبب سے میں نے وہ سب کچھ جان لیا جو آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔ یعنی جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تعلیم دی ان چیزوں میں سے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے۔ ملائکہ اور اشجار وغیرہ ہی سے اور یہ عبارت حضور علیہ السلام کی وسعت علمی پر دلالت کرتی ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر مفتوح فرمایا۔ علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں کہ مافی السموٰت سے آسمانوں بلکہ ان سے بھی اوپر کی تمام کائنات کا علم مراد ہے۔ جیسا کہ معراج کے قصہ سے معلوم ہوتا ہے اور ارض بمعنی جنس ہے۔ یعنی وہ تمام چیزیں جو ساتوں زمینوں میں بلکہ جو ان سے بھی نیچے ہیں۔ سب کا علم ہو گیا جس طرح کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیل اور مچھلی کی خبر دی ہے جو زمین کے نیچے ہے۔ اس مطلب کو فائدہ دیتا ہے۔ جو ہم نے بیان کیا ہے۔ اس کے بعد

حضور علیہ السلام نے استشہاد کے طور پر آیت تلاوت فرمائی جس کا ماحصل یہ ہے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو آسمانوں اور زمینوں کے ملک دکھائے اور اس کو ان کے لئے مکشوف فرمایا۔ اس طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر وہ حالات مکشوف فرمائے اور غیوب کے دروازے کھول دیئے۔

شاہ عبدالحق صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (اشعۃ اللمعات ج ا ص ۲۶۲) پر لکھتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے۔

فَعَلِمْتُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

پس میں نے جان لیا جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے۔

یہ عبارت تمام علوم جزوی اور کلی کے حاصل ہونے اور ان کے احاطہ کرنے پر دلالت کرتی ہے۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس حال کی مناسبت آیت بطور استشہاد تلاوت فرمائی۔ وکذلک یعنی اس طرح ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آسمانوں اور زمینوں کا ملک عظیم دکھلایا تاکہ وہ وجود ذات صفات وتوحید کے ساتھ یقین آسمان اور زمین کے ملکوت دیکھنے کے بعد حاصل ہوا۔ جیسا کہ دلیل حاصل ہونے والوں اور سلوک طے کرنے والوں اور محبت رکھنے والوں کی حالت ہے۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کو وصول الی اللہ اور یقین پہلے حاصل ہوا۔ اس کے بعد عالم اور اس کے حقائق کو جان لیا۔ جیسا کہ اس کے مجذوبوں اور محبوبوں اور مطلوبوں کی شان ہے۔ اس واسطے حدیث شریف میں ہے۔

مارءیت شیئا الا ورءیت اللہ قبلہ۔ میں نے کسی چیز کو نہ دیکھا مگر اس چیز کو دیکھنے سے پہلے میں نے اللہ تعالیٰ کو دیکھا ہے۔

نمبر۲ (منقول از الکلمۃ العلیاء ص ۱۳) علامہ طیبی اس شرح میں لکھتے ہیں جس کا ترجمہ یہ ہے کہ جس طرح حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آسمان وزمین کے ملک دکھلائے گئے اسی طرح ہی مجھ پر (حضور علیہ الصلوٰۃ پر) غیبوں کے دروازے کھول دیئے گئے۔

یہاں تک کہ میں نے جان لیا جو کچھ ان میں (زمین و آسمان) ہے ذات اور صفات ظواہر اور بواطن سے جو کچھ غائب ہے۔

دیدار باری تعالیٰ

نمبر۱۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ وہ فرماتے ہیں کیا تم اس بات پر تعجب کرتے ہو کہ خلعت حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے ہو اور کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لئے اور دیدار حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہو۔

نمبر۲۔ حضرت عبداللہ بن شقیق سے روایت ہے کہ انہوں نے کہا میں نے حضرت ابوذر سے کہا کہ کاش میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھتا تو آپ سے پوچھتا حضرت ابوذر نے کہا عن ای شیء تسئلہ کس چیز کی بابت آپ سے سوال کرتا تو عبداللہ بن شفیق نے کہا کہ میں آپ سے پوچھتا کیا آپ نے اپنے کو دیکھا ہے۔ حضرت ابوذر نے کہا میں نے آپ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا رء یت نورا میں نے نور دیکھا

(مسلم شریف ج ۱ ص ۹۷)

نمبر۳۔ ومن المحال ان یدعو الکریمہ کریما الی دارہ و یفیف حبیب حبیبا فی قصرہ ثم یتسر عنہ و ہ یریہ وجھہ (روح البیان ج ۱ ص ۱۵۴) اور یہ بات ناممکن کہ کریم کریم کی دعوت دے کر بلائے اور دوست اپنے دوست کو اپنے محل میں مہمان بنائے پھر اس سے چھپ جائے اور اس کو اپنا چہرہ نہ دکھائے۔

نمبر۴۔ عجب است کہ دراں مقام ببرند و در خلوت خاص آرند و باعلی مطلب واقعصی مثالت کہ دیدار است مشرف نہ گردانند (مدارج النبوت ج ۱ ص ۱۷۴)

تعجب کی بات ہے کہ (حضور علیہ السلام کو) اس مقام پر لے جائیں اور خلوت خاص میں لے آئیں اور اعلیٰ مطلب اور عمدہ مسئلہ کہ دیدار ہے اس سے مشرف نہ کریں۔

نمبر۵۔ صاحب روح المعانی فرماتے ہیں۔ پھر دیدار باری تعالیٰ کے قائلین اس مسئلہ میں مختلف ہیں۔ بعض کا مذہب یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کو

اپنے سراقدس کی مبارک سے دیکھا ہے۔ (روح المعانی ج ۲۷ ص ۲۴۲)

اکثر علماء کے نزدیک یہ بات راجح ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب کو معراج کی رات میں اپنے سراقدس کی دونوں آنکھوں سے دیکھا۔ دوسری روایات جن سے قلب مبارک سے دیکھنے کا ثبوت ملتا ہے۔ وہ بھی حضرت ابن عباس سے روایت ہے۔ چنانچہ قاضی عیاض لکھتے ہیں کہ حدیث شریف حضرت ابن عباس سے مروی ہے۔ **بروا ہ بعینی ولکن رئیت بقلبی مرتین و عن ابن عباس قال سئل هل رئیت ربك قال رئیته بفوادی رواہ ابن جریر** (نبراس ص ۳۴۷) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کو سر کی آنکھ سے نہیں دیکھا لیکن دل سے دو مرتبہ دیکھا ہے اور حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا گیا کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں نے اس کو اپنے دل سے دیکھا ہے۔ اس حدیث کو ابن جریر نے روایت کیا ہے۔

پھر یہ واضح ہوا کہ رویۃ فواد سے دل کا دیکھنا مراد ہے۔ نہ یہ کہ صرف علم حاصل ہو گیا کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ کا علم علی الدوام حاصل ہے جن لوگوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے رویۃ قلبی ثابت کی ہے ان کی مراد یہ ہے کہ جس طرح کسی کی آنکھ میں بینائی پیدا کر دی جاتی ہے۔ (جس سے آپ نے باری تعالیٰ کا مشاہدہ لیا) اور رویت دیکھنے کے لئے عقلاً کسی خاص جزو بدن کا ہونا یا کسی خاص شے کا پایا جانا ضروری نہیں اگرچہ عادتاً بینائی آنکھ میں ہوتی ہے لیکن اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ خرق عادت کے طور پر آنکھ کے علاوہ کسی اور عضو میں بینائی پیدا کر دے تو اس کو ہر طرح کی قدرت ہے۔ تیسری قسم کی روایات جس سے دونوں طرح کی رویت ثابت ہوتی ہے یہ ہے **عن ابن عباس رضی اللہ عنہ انه کان یقول ان محمداً صلی اللہ علیه وسلم رای ربه مرتین مرة ببصره و مرة بفوادہ رواہ الطبرانی** (روح المعانی ج ۲۷ ص ۴۶) (مواہب الدنیہ ج ۳ ص ۴۷) حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ وہ فرماتے تھے بے

شک حضور علیہ السلام نے اپنے رب کو دو مرتبہ دیکھا ہے۔ ایک مرتبہ مبارک کی آنکھ سے اور ایک مرتبہ اپنے قلب مبارک کی آنکھ سے حدیث کو امام طبرانی نے روایت کیا ہے۔

۳-اب صوفیائے کرام کا مشرب سنئے جو اس بات کے قائل ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کو جمیع وجود سراپا جود سے مشاہدہ فرمایا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کو فی الحقیقت اپنے تمام وجود سے دیکھا اور تمام کانوں سے اس کا خطاب سنا اور تمام قلوب سے اس کو پہچانا حتیٰ کہ آپ کی آنکھیں اور آپ کے کان اور آپ کے قلوب اور آپ کی روحیں اور آپ کے عقول حق تعالیٰ کی ذات کے سامنے فنا ہو گئے۔

پچاس نمازیں و دیگر احکام

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس مقام پر تین عطیوں سے نوازا گیا۔ پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔ خواتیم سورۃ بقرہ کا نزول ہوا۔ (امن الرسول سے آخر سورۃ تک) جو شخص آپ کی امت سے شرک نہ کرے اس کی مغفرت کا حکم سنایا گیا۔ امام برہان الدین حلبی لکھتے ہیں: ثم قال اللہ عزوجل یا محمد و ابن حاجة جبریل فقلت الهم انلك اعلم فقال یا محمد قد احبته فیما سأل ولكن فیما احبك و صحبك

(سیرت حلبیہ ج ا ص ۴۴۵)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عالم محویت میں مستغرق تھے کہ بارگاہ وحدانیت سے بطور یاددہانی ارشاد ہوا۔ ہاں میرے پیارے! وہ جبرائیل علیہ السلام کا کیا سوال تھا جو تم نے ذکر نہیں کیا۔ پھر میں نے (حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام) کہا اے میرے خدایا تحقیق تو بہت اچھی طرح جانتا ہے۔ یعنی عیاں چہ بیاں پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ اے پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں نے اس کی التجا قبول کی ہے لیکن ان لوگوں کے حق میں جن کو آپ سے محبت ہے اور جو آپ کی اتباع اور پیروی کرے۔ (یہاں صحبہ کا معنیٰ تبع ہے)

شبہات نفی کے جوابات

حضرات محترم جن لوگوں کو دیدار باری تعالیٰ کے امکان اور وقوع میں اختلاف ہے وہ اس کو محال قرار دیتے ہیں اور جو حدیث میں آیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے رب کو دیکھا ہے اس کا انکار کرتے ہیں۔ اس لئے یہاں ان کے شبہات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جس سے وہ رویت کی نفی ثابت کرتے ہیں اور ان شبہات کے جواب بھی بیان کئے جاتے ہیں۔

الف۔ قرآن پاک کی تین آیات ہیں جن جن سے بظاہر رویت کی نفی کا شبہ ہوتا ہے۔ پہلی آیت یہ ہے۔ **لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ** ۔ (پ ۷ ع ۱۸) آنکھیں اللہ تعالیٰ کو ادراک نہیں کرسکتیں اور وہ سب آنکھوں کا ادراک کرسکتا ہے اور وہ اللہ تعالیٰ باریک چیزوں کو دیکھنے والا ہے جس کو کوئی نہ دیکھ سکے اور وہ سب چھپی باتوں کی خبر رکھتا ہے۔ جس کی خبر کوئی نہ رکھ سکے اس آیت سے نفی کا استدلال اس طرح ہے کہ الف لام استغراق ہے۔ اس بنا بریوں معنی ہوگا **لَا تُدْرِكُهُ بَصَرٌ مِنَ الْاَبْصَارِ** ۔ اللہ تعالیٰ کو کوئی آنکھ ہی ادراک نہیں کرسکتی۔ اس استدلال کے چند جواب یہ ہیں کہ الف لام استغراق کا بمعنی کل موجبہ کلیہ کا سور ہے اور ابصار قضیہ کا موضوع ہے۔ اور تدرکہ قضیہ کا محمول ہے۔ یہ مجموعہ مل کر موجبہ کلیہ بنا پھر اس پر لا حرف سلب کا داخل ہوا۔ تو فائدہ ہے کہ موجبہ کلیہ کی سلب سے سالبہ جزیہ بنتا ہے جب سالبہ کلیہ نہ بنا تو مدعی کا مطلب ثابت نہ ہوگا کیونکہ سالبہ جزیہ حکم میں موجبہ جزیہ کے ہوتا ہے اور اس بات کے ہم بھی قائل ہیں۔ لہٰذا مدعی کا اس سے استدلال درست نہ رہا۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ادراک کا معنی مطلق رویت نہیں بلکہ ادراک احاطہ کو کہتے ہیں کہ کسی چیز کو جمیع جوانب سے گھیر لینا جیسا کہ مقولہ ہے۔ رئیت الھلال وما ادرکتہ للغیم ۔ میں نے چاند کو دیکھا لیکن پورا احاطہ کر کے نہ دیکھ سکا۔ کیونکہ بادل تھا۔ تو یہاں رویت مثبت ہے اور ادراک بمعنی احاطہ منفی ہے نہ کہ مطلق رویت پر نفی وارد ہوئی ورنہ دونوں جملوں میں تناقض ہو جاتا۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ جملہ فعلیہ ہے۔ جو تجدد اور حدوث پر دلالت کرتا ہے۔ اس سے دوام اور استمرار کی نفی ثابت نہیں ہوتی۔ یعنی اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ عموم اور عموم احوال میں نفی ہو جائے۔

(ف) اگر در حقیقت آیت کے معنی پر غور فرمائیں تو اس سے رویت کا جواز ثابت ہوتا ہے کیونکہ جب ادراک کا معنی احاطہ ہوا۔ تو آیت کا معنی یوں ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کو رویت ہو سکتی ہے مگر علی سبیل الاحاطہ نہیں ہو سکتی کہ وہ حدود اور جوانب سے پاک ہے۔ الغرض اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ کے متناہی ہونے اور اجسام کے لوازم سے متصف ہونے سے تنزیہ اور تقدیس مطلوب ہے اور یہ تنزیہ تب ہو سکتی ہے جب رویت کا امکان مانا جائے ورنہ مفہوم مشکل ہو جائے گا۔

(یاد رہے کہ یہ تقریر نبراس سے اخذ کی گئی ہے)

دوسری آیت یہ ہے۔ (ترجمہ) ''کسی آدمی کے شایان شان نہیں کہ اللہ تعالیٰ اس سے بالمواجہہ کلام کرے۔ مگر وحی کے ذریعے یا بطریق الہام اس کے دل میں القاء ہو جائے۔ یا اس سے اس وقت کلام کرے گا کہ وہ حجاب کے پیچھے ہے۔ یعنی درایں حالیکہ وہ آدمی پس پردہ ہو یا اللہ تعالیٰ اس آدمی کی طرف اپنا ایک فرشتہ فرستادہ بنا کر بھیج دے اور وہ ملک مرسل اس مرسل الیہ کو خدا کا پیغام سنائے۔ جتنا کہ اللہ تعالیٰ چاہے بے شک اللہ تعالیٰ صفات وحدوث سے برتر ہے۔ اور کلام کرنے میں حکمت کی بات کرنے والا ہے۔ تقریر استدلال اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے ساتھ کلام کرنے کو تین اقسام میں حصر فرمایا۔ اس سے لازم آتا ہے کہ کلام کرتے وقت رویت کی نفی ہو گی۔ اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ اس سے مطلقاً رویت کی نفی ثابت نہیں ہوتی کیونکہ یہ جائز ہے کہ رویت ہو اور کلام نہ ہو یعنی آیت سے رویت بوقت کلام کی نفی ثابت ہوتی ہے اور مطلق رویت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

(ف) اگر آپ اس آیت پر غور فرمائیں تو اس آیت سے رویت کا جواز ثابت ہوتا

ہے۔اس کی تقریر یوں ہے کہ ان تین وجوہ کے سوائے یعنی بالمشافہ کلام کرتا تو اس کو انسان برداشت نہیں کرسکتا کیونکہ وہ برتر ہے حتیٰ کہ بشر کے ضعف کی وجہ سے اس کی کلام سننے کی طاقت نہیں اور اللہ حکمت والا ہے جس نے اپنے نبیوں سے تین طرح سے کلام فرمایا ہے جب بالمشافحہ کلام کرنے کی نفی کا سبب ضعف بشری بنا تو رویت کا سبب بھی ضعف ہے گا نہ کہ رویت بالذات محال ہوگی جس طرح مستدل نے بیان کیا ہے۔یاد رہے کہ یہ تقریر شرح مسلم شریف سے ماخوذ ہے جس کا نام مکمل اکمال العلم ہے اور اس کے مصنف کا نام علامہ محمد بن محمد بن یوسف سنوسی حسینی ہے۔(متوفی ۸۹۸ھ)

تیسری آیت یہ ہے۔قال رب ادنی انظر الیک قال لن ترانی (پ۹ع۶) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا اے میرے رب مجھے اپنا دیدار نصیب فرما تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تو میرا دیدار نہیں کرسکتا۔اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ کا دیدار محال ہے ورنہ لن ترانی نہ کہا جاتا۔اس استدلال کا جواب یہ ہے کہ لغت عربی میں حرف لن نفی تاکید کے لئے استعمال ہوتا ہے۔نفی کے لئے مستعمل نہیں ہوتا۔بعنوان دیگر یوں سمجھوں کہ نفی انکار مضارع کو کہتے ہیں۔

اور مضارع حال یا استقبال کا نام ہے۔اس اصول کے ماتحت لن ترانی کا معنی یوں ہوگا۔ہرگز نمے بینی مرا یا ہرگز نخواہی دید مرا۔جس کا اردو ترجمہ یوں ہوگا۔زمانہ حال میں مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتا یا زمانہ استقبال میں مجھے ہرگز نہ دیکھے گا اور معترض نے جو ترجمہ کیا تھا اس کی فارسی یوں ہوگی۔ہرگز نمے توانی دید مرا یا ہرگز نتوان خواہی دید مرا۔ماہر عالم کے سامنے قواعد عربی کے لحاظ سے ہر دو ترجمہ میں فرق واضح ہے۔شرح عقائد نسفی میں لکھا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دیدار کی درخواست کرنا دیدار کے امکان کی دلالت کرتا ہے کیونکہ سب نبی (سلام ہو ان پر) عبث بات نہیں کرتے اور محال کا سوال عبث ہے لہٰذا ثابت ہوا کہ دیدار محال نہیں ورنہ اس کی درخواست نہ کرتے۔(یعنی یہ آیت اثبات رویت کی دلیل ہے نفی رویت کی دلیل نہیں)

ب۔ وہ احادیث جن سے نفی رویت کا استدلال پیش کیا جاتا ہے وہ دو ہیں۔ پہلی حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا جو شخص یوں کہتا ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اس نے بہت بڑا افتراء کیا ہے۔

اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ امام مروزی سے روایت ہے کہ انہوں نے حضرت امام احمد بن حنبل سے پوچھا کہ رویت کا انکار کرنے والے کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جو شخص یوں کہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا ہے۔ اس نے بہت بڑا افتراء کیا۔ تو ہمارے پاس اس کا کیا جواب ہے۔ حضرت امام احمد حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ رئیت ربی (میں نے اپنے رب کو دیکھا ہے) اور ظاہر ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی حدیث کو حضرت عائشہ کے قول پر فوقیت حاصل ہے۔ اس بیان کو علامہ حجر عسقلانی نے فتح الباری میں نقل کیا ہے۔

دوسری حدیث حضرت ابو زر غفاری سے روایت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے پوچھا کہ کیا آپ نے اپنے رب کو دیکھا ہے تو آپ نے فرمایا وہ نور ہے۔ میں اس کو کس طرح دیکھ سکتا ہوں۔ اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ اس حدیث کے اعراب کئی اطوار پر لکھے گئے ہیں جن سے رویت کا استدلال ثابت ہوتا ہے۔ وہ طریقہ یوں ہے۔

نمبر۱۔ نورانی اراہ اللہ تعالیٰ نور ہے میں نے ان کو دیکھا ہے۔

نمبر۲۔ نورانی اراہ اللہ تعالیٰ نور ہے اس کی رویت کی کیفیت کس طرح بیان کر سکتا ہوں۔ انی اراہ کا ترجمہ کیف ابینہ کر لیا جائے تو قواعد عربیہ کے مطابق ہے۔ توجہات مثبت کو ترک کر کے صرف نفی کی توجیہہ کو ترجیح دینا اچھا نہیں۔ علیک بالانصاف فانہ خیر الاوصاف آپ کو چاہیئے کہ انصاف کریں وہ اچھی صفت ہے۔ علاوہ ازیں قاعدہ ہے جب مثبت اور منفی میں تعارض ہو جائے تو مثبت کو ترجیح ہوتی ہے۔

ف۔ اگر کوئی صاحب ان احادیث پر غور فرمائے تو اس سے امکان رویت کا ثبوت

ملتا ہے جیسا کہ نبراس میں صفحہ ۲۶۰ میں لکھا ہے صحابہ کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معراج کی رات اپنے رب کو دیکھا ہے یا نہیں؟ اور وقوع میں اختلاف کرنا امکان کی دلیل ہے کیونکہ اگر روئت محال ہوتی تو صحابہ کرام کا اس کے عدم وقوع پر اتفاق نہ ہوتا۔

ج۔ وہ عقلی استدلال جس سے نفی روئت کا شبہ ہوتا ہے وہ اس طرح ہے کہ ایک دوسرے کو دیکھنے میں چند شرائط ضروری ہیں۔ مثلاً حری مکان میں ہو اور وہاں جہتہ ہو اور دیکھنے والے کے سامنے ہو۔ ان میں مسافت ہو۔ حتیٰ کہ بہت قرب بھی روئت کو مانع جیسے پلکیں ہیں اور بہت دور بھی نہ ہو اور باصرہ کی شعائیں مرئی سے ملی ہوئی ہوں اور یہ سب شرائط باری تعالیٰ کی شان میں محال ہیں لہٰذا اس کی روئت ممکن نہ رہے گی۔ اس کے چند جواب ہیں۔ پہلا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم کو دیکھتا ہے۔ یہاں روئت کا وجود پایا گیا ہے مگر تمہارے شرائط نہ پائے گئے جو جواب تم دو گے وہی ہمارا جواب ہے۔ اس شبہ کا دوسرا جواب یہ ہے کہ اس میں شک نہیں کہ عادت الٰہیہ اس طرح ہے کہ اسباب مذکورہ متحقق ہونے کے بعد روئت ہوتی ہے مگر خرق عادت کے طور پر اللہ تعالیٰ کو ہر امر پر قدرت ہے حتیٰ کہ مشائخ نے لکھا ہے کہ ایک اندھا چین میں بیٹھا ہوا اور اندلس میں مچھر اڑتے دیکھ سکتا ہے جب کہ اللہ تعالیٰ اس کو دکھائے کیونکہ اللہ تعالیٰ کو سب قدرت ہے۔ بخاری شریف میں آیا ہے کہ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیچھے اس طرح دیکھتے جس طرح اپنے سامنے دیکھتے تھے۔ تو یہاں رائی اور مرئی کے درمیان تقابل کی شرط مفقود ہونے کے باوجود روایت ثابت ہے۔

ف۔ رویت کے ثبوت میں بہت جواب و دلائل ہیں قرآن مجید میں ہے۔

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ (پ۲۹ ع۱۶)

قیامت کے دن ایمانداروں کے چہرے اپنے رب کو دیکھ کر تروتازہ ہوں گے۔ اگر رؤیت محال ہے تو قیامت کے دن ایمان کیسے دیکھیں گے۔

نمبر۲ قرآن مجید میں ہے۔

كَلَّآ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ ○

خبردار بے شک وہ کافر لوگ اپنے خداتعالیٰ کے دیدار سے قیامت کے دن در پردہ ہوں گے یعنی دیدار سے محروم ہوں گے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ مومنوں کو اللہ تعالیٰ کا دیدار حاصل ہوگا تا کہ دوست اور دشمن میں امتیاز ہو جائے۔

گوئی بہشت مہمانی است بے دیدن میزبان چہ باشد
چوں دشمن و دوست را حجاب است پس فرق دراں میاچہ باشد

نمبر۳- حدیث شریف میں وارد ہے انکم تنستزون ربکم کما ترون القمر لیلۃ البدر اور یہ حدیث متواتر ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ تم اپنے رب کو اس طرح دیکھو گے جس طرح چودھویں کا چاند دیکھتے ہو۔

خرقہ معراجیہ

حضرت محبوب الٰہی رحمت اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں کہ خرقہ خواجگان چشت کے متعلق ایک دن حضرت شیخ قدس سرہ سے گفتگو ہوئی۔ حضرت شیخ قدس سرہ نے فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معراج کی رات جناب رب العزت نے ایک خرقہ عنایت ہوا تھا۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام معراج سے واپس تشریف لائے تو آپ نے تمام صحابہ کبار کو طلب فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ مجھے اس خرقہ کی بابت خداوند تعالیٰ کا حکم ہوا ہے کہ تم میں سے ایک شخص کو دے دوں۔ اب میں ایک سوال کرتا ہوں جو شخص اطمینان بخش جواب دے گا۔ وہی اس کا مستحق ہوگا۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی طرف متوجہ ہو کر کہا اے ابوبکر! اگر میں یہ خرقہ تم کو دے دوں تو تم کیا کرو گے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہا نے عرض کی صدق و صفا اور اطاعت خداوندی اختیار کروں گا۔ پھر آپ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ اے عمر!

اگر تم کو یہ خرقہ مل جائے تو کیا کرو گے۔ حضرت عمر نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عدل و انصاف اور مظلوموں کی داد رسی کروں گا۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم اس خرقہ کو حاصل کر کے کیا کرو گے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مشورہ سے ہر کام کروں گا اور حیا و عفت اور سخاوت اختیار کروں گا۔ پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بندگان خدا کی پردہ داری اور عیب پوشی کروں گا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے یہ جواب سن کر ارشاد فرمایا مجھ کو یہی حکم تھا کہ جو شخص اس طرح جواب دے جیسا کہ تم نے دیا ہے یہ خرقہ اسی کو عطا کروں۔ پس تم یہ خرقہ لے لو یہ تمہارا حصہ ہے۔

(حضرت محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب شیخ قدس سرہ نے اس طرح واقعہ بیان فرمایا تو آپ بے ہوش ہو گئے۔ جب ہوش میں آئے تو فرمایا کہ درویشی پردہ پوشی ہے) چونکہ یہ خرقہ شب معراج حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو عطا ہوا تھا۔ اس سبب سے مشائخ ہیں۔ اس کا نام خرقہ معراجیہ مشہور ہوا ہے۔ کتاب جوامع الکلم میں ہے اس روایت کو اس طرح نقل کیا گیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے شب معراج بہشت میں ایک حجرہ ملاحظہ فرمایا جس پر سونے کا قفل لگا ہوا تھا۔ آپ نے حضرت جبرائیل سے فرمایا اس کو کھولو تا کہ میں دیکھوں اس میں کیا ہے۔ حضرت جبرائیل نے عرض کی کہ اس حجرہ کے کھولنے کی اجازت خداوند کریم سے حاصل کرنا ضروری ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے دعا کی تو اللہ تعالیٰ سے اجازت مل گئی۔ تب حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دیکھا کہ اس حجرہ میں ایک بہت بڑا صندوق رکھا ہوا ہے۔ اور وہ بھی مقفل ہے۔ جبرائیل نے حسب الحکم اس کو بھی کھولا تو اس کے اندر سے خرقہ مشائخ برآمد ہوا۔ حضور علیہ السلام نے اس خرقہ کو پسند فرمایا اور دعا فرمائی کہ اے باری تعالیٰ یہ خرقہ مجھے عنایت فرمایئے۔ باری تعالیٰ نے فرمایا کہ ہزاروں پیغمبروں نے اس خرقہ کے لئے آرزو کی مگر میں یہ خرقہ تم

کو عنایت کرتا ہوں۔ حضور علیہ السلام نے عرض کی یہ خرقہ صرف میرے لئے ہے یا کسی اور کو بھی دے سکتا ہوں پھر باری تعالیٰ کا حکم ہوا۔ ہاں تم اپنے اصحاب کبار سے یہ سوال کرنا جو اس کا جواب درست دے دے اس کو خرقہ مرحمت فرمائیں۔ چنانچہ وہ خرقہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مرحمت ہوا۔ پھر حضرت علی سے یہ خرقہ خواجہ حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ کو عطا ہوا۔ پھر حسن بصری سے مسلسل حضرت شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ تک پہنچا۔ حضرت شیخ قدس سرہ نے اپنے دوست مبارک سے یہ خرقہ محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ کو عنایت فرمایا۔ حضرت محبوب الٰہی نے حضرت مخدوم نصیر الدین محمود چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو مرحمت فرمایا اور ان کے بعد وہ خرقہ ان کی وصیت کے مطابق حضرت کی قبر میں مدفون ہوا۔ (بحوالہ ہشت بہشت)

ہشت بہشت کا تعارف

حضرات محترم یہ ایک کتاب ہے جس میں حضرت اہل بہشت کے آٹھ ملفوظات جمع ہیں۔

نمبر ۱- انیس الارواح ملفوظات خواجہ عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ مرتبہ خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ

نمبر ۲- دلیل العارفین ملفوظات خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ مرتبہ خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ

نمبر ۳- فوائد السالکین ملفوظات خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ مرتبہ علیہ بابا صاحب گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ

نمبر ۴- راحت القلوب ملفوظات حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ مرتبہ خواجہ محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ

نمبر ۵- مفتاح العاشقین ملفوظات خواجہ محمود نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مرتبہ محبت اللہ رحمۃ اللہ علیہ

نمبر۶- فوائد الفوائد ملفوظات خواجہ محبوب الٰہی نظام الدین بدایونی ثم دہلوی رحمۃ اللہ علیہ مرتبہ حسن علی سنجری رحمۃ اللہ علیہ

نمبر۷- راحت المحبین اس کتاب کے دوسرے حصے کا نام افضل الفوائد ہے۔ ملفوظات محبوب الٰہی رحمۃ اللہ علیہ، مرتبہ امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ

نمبر۸- اسرار الاولیاء ملفوظات خواجہ بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ، مرتبہ خواجہ بدر الکمال رحمۃ اللہ علیہ

حالات خرقہ معراجیہ راحت القلوب ص ۷ اور فوائد الفوائد ج ۴ صفحہ ۱۵۹ پر مذکور ہیں۔

بہشت کا مشاہدہ

حضور پاک، صاحب لولاک، سیاح افلاک صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت جبرائیل کے پاس بھیجا تا کہ آپ کو بہشت میں لے جائیں اور جو کچھ ہم نے وہاں آپ کے اور آپ کی امت کے لئے تیار کر رکھا ہے۔ دکھلائیں تا کہ اس کا دل خوش ہو جائے۔ چنانچہ حضرت جبرائیل آپ کو بہشت کے دروازے پر لے گئے۔ وہ دروازہ سونے کا تھا۔ اس دروازے کا طول اور عرض پانچ پانچ سو برس کی راہ تھا۔ اس دروازے میں چار سو میخیں جو کہ یاقوت، زمرد اور موتی مرصع تھیں۔ اس دروازے پر چالیس ہزار کنگرے تھے۔ ہر کنگرے پر ایک فرشتہ مقرر تھا جس کے دونوں ہاتھوں پر دو طبق تھے۔ ایک میں بہشتی لباس اور دوسرے میں نور بھرا ہوا تھا۔ بتایا گیا کہ یہ فرشتے حضرت آدم علیہ السلام سے آٹھ ہزار سال پہلے پیدا کیے گئے اور اس مقام پر انتظار میں بٹھائے گئے تا کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت کا اس دروازے سے گزر ہو تو یہ ان پر نثار کریں پھر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ رضوان جنت نے الحمد للہ کہہ کر کہا آپ کون ہیں۔ حضرت جبرائیل نے کہا میں جبرائیل ہوں اور میرے ساتھ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ رضوان نے الحمد للہ کہہ کر دروازہ کھول دیا۔ آپ نے رضوان جنت کو سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب دے کر کہا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو خوشخبری ہو کہ بہشت کا

اکثر حصہ آپ کے اور آپ کی امت کے لئے تیار ہے۔ رضوان کے آٹھ خلیفے تھے جو بہشت کے آٹھوں دروازوں پر مقرر تھے۔ ہر ایک فرشتے کے ماتحت سات لاکھ فرشتے تھے۔ پھر رضوان آپ کے ساتھ ہو گیا۔

جنت الفردوس، جنت عدن، جنات النعیم، جنت الماوٰی، میں باغات با کثرت ہیں اور دار السلام، دار الخلد، دار القرار، دار الجلال میں مکانات بکثرت تھے۔

مکانات:

اے محترم بزرگو اور دوستو! پھر آپ نے بہشت کے مکانات مشاہدہ فرمائے۔ ان کی دیواروں کی اینٹیں سونے اور چاندی کی تھیں اور اس کا گارا مشک اور زعفران سے تھا۔ اس کی سڑکیں اور راستے زمرد، یاقوت اور بلور سے بنے ہوئے ہیں۔

(ترمذی شریف ج ۲ صفحہ ۷۵ مسند دارمی ص ۳۸۱)

ان کی صفائی ایسی ہے جیسے کہ شیشہ ہو کہ ظاہر اور اندر سے یکساں دکھائی دے۔ ان کا عرض ستر ہزار برس کی راہ ہے اور بلندی ان کی ستر ہزار برس کی راہ تھی۔ کنگرے ان کے موتی سفید کے اور بعض جواہر کے تھے جو سورج کی طرح اور بعض چاند کی طرح جگمگاتے تھے۔ (معارج)

نورانی مکان:

حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب معراج کی رات آسمان پر گزرا تو وہاں نور کا شہر تھا جس کی وسعت دنیا جہان سے ہزار گنا زیادہ ہے۔ اس کے لاکھ دروازے ہیں۔ ہر دروازے کے سامنے خدا کی رحمت سے ایک باغ آراستہ ہے اور ہر باغ میں ایک بالا خانہ ہے اور ہر بالا خانہ میں نور کا ایک گھر ہے اور ہر گھر میں نور کے ستر مکان ہیں اور ہر مکان میں نور کا ایک کمرہ ہے اور ہر کمرہ میں نور کی عمارت ہے اور ہر عمارت میں چار سو دروازے ہیں اور ہر دروازے میں دو کواڑ ہیں ایک سونے کا اور دوسرا چاندی کا اور ہر دروازے کے سامنے نور کا ایک تخت ہے اور ہر

تخت پر نور کا ایک فرش ہے اور ہر فرش پر ایک حور ہے اگر اس کی انگلی کا پوڑ وا ظاہر ہو جائے تو اس کی روشنی سورج اور چاند کو ماند کر دے۔ میں نے حضور علیہ السلام سے پوچھا یہ کن لوگوں کے لئے ہیں۔ فرمایا جو دن رات میرا ذکر کرتے ہیں اور میرے پاس ان کے لئے اور بھی بہت کچھ ہے اور میں بہت دینے والا ہوں۔ (درۃ الناصحین صفحہ ۸۳)

حوریں:

فرمایا کہ ہر مکان میں ستر ہزار حجرے تھیں اور ہر حجرے میں سونے اور یاقوت کے اور موتی تخت بچھے ہوئے تھے۔ ان پر سابغت کے سائبان تنے ہوئے تھے اور ان تختوں پر ستر ہزار ریشمی فرش تھے۔ اس پر ایک نہایت خوبصورت حور بہشتی لباس پہنے ہوئے عطر لگائے ہوئے جواہر سے جڑا ہوا تاج سر پر رکھے ہوئے خرم و خنداں بیٹھی ہوئی تھی۔ ہر ایک حور کی چالیس ہزار خوشبودار زلفیں تھیں اور ستر ہزار اقسام کے زیورات سے آراستہ اور ان زیوروں کی چھن چھن سے ستر ہزار طرح کی آواز سنائی دیتی تھیں وہاں بکثرت خیمے تھے جن میں حوریں یہ گانا گاتی تھیں۔

هم نعمت میں ہیں کبھی مفلس نہ ہوں گی — ہم خوش ہیں کبھی مغموم نہ ہوں گی
ہم کپڑے پہنے ہوئے ہیں کبھی برہنہ نہ ہوں گی — ہم جوان ہیں کبھی بوڑھی نہ ہوں گی
ہم راضی ہیں کبھی ناراض نہ ہوں گی — ہم ہمیشہ ہیں کبھی فنا نہ ہوں گی

مبارک ہو اس کو جو ہمارے لئے اور ہم اس کے لئے ہیں۔

چار نہریں:

اور روایت کی گئی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معراج کی رات سفید موتی کی طرح چمکتا ہوا ایک قبہ ملاحظہ فرمایا جس کا دروازہ اور تالا سونے کا تھا۔ وہ قبہ اتنا بڑا تھا کہ اگر تمام جن وانس اس قبہ پر جمع ہو جائیں تو یہ اس طرح ہوں گے جیسے پہاڑ کی چوٹی پر ایک پرندہ ہو۔ آپ نے وہاں سے لوٹنے کا ارادہ فرمایا۔ کہا گیا آپ اس قبہ کے اندر کیوں نہیں جاتے۔ واپس کیوں ہو رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ اس کو تالا لگا ہوا ہے۔

فرمایا گیا اس کی چابی آپ کے پاس ہے۔ وہ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ہے پھر آپ نے کہا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ تو فوراً تالا کھل گیا۔ آپ نے وہاں چار نہروں کو نکلتے دیکھا۔ ایک نہر تو ستھرے پانی کی بدبودار نہ ہو جو کہ اللہ کے لفظ ہا سے نکلتی تھی اور ایک نہر شرات کی تھی جس میں پینے والوں کے لئے لذت جو کہ الرحمٰن کی م سے نکلتی ہے اور ایک نہایت صاف اور ستھری شہد کی ہے جو کہ الرحیم کی م سے نکلتی ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے میرے پیارے محمد صلی اللہ علیہ وسلم جو شخص آپ کی امت سے مجھ کو ان اسماء سے یاد کرتا ہے میں ان کو ان چار نہروں کے مشروبات پلاؤں گا۔ (مصباح ج ۲ ص ۲)

باغات:

پھر نہروں کے کناروں پر خصوصاً اور دوسرے مقامات پر عموماً باغات تھے جن میں درخت اتنے بڑے تھے کہ ستر سال تیز رفتار سوار اس کے سایہ کو عبور نہ کر سکے گا۔ ان درختوں کی جڑیں سونے کی، ٹہنیاں یاقوت، لولو اور زبرجد کی تھیں۔ ان کے پتے سندس حریر اور دیباج کے تھے۔ ہر درخت پر ستر انواع کے میوے تھے جس وقت کوئی جنتی اس میوہ کو رغبت کی نگاہ سے دیکھے تو شاخ جھک کر سامنے آجائے۔ جتنا جی چاہے تناول کر کے باقی ماندہ درست اور سالم ہو کر اڑ کر اپنے جگہ پر چلا جائے۔

پرندے:

ان درختوں پر خوش نما پرندے تھے۔ جنت کے ہر نمونے ان میں موجود تھے۔ ہزار ہا آواز سے گاتے ہوئے گزریں گے۔ جب جنتی کہیں گے کہ اے پرندے! تیری آواز زیادہ دلکش ہے یا صورت؟ تو پرندہ کہے گا ان دونوں سے میرا گوشت زیادہ عمدہ ہے اس پر پرندے کا گوشت بریانی شدہ اس کے سامنے آجائے گا۔ اس سے کھائے گا پھر باقی ماندہ درست اور سالم پرندہ ہو کر اڑ کر چلا جائے گا۔ (معارج ج ۲۔ ص ۱۸۶)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا

سید المبلغین، راحت العاشقین، رحمت دو عالم نبی مکرم، نور مجسم رسول اکرم صلی اللہ

علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب میں سب مکانات اور حوریں دیکھ کر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور اس کی نعمتوں کا شکر بجالایا۔ حق تعالیٰ نے فرمایا۔ اے میرے حبیب (صلی اللہ علیہ وسلم) اپنی امت کے مکانات دیکھ کر راضی ہو گئے۔ میں نے عرض کیا کہ میں تیرا بندہ ہوں ناخوشی کی کیا مجال ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مجھے اپنے عزت وجلال کی قسم ہے۔ یہ سب نعمتیں میں نے تیرے دوستوں کے لئے پیدا کی ہیں۔ اور تیرے دشمنوں پر حرام کی ہیں۔ اب جا کر دوزخ میں اپنے دشمنوں کے ٹھکانے ملاحظہ کرو۔ (ریاض الازہارج ص ۲۳۱)

دوزخ کا دروازہ

حضرت عکرمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب میں بہشت کی نعمتیں دیکھ چکا تو پھر میں دوزخ کی سختیاں دیکھنے کے لئے روانہ ہوا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام بھی ہمراہ ہو لئے تھے۔ جب دوزخ کے دروازہ پر پہنچے تو اس کا نام باب الامان تھا۔ کہتے ہیں کہ تمام مکونات زمین وآسمان نے اللہ تعالیٰ سے امان طلب کی تو ان سب کو امان دینے کے لئے یہ دروازہ وجود میں آیا۔ کہتے ہیں کہ یہ دروازہ بحکم خداوندی اس کے حبیب پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی مبارک کے اشارہ سے کھل گیا تو دیکھا کہ دروازہ کافور سے بنا ہوا ہے جس کی وسعت کا اندازہ عرش سے فرش تک پہنچا ہوا ہے۔

مالک خازن نار

ایک ہیبت ناک اور بارعب فرشتہ نظر آیا۔ جس کے آگے سخت مزاج انیس فرشتے کھڑے تھے جن کے ہاتھوں میں آگ کے گرز تھے ان کی نتھوں سے آگ کے شعلے بھڑکتے تھے اور یہ تسبیح کہتے تھے۔ سبحان الذی لا یجود حضرت جبرائیل نے بتایا کہ یہ ملک خان نار ہے۔ آپ نے اس کو سلام کیا اس نے سلام کا جواب دیا اور تعظیم کے لئے اٹھا اور خوشخبری سنائی جو کوئی آپ کی اتباع کرے گا اس پر دوزخ کی آگ حرام ہے اور آپ کے نافرمانوں کے لئے دوزخ تیار ہے پھر جبرائیل نے استدعا کی کہ حضور علیہ السلام کو اس کی سیر کرائیے۔ تب مالک نے عرض کی یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنے قدموں

کے نیچے نظر فرمائیے۔

آپ نے نظر فرمائی تو حجابات دور ہو گئے۔ سب کچھ مکشوف ہوا۔ پھر مالک نے ایک فرشتہ سے کہا جس کی نتھنوں سے آگ کے شعلے نکلتے تھے اور آگ کی چرخیاں ہاتھ میں لئے گھما رہا تھا۔ اے موحائیل! جو چیز تیرے ہاتھ میں ہے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھا اور دوزخ کا سرپوش اٹھا لے۔ فرمایا اسے دیکھا تو بہت ہی سیاہ نظر آئی۔ فرشتے نے کہا جب دوزخ کو پہلے بنایا گیا تو سرخ رنگ تھا۔ جب ہزار سال جلائی گئی تو اس کا رنگ سیاہ ہو گیا جیسا کہ اب ہے۔

عذاب کے اقسام

سامعین کرام اس میں بہت اقسام کے عذاب اور انواع کی سزائیں ہیں۔ مثلاً ھاویہ کو دیکھا تو اس میں بدصورت اور سخت دل فرشتے اس قدر کثرت سے تھے کہ ان کی گنتی خدا ہی جانتا ہے۔ ہر ایک کے ہاتھ میں لوہے کی مقراض تھی اور وہاں دو کنویں تھے۔ ایک کا نام حب الحزن تھا۔ (غم کا کنواں) اور ایک کا نام طینۃ الخبال تھا (زہریلے کیچڑ کا کنواں) لوگوں کو ایک کنویں سے دوسرے کنویں میں ڈالا جا رہا تھا۔ وہ لوگ فریاد کرتے مگر ان پر کوئی رحم نہ کرتا۔ اس کے بعد آگ کے صندوق نظر آئے جن پر تالے لگے ہوئے تھے۔ حضرت جبرائیل نے بتایا کہ ان میں بے شمار بچھو اور سانپ ہیں۔ ان میں وہ لوگ بند ہیں جو کہ ظلم اور تکبر کرتے تھے اور سرکش تھے۔ اس کے بعد آگ کے جنگل مشاہدہ فرمائے کہ اس میں آگ کے درخت تھے اور وہاں آگ کی چکیاں تھیں جن میں دوزخیوں کو پیسا جا رہا تھا۔

دوزخ کے طبقے

دوزخ کے سات طبقے تھے اور ہر طبقے پر ایک داروغہ تھا مثلاً نمبر ا جہنم کے طبقے پر موحائیل مقرر تھا نمبر ۲ سعیر پر طوفائیل تھا نمبر ۳ حطمہ پر طرفائیل نمبر ۴ لظی پر شطائیل نمبر ۵ سقر پر وسطائیل نمبر ۶ جحیم پر طوفسطائیل نمبر ۷ ہاویہ پر طمطائیل خازن مقرر تھے۔ ان سب

میں سخت تر طبقہ ہاویہ ہے جو کہ سب سے نیچے ہے اور اس کو اسفل السافلین بھی کہتے ہیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ اس کے بعد میں نے مالک سے پوچھا کہ یہ ساتواں طبقہ جس کا نام ہاویہ ہے۔ کن لوگوں کے لئے ہے۔ اس نے کہا کہ یہ طبقہ فرعون، ہامان، نمرود اور اصحاب مائدہ اور منافقین کے لئے ہے۔ اس کے بعد چھٹے طبقے کا دریافت کیا تو مالک نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو خدا کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔ بعد ازاں پانچواں طبقہ کی بابت پوچھا تو اس نے کہا کہ اس میں شیطان اور اس کے پیروکار اور آتش پرست رہتے ہیں پھر چوتھا طبقہ کا قصہ دریافت فرمایا تو اس نے کہا کہ اس میں وہ یہودی رہتے ہیں جنہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی تھی۔ پھر دوسرے طبقہ کی بابت آپ نے پوچھا تو بتایا کہ اس میں وہ نصرانی رہتے ہیں جنہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نافرمانی کی تھی۔

طبقہ جہنم کا حال:

اس کے بعد آپ نے اوپر والے پہلے طبقہ کے بارے میں سوال کیا جس کا نام جہنم ہے اور وہاں اگرچہ دوسرے طبقات کی نسبت عذاب بہت کم تھا مگر اس میں ستر ہزار دریا آگ کے رواں تھے اگر ذرہ برابر بھی ان کا شور دنیا میں سنائی دے تو کوئی جاندار زندہ نہ رہے۔ اور اگر زمین و آسمان کے برابر اس میں کوئی چیز ڈال دیں تو پھر فرشتہ کو حکم ہو تو ہزار سال تک اس کو تلاش نہ کر سکے۔ تب مالک نے شرم سے سر جھکا لیا اور آپ کے سوال کا کچھ جواب نہ دیا۔ حضرت جبرائیل نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مالک کو شرم حائل ہے کہ عرض نہیں کر سکتا اور کہتا ہے کہ مجھے معاف فرمایئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مالک! شرم نہ کرو اور جو حال ہے تفصیل سے بیان کرو۔ شاید کوئی بدوبست آج ہو سکے۔ تب مالک نے رو کر کہا اے سید دو عالم! فخر بنی آدم صلی اللہ علیہ وسلم یہ جگہ آپ کی گنہگار امت کے لئے ہے۔ آپ ان کو نصیحت فرمائیں کہ ایسے خطرناک طبقہ سے ڈریں ورنہ قیامت کے دن مجھے عذاب خفیف کرنے کی طاقت نہ ہو گی اور میں اس دن

گنہگاروں پر رحم نہیں کروں گا۔ نہ بوڑھوں کے سفید بالوں پر رحمت کروں گا اور نہ جوانوں کے حالات پر شفقت کروں گا۔

شفاعت کی بشارت

اس وقت حضور نبی مکرم، نور مجسم، رسول اکرم، دو جہاں کے تاجور، محبوب رب اکبر، شہنشاہ مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مناجات کی اے خداوند! میری امت کے لوگ نہایت ناتواں ہیں۔ ان عذابوں کو برداشت نہ کر سکیں گے۔ اے پروردگار تو غفور الرحیم ہے۔ مجھے ان سب کا پیشوا بنا دیا ہے۔ میری عزت کی لاج رکھ تب اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہوا اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم میرے نزدیک تیری عزت بہت ہے۔ قیامت کے دن تیری شفاعت سے اتنے لوگوں کو بخش دوں گا کہ تو خوش ہو جائے گا۔ (معارج۔ ج ۳ ص)

بارگاہ الٰہی میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم

بہشت اور دوزخ کے عجائب اور غرائب مشاہدہ کرنے کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا، کیا تیری اجازت ہے کہ میں اللہ تعالیٰ کے پاس واپس چلا جاؤں۔ حضرت جبرائیل نے عرض کی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہاں! القصہ آپ مقرر پھر بارگاہ الٰہی میں واپس ہو گئے۔ تو خطاب آیا اے میرے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم یہ بتائیے میری بہشت کی نعمتیں اور دوزخ کی مصیبتیں دیکھ لی ہیں؟ آپ نے کہا ہاں اے خداوند! تیرے بہشت کی نعمتیں بے شمار ہیں اور دوزخ کے شدائد بھی گنتی سے زیادہ ہیں۔ اللہ رب العزت نے فرمایا اب واپس دنیا میں جاؤ اور لوگوں کو بہشت کی رغبت اور دوزخ سے نفرت دلاؤ۔ اور جب آپ کو کوئی غم لاحق ہو تو مجھے یاد کرنا کہ میں تیرے نزدیک ہوں اور مظلوم کی آہ سے پرہیز کرنا کہ اس کی دعا جلد اثر کرتی ہے۔ دنیا کے مصائب و آلام پر صبر کرنا کہ دنیا بے وفا اور بے بقا ہے اس کے بعد حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے بارگاہ خداوندی کے آداب بجالا کر یہ دعا پڑھی۔

اللّٰھم انی اعوذ بعفوك من عقابك واعوذ برضاك من سخطك لا احصی ثناء لك اشنیت علٰی نفسك اس کے بعد آپ نے بارگاہ احدیت سے مراجعت فرمائی۔ راستہ پر عرش مجید نے تہنیت کی رسم ادا کی پھر سدرۃ المنتہیٰ پر حضرت جبرائیل علیہ السلام ہمراہ ہوئے۔ ملائکہ کروبیاں کی آفریں اور ص ۲۸۴ پر سنتے ہوئے چھٹے آسمان پر جلوہ گر ہوئے۔ یہ سب مضمون مذکورہ بالا بہشت اور دوزخ کا معارج سے ماخوذ کیا ہے۔ (از ص ۱۴۴ و ۱۸۶ تا ۱۹۲ ج ۳)

پچاس سے پانچ نمازیں:

اے میرے میٹھے اسلامی بھائیو! حدیث شریف میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جب میں واپس ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر گزر ہوا تو انہوں نے پوچھا کہ آپ کو کیا حکم ہوا۔ میں نے کہا کہ پچاس نمازوں کا دن رات میں حکم ہوا ہے۔ انہوں نے کہا کہ آپ کی امت سے پچاس نمازیں ہرگز دن رات میں ادا نہ ہوسکیں گی۔ خدا کی قسم میں آپ سے پہلے لوگوں کا تجربہ کرچکا ہوں اور بنی اسرائیل کو خوب بھگت چکا ہوں۔ اپنے رب کے پاس (یعنی اس مقام پر جہاں حکم ہوا تھا) واپس جائیے اور امت کے لئے تخفیف کی درخواست کیجئے۔ میں واپس ہوگیا اور عرض کیا یارب خفف امتی۔ اے میرے رب میری امت پر تخفیف فرمائیے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ نمازیں کم کردیں۔ پھر میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور میں نے کہا کہ اب مجھ سے پانچ نمازیں کم کردی ہیں۔ حضرت موسیٰ نے فرمایا تیری امت اس کی بھی طاقت نہ رکھ سکے گی۔ آپ اللہ تعالیٰ کے پاس جائیے اور تخفیف کا سوال کیجئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں اسی طرح اللہ تعالیٰ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے درمیان آتا جاتا رہا۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم یہ پانچ نمازیں ہیں۔ دن اور رات میں اور ہر نماز دس کے برابر ہے۔ تو پچاس ہی ہوگئیں۔ (مسلم شریف جلد ا صفحہ ۹۱)

اور روایت میں ہے حق تعالیٰ نے مجھے ارشاد فرمایا میں نے جس روز آسمان اور

زمین پیدا کیا تھا۔ آپ پر اور آپ کی امت پر پچاس نمازیں فرض کی تھیں۔ سو آپ اور آپ کی امت اس کی پابندی کریں اور حدیث میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ بنی اسرائیل پر دو نمازیں فرض تھیں مگر ان سے نہ ہو سکتی تھیں اور اس کے آخر میں یہ ہے کہ پانچ ہیں۔ برابر پچاس کے سو آپ اور آپ کی امت اس کی پابندی کریں۔ آپ نے فرمایا کہ میں پہچان گیا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پختہ بات ہو گئی ہے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا انہوں نے کہا پھر جایئے اور تخفیف کرایئے مگر میں پھر نہ گیا۔

(نسائی شریف جلد ۱ صفحہ ۲۸)

بخاری اور مسلم کی حدیث میں ہے کہ جب کم ہوتے ہوتے پانچ رہ گئیں تو ارشاد ہوا کہ یہ پانچ ہیں۔ ثواب میں پچاس کے برابر ہیں۔ میرے یہاں بات نہیں بدلی جاتی۔ (یعنی پچاس کا اجر مقدر تھا اس میں تبدیلی نہیں ہوئی)۔ (مشکوٰۃ شریف)

اور بخاری شریف میں ہے کہ دس دس نمازیں کم کرنے کی روایت سے اور اس کے آخر میں ہے کہ جب ہر روز میں پانچ نمازوں کا حکم رہ گیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا۔ آپ کی امت کے بعض لوگ ہر دن میں پانچ نمازیں بھی نہ پڑھ سکیں گے اور میں آپ کے قبل کے لوگوں کا تجربہ کر چکا ہوں۔ آپ پھر اپنے رب کے پاس جایئے اور اپنی امت کے لئے تخفیف مانگئے۔ آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے بہت درخواست کی۔ یہاں تک کہ میں شرما گیا۔ عرض کرنا ممکن ہے لیکن اب میں راضی ہوتا ہوں اور تسلیم کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ جب میں وہاں سے آگے بڑھا تو ایک پکارنے والے نے حق تعالیٰ کی طرف سے پکارا۔ میں نے اپنا فرض جاری کر دیا اور اپنے بندوں سے تخفیف کر دی۔ (بخاری شریف ج ۱ صفحہ ۵۵۰) (ترمذی شریف رقم 3347)

ف۔ اور دس دس کم کرنے کے معنی یہ ہوں گے کہ دو بار میں دس دس کمی ہوئی۔ لہٰذا اس روایت کو پانچ پانچ کے کم ہونے کی روایت سے تعارض نہ رہا۔

(مرقاۃ شریف جلد ۵ صفحہ ۲۳۰)

فہرست پچاس نماز

سیرت نگار لکھتے ہیں کہ وہ پچاس نماز جو ابتدأ فرض کی گئی اس سے مراد یہی عبادت ہے جو خاص نیک لوگوں کا دن رات میں وظیفہ ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے۔ سنت فجر، فرض فجر، چار رکعت سنت ظہر، اس بنا پر ہر دوگانہ علیحدہ نماز ہے۔ فرض ظہر دو رکعت سنت بعد ظہر۔ دو گانہ نفل بعد ظہر۔ چار سنت غیر موکدہ قبل عصر۔ فرض عصر فرض مغرب۔ دوگانہ سنت بعد نماز مغرب۔ دوگانہ نفل بعد نماز مغرب۔ چار رکعت سنت غیر موکدہ قبل عشاء۔ فرض عشاء۔ دو گانہ سنت بعد عشاء۔ دوگانہ نفل بعد عشاء۔ نماز وتر۔ دوگانہ نفل بعد وتر۔ بارہ رکعت یعنی چھ دو گانہ نفل نماز تہجد چار رکعت۔ یعنی دوگانہ نفل نماز اشراق۔ بارہ رکعت یعنی تین دوگانہ نفل نماز اوابین جو مغرب کے بعد پڑھی جاتی ہے۔ پانچ دوگانے نفل نماز تحیۃ الوضوء جو پانچ وقت ہر دفعہ تازہ وضو کے ساتھ پڑھی جاتی ہے۔ پانچ دوگانے نماز نفل تحیۃ المسجد جو پانچوں اوقات مسجد میں داخل ہونے کے بعد نوافل پڑھی جاتی ہیں۔ پانچ دوگانہ نماز نفل جو پانچوں اوقات اقامت اور اذان کے درمیان ہیں۔ (اس کو نماز مابین الاقامت والاذان کہتے ہیں۔ صلوٰۃ تسبیح، نماز استخارہ، نماز توبہ، نماز حاجت۔ (معارج النبوۃ ج ۳ ص ۱۹۴)

(ف) یہ پچاس نمازیں ہیں جن میں سے پانچ کی فرضیت بحال ہے اور باقی ماندہ کی فرضیت منسوخ ہے۔ پھر واجب ہو یا سنت موکدہ یا سنت غیر موکدہ یا نفل ہو عام ہے۔

امام غزالی کا مکالمہ

حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں کہ منقول ہے کہ شب معراج کو جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقی ہوئے۔ تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے استفسار فرمایا کہ علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل جو آپ نے کہا ہے کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔ حضرت حجۃ الاسلام امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ حاضر ہوئے اور سلام باضافہ الفاظ برکاتہ ومغفرتہ وغیرہ عرض کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ یہ طوالت بزرگوں کے سامنے کرتے ہو۔ آپ (امام غزالی) نے

عرض کیا کہ آپ سے حق تعالیٰ نے صرف اس قدر پوچھا تھا۔ مَا تِلْكَ بِيَمِيْنِكَ يٰمُوْسٰى تو آپ نے کیوں جواب میں اتنا طول دیا کہ قَالَ هِيَ عَصَايَ اَتَوَكَّؤُا عَلَيْهَا وَاَهُشُّ بِهَا عَلٰى غَنَمِيْ وَلِيَ فِيْهَا مَاٰرِبُ اُخْرٰى الاٰیۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''ادب یا غزالی'' ادب کرو اے غزالی۔ (شمائم امدادیہ ص ۱۲۴) شاہ عبدالعزیز صاحب پرہاروی تحریر فرماتے ہیں کہ امام قطب الزمان ابوالحسن شاذلی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ فخر فرما رہے ہیں کہ کیا آپ کی امتوں میں غزالی جیسا کوئی عالم ہے۔ بعض لوگ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کا انکار کرتے تھے۔ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خواب میں ان کو کوڑے لگائے۔ جب وہ بیدار ہوئے تو کوڑوں کا اثر ان کے جسم پر تھا۔ (نبراس ص ۳۸۸)

فلسفہ فرضیت نماز

معراج کی رات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو امت کے لئے نماز جیسی عبادت کا تحفہ ملا۔ اس میں علماء کرام کئی راز و رموز اور نکات بیان کرتے ہیں کہ نماز ان ارکانِ مخصوصہ کے ساتھ کیوں فرض کی گئی۔ (۱) علامہ محمد بن اسماعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں۔

دن رات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم پچاس نمازیں پڑھتے تھے جس طرح کہ معراج کی رات میں نمازوں کی تعداد فرض ہوئی یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دن رات میں فرائض اور نوافل کا مجموعہ سو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ (روح البیان ج ۲ ص ۳۰۳)

(ف) علامہ حقی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا مقصد یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دن رات کا معمول اللہ تعالیٰ کو پسند آیا۔ جیسا کہ محب کو محبوب کی ادا پیاری لگتی ہے۔ اس لئے آپ کی امت پر پچاس نمازیں فرض کر دیں۔ اس سے امت کو سبق حاصل ہوتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو آپ کی ہر ادا پیاری ہے تو ہم کو بھی آپ کے عادات و اطوار پیارے ہوں گے۔ گویا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر ادا کو پیارا سمجھنا بظاہر گرچہ سنت رسول

ہے۔ کہ آپ کی اقتداء کی جارہی ہے مگر در حقیقت غور کرو تو خدا تعالیٰ کی سنت ہے۔

(۲) علامہ عبدالباقی زرقانی اس کی توضیح یوں رقم فرماتے ہیں۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معراج ہوئی آپ نے اس رات میں فرشتوں کو عبادت کرتے دیکھا۔ بعض ان میں سے قائم تھے۔ رکوع نہیں کرتے تھے۔ بعض رکوع میں جھکے ہوئے تھے۔ سجدہ نہیں کرتے تھے۔ بعض سجدہ میں پڑے ہوئے تھے اور وہ قعدہ نہیں کرتے تھے۔ پس اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے اور آپ کی امت کے لئے ان تمام انواع کی عبادتوں کو ایک رکعت میں یکجا کر دیا تاکہ اطمینان وسکون اور اخلاص کے ساتھ تمام شرائط کو ملحوظ کر کے بندہ کو چاہئے کہ نماز پڑھتا رہے۔

(ف) علامہ زرقانی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا مقصود یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے فرشتوں کو جب عبادت کرتے دیکھا تو آپ کو یہ عبادت پسند آئی۔ پھر اللہ تعالیٰ کو بھی آپ کی پسندیدہ چیز پسند آئی۔ اس لئے دربار الٰہی سے آپ کو وہ تحفہ عطا ہوا۔ جو آپ کو پسند آیا۔ گویا اس میں محبوب کی رضا ملحوظ تھی جیسا کہ حدیث قدسی میں وارد ہے۔

کلھم یطلبون رضائی و انا اطلب رضاء ك یا محمد۔ تمام میری رضا چاہتے ہیں اور میں اے (پیارے) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) تیری رضا کا طلب گار ہوں۔

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم خدا چاہتا ہے رضائے محمد
بہم وصل یاندھے ہیں وصل ابد کا رضائے خدا ہے رضائے محمد

(۳) علامہ معین الدین ہروی یوں رقم طراز ہیں کہ حق سبحانہ نے ارشاد فرمایا کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے نماز میں رکوع، سجود، تشہد، قرأت، تسبیح اور تہلیل مقرر کی ہے تاکہ جتنی عبادتیں آسمان وزمین کی فرشتوں کی ہیں سب اس میں داخل ہو جائیں تاکہ تیری امت کو قیام میں تمام فرشتوں کے قیام کا ثواب مل جائے۔ اور رکوع میں تمام فرشتوں کے رکوع کا ثواب اور سجود میں تمام فرشتوں کے سجود کا ثواب اور تشہد میں تمام فرشتوں کے تشہد کا ثواب اور قرأت میں تمام فرشتوں کی قرأت کا ثواب اور تسبیح اور تہلیل

میں تمام فرشتوں کی تسبیح وتہلیل کا ثواب ہم نے دیا۔ بلکہ اپنے فضل وکرم سے زیادہ درجہ عنایت کریں گے۔ (معارج النبوۃ ج ۳ ص ۱۹۳)

(ف) اس مضمون مذکورہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت پر اس قدر شفقت ہے اور ان کو ایسی عبادت عطا فرمائی کہ جس میں ان کو زیادہ ثواب حاصل ہو سکے اور وہ نماز ہے کہ نمازی کو ہر ارکان کی ادائیگی میں آسمان کے فرشتوں کی عبادت کا ثواب بھی مل جاتا ہے۔

کلیمی مشورہ کے اسرار

حضرت موسیٰ علیہ السلام چھٹے آسمان پر موجود ہیں اور حضور پرنور، محبوب رب العزت، محسن انسانیت تاجدار مدینہ راحت قلب وسینہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مشورہ دیتے ہیں کہ آپ نمازوں میں اور تخفیف کرائیے حتیٰ کہ تخفیف ہوتے ہوتے جب پانچ نماز تک نوبت پہنچی تب بھی حضرت موسیٰ کلیم علیہ السلام کہتے رہے کہ آپ پھر خدا کے پاس جا کر تخفیف طلب کرو کہ آپ کی امت اس قدر بھی برداشت نہ کر سکے گی۔ اس مشورہ میں کیا اسرار ہیں۔

(۱) وسیلہ میں لائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا تھا کہ دنیا سے رحلت کرنے سے پہلے آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات ہوگی۔ چنانچہ معراج کی رات یہ وعدہ پورا کیا گیا اور اس کی یاددہانی میں بطور تاکید حکم ہوا کہ آپ اس ملاقات میں شک نہ کریں۔ (کیونکہ سچی حقیقت ہے) اور جب حضور پرنور، محبوب رب العزت، محسن انسانیت تاجدار مدینہ، راحت قلب وسینہ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج میں لے گئے۔ تو آپ نے عروج اور نزول دونوں وقت میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو چھٹے آسمان پر دیکھا۔ (تفسیر حسینی ج ۲ ص ۱۹۲) اور وہ وعدہ قرآن مجید میں مذکور ہے: وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِيْ مِرْيَةٍ مِّنْ لِّقَآئِهٖ وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ (پ ۲۱ ع ۱۶) تحقیق ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب (تورات) عطا کی جس طرح آپ کو

قرآن عطا کیا۔ پھر آپ موسیٰ علیہ السلام کو دیکھنے میں شک نہ کریں اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام پر اتاری ہوئی کتاب تورات کو بنی اسرائیل کے لئے ہدایت اور راہ دکھلانے والی بنایا ہے۔

(۲) کہتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کوہ طور پر خدا تعالیٰ نے کلام کیا۔ کلام ربانی کی لذت سے اس کے دیدار کی آرزو کی اور کہا۔

رب ارنی اے میرے رب مجھے اپنا دیدار عطا فرمائیے تاکہ میں آپ کو دیکھ سکوں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لن ترانی آپ مجھے نہ دیکھ سکیں گے۔ (پ ۹ ع ۷) علامہ عبید الرحمٰن صفوری تحریر فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ میرا دیدار ایک یتیم (حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) کا حق ہے۔ اس لئے آپ اس دنیا میں دیدار کا سوال نہ کریں۔ ہاں اگر دیدار چاہتے ہو تو اسے اچھے طریقہ سے دیکھو وہ یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو شب معراج دیکھ لیتا کیونکہ وہ مجھے دیکھے گا اور آپ اس کو دیکھ لیں اور یوں حکم ہوا۔

لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْیَتِیْمِ اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ کہ آپ یتیم کے مال کے پاس نہ جائیں۔ مگر کسی اچھے طریقہ سے (مگر یاد رہے اس طور پر آیت کی تفسیر کرنا تحریف سے خالی نہیں۔ بلکہ مستقل بالذات یہ عربی عبارت کا ایک جملہ تھا۔ جو موسیٰ علیہ السلام کو القا ہوا۔ جو کہ قرآن مجید کی آیت واقع پ ۸ ع ۵ اور پ ۱۵ ع ۴ کے مشابہ ہو گیا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی تحریر فرماتے ہیں۔

بعض بزرگوں نے اس کی یہ حکمت ظاہر فرمائی ہے کہ تاجدار رسالت، شہنشاہ نبوت، پیکر عظمت و شرافت صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا تعالیٰ کے پاس بار بار آنے جانے کا مشورہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کیوں دیتے رہے۔ تو ان بعض بزرگوں نے کہا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے دیدار کی درخواست کی اور اس سے منع کئے گئے اور انہوں نے یہ بھی معلوم کر لیا کہ یہ دیدار حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حاصل

ہو گا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بار بار آنے جانے سے ان کا دیدار مطلوب تھا تا کہ اس کو دیکھیں جس نے خدا کو دیکھا ہے۔ چنانچہ ایک شاعر کہتا ہے۔ ع امید ہے کہ میں ان کو دیکھ لوں گا یا ان کو دیکھ لوں جنہوں نے اس کو دیکھا ہے۔ (ترجمہ فتح الباری ج اص ۳۹۰)

اس بارہ میں حضرت خواجہ سید مہر علی شاہ صاحب قدس سرہ کا کلام ملاحظہ فرمایئے۔

ایہہ صورت ہے بے صورت تھیں — بے صورت ظاہر صورت تھیں
بے رنگ دے اک مورت تھیں — وچ وحدت پھٹیاں جد گھڑیاں

(۳) امام سہیل سے روایت ہے کہ انہوں نے یہ نکتہ بیان فرمایا ہے۔

کہتے ہیں کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کو حضور سرور معصوم، حسن اخلاق کے پیکر صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بنائے۔ اس لئے ان کو آپ کی امت سے محبت تھی اور بار بار آپ سے تخفیف کی درخواست کرتے رہے گویا کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی امت میں سے ہیں۔ عمدۃ القاری جلد ۷

چوں بشائش نگاہ موسیٰ کرد
شدن ازا متش تمنا کرد

نسخ اور شفاعت میں فرق

ابو جعفر نحاس رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں۔ پچاس نمازوں سے پانچ ہو جانا شفاعت پر مبنی ہے۔ اس کو نسخ نہیں کہنا چاہئے۔ کیونکہ عبادت عمل میں لانے سے پہلے نسخ نہیں ہو سکتی اور خصوصاً احکام کا زمین پر نازل ہونے سے پہلے اور مخاطبین کے پاس پہنچنے سے پہلے کوئی بھی نسخ کا قائل نہیں۔ وهذا انما شفاعة شفعها رسول الله صلى الله عليه وسلم لامتيه

اور یہ شفاعت ہے جو شافعت کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں اس کو نسخ کہا جائے گا کیونکہ آپ پر تبلیغ واجب تھی کہ پچاس نماز کا حکم امت کو سنا دیں تو آپ سے تبلیغ کا حکم منسوخ ہو گیا اور امت سے کوئی حکم منسوخ نہیں ہوا کیونکہ جب تک مامور تک حکم

پہنچے اس کو نسخ نہیں کہا جا سکتا اور شفاعت نسخ کا سبب تھی۔ اس لئے اس مسئلہ کو شفاعت سے مناسبت نہیں ہے۔ (عمدۃ القاری ج ۷)

معراج سے واپسی

علامہ سید محمود آلوسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نجم سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مراد ہیں اور ھوی سے مراد معراج سے اترنا ہے اور اس سے یہ بھی جائز ہے کہ ھوی سے مراج معراج پر جانا ملحوظ ہو اور آپ کا اوپر چڑھنا اور لامکان تک معراج کرنا مراد ہے۔ (روح المعانی پ ۲۷، ص ۳۸) اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معراج پر آنے جانے کی قسم اٹھائی ہے۔ امام دمیری لکھتے ہیں کہ روایت ہے کہ معراج براق پر ہوا اور نزول بغیر براق کے ہوا۔ اس لئے کہ عروج میں آپ کا براق پر سوار ہو کر جانا ایک شان ظاہر کرنے کے لئے تھا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے سواری کی کیا ضرورت تھی اور بعض نے کہا ہے کہ نزول بھی براق پر ہوا۔ گرچہ حدیث شریف میں اس کا تذکرہ نہیں ہے۔ جس طرح قرآن مجید میں ہے۔ وَجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيلَ تَقِيكُمُ الْحَرَّ (پ ۱۴ ع ۱۷) اور تمہارے لئے کرتے بنائے جو تم کو گرمی اور سردی سے بچاتے ہیں۔ (یہاں نص میں گرمی کا ذکر ہے اور سردی کا ذکر نہیں مگر معنی میں مراد ہے۔ اس طرح یہاں حدیث شریف میں براق پر سوار ہو کر جانے کا بیان ہے اور واپسی میں براق پر سوار ہو کر آنا گو عنوان میں ملفوظ نہیں۔ مگر معنوں میں ملحوظ ہے۔ (حیاۃ الحیوان ج ۲ ص ۳۰۹)

جابلقا اور جابلسا

روایت ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام حضور علیہ السلام کو یاجوج اور ماجوج کے پاس لے گئے۔ آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی مگر انہوں نے قبول نہ کیا اور سب جہنم کا ایندھن بن گئے۔ اس کے بعد ایک شہر میں گزرے جو دنیا کے مشرق میں واقع ہے۔ سریانی زبان میں اس کا نام برقیسا ہے اور عبرانی میں جابلقا ہے اور پھر ایک شہر سے

گزرے جو مغرب میں ہے۔ اس کا نام سریانی زبان میں برجیسا ہے اور عبرانی زبان میں جابلسا ہے۔ آپ نے ان کو اسلام کی دعوت دی اور انہوں نے اسلام قبول کیا اس کے بعد تین فرقوں پر گزر ہوا۔ ایک کا نام منسک دوسرے کا نام تاویل تیسرے کا نام تاویس ہے۔ ان کو آپ نے اسلام کی دعوت دی مگر انہوں نے اسلام قبول نہ کیا۔ (معارج ج ۳ ص ۱۹۵)

سخن کز بہر دیں گوئی چہ عبرانی چہ سریانی
مکان کز بہر حق جوئی چہ جابلقا چہ جابلسا

زمین پر ہبوط

(۱) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ جب آسمان دنیا پر واپس آیا تو رات ذرہ بھر کم نہ ہوئی تھی۔ میں نے تعجب کر کے یہ کہا کہ یہ کیسی اندھیری رات ہے تو میرے لئے نور کا ستون ظاہر ہوا جس سے دنیا و مافیہا روشن ہو گئی۔ (اخبار القرآن) نماز گزاردن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم با نبیا پیش از عروج وبعد ازاں درحال نست (مدارج النبوۃ ج ا ص ۱۶۲) پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نبیوں کے ساتھ (سلام ہو ان پر) نماز پڑھنا معراج سے پہلے اور معراج کے بعد ہر دو حال میں ثابت ہے۔

(۲) جب آپ کا صحرائے ذی طویٰ میں گزر ہوا تو آپ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے فرمایا کہ اس نرالے واقعہ کو کون مانے گا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا آپ فکر نہ کریں سب سے پہلے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تصدیق کریں گے۔

(معارج ج ۳ ص ۱۹۷)

(۳) جب آپ اپنی آرام گاہ پر تشریف لائے ان فراشہ لم یبرد من اثر النوم تاہنوز آپ کا بچھونا مبارک نیند کے اثر سے سرد نہ ہوا تھا۔

(روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۲) قد ذھب علیہ السلام وجاء ولم یتم ماء ابریقہ انصبابا تحقیق حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام معراج پر گئے اور واپس آئے حالانکہ آپ کے کوزہ سے جو پانی وضو کے وقت گرا تھا پوری طرح نہ بہہ چکا تھا۔ (روح البیان ج ۲ ص ۴۰۲)

اور زنجیر حجرے کی ہنوز ہلتی رہی تھی۔ (تواریخ حبیب الٰہ ص ۲۸)

کلام الامام ملاحظہ فرمایئے۔

خدا کی قدرت کہ چاند حق کے کروڑوں منزل میں جلوہ کر کے
ابھی نہ تاروں کی چھاؤں بدلی کہ نور کے تڑکے آ لئے تھے
ہر مراد ولی حق سے ملتی رہی واپس آئے کلی دل کی کھلتی رہی
بستره گرم، زنجیر ہلتی رہی، یہ عجب معجزه آج کی رات ہے
معجزه یہ محمد کا تحقیق ہے جس نے تصدیق کی ہے وہ صدیق ہے
اور جو منکر ہے، جاہل ہے زندیق ہے وہ عدوئے خدا آج کی رات ہے

تذکرۂ واقعہ معراج

حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ کہتی ہیں کہ جب آپ کو معراج ہوئی آپ میرے گھر میں سوتے تھے۔ آپ نے عشاء کی نماز پڑھی اور پھر سو گئے اور ہم بھی سو گئے۔ جب فجر کا وقت ہوا ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیدار کیا۔ پھر جب آپ صبح کی نماز پڑھ چکے اور ہم نے بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھی تب آپ نے فرمایا۔ اے ام ہانی! میں نے آپ لوگوں کے ساتھ آج رات نماز پڑھی جیسا کہ تم نے دیکھا ہے۔ پھر میں بیت المقدس میں پہنچا اور وہاں نماز پڑھی۔ اس کے بعد اب صبح کی نماز تمہارے ساتھ پڑھی ہے۔ جیسا کہ تم نے دیکھا ہے پھر آپ اٹھ کھڑے ہوئے تاکہ باہر تشریف لے جائیں۔ اس وقت میں نے آپ کی چادر کا گوشہ پکڑ لیا اور کہا یا نبی اللہ! (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ یہ قصہ لوگوں کو نہ بتائیں ورنہ آپ کی تکذیب کریں گے اور آپ کو ایذا دیں گے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ واللہ مجھے خدا کی قسم میں ضرور ان سے بیان کروں گا۔ حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے ایک حبشی لونڈی سے کہا تو آپ کے پیچھے پیچھے چلی جا تاکہ وہ تمام باتیں سن سکے جو آپ لوگوں سے کہیں اور لوگ آپ سے کہیں۔ (جواہر الحسان ج ۲ ص ۳۲۹)

حضرت اُم ہانی رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے میرے ہاتھ سے چادر کا گوشہ چھڑا لیا تو آپ کے دل مبارک سے ایک نور کا جلوہ بلند ہوا جس سے میری آنکھیں چندھیا گئیں اور میں سجدہ میں گر گئی۔ جب میں نے سجدہ سے سر کو اٹھایا تو آپ باہر تشریف لے جا چکے تھے۔ (سیرت نبویہ از احمد زینی وصلان ج ا ص ۲۹۱)

قریش کا استہزاء

امام احمد اور بزاز نے اچھے اسناد کے ساتھ حضرت ابن عباس سے روایت کی ہے وہ کہتے ہیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جس رات مجھے معراج ہوئی اور مکہ میں صبح سویرے اٹھا تو خدا کا دشمن ابو جہل میرے پاس سے گزرا پھر کہا ہل کان من شی۔ کوئی نئی بات ہے؟ تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا مجھے آج رات بیت المقدس تک سیر کرائی گئی۔ ابو جہل نے کہا: ثم اصبحت بین اظہرنا پھر آج ہی آپ نے ہم میں صبح کی ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ ہاں۔ ابو جہل نے کہا کہ اگر میں آپ کی قوم کو بلاؤں تو آپ ان کو یہی بات بتلائیں گے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہاں۔ ابو جہل نے پکار کر آواز دی۔ اے کعب بن لوی کی اولاد (جلدی دوڑ آؤ) راوی کہتا ہے کہ گروہ در گروہ اس آواز پر ٹوٹ پڑے۔ یہاں تک کہ ان کے پاس پہنچ گئے۔ ابو جہل نے کہا جو بات آپ نے مجھے بتائی ہے اپنی قوم کو بتلا دیجئے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں نے ان کو بات بتلائی تو پھر تعجب اور حیران ہو کر کوئی تالیاں بجاتا تھا اور کوئی سر پر ہاتھ رکھتا تھا۔ (فتح الملہم ج ا ص ۳۲۴)

نبیوں کے حلیے

حتیٰ کہ جب کافی لوگ اکٹھے ہو گئے۔ سب نے کہا آپ ہم کو سارا قصہ پوری طرح سنائیں جب آپ نے واقعہ سناتے ہوئے یہ فرمایا کہ بیت المقدس میں مجھے نبیوں کی جماعت ملی جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی تھے۔ تو لوگوں نے کہا اچھا آپ ان کے حلیے بیان فرمایئے تب آپ نے

یوں ارشاد فرمایا:

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام درمیانہ قد سے ذرا نیچے اور دراز قامت سے ذرا کم ہیں۔ فراخ سینہ والے ہیں، سرخ رنگ ان پر غالب ہے۔ گھنے بالوں والے ہیں گویا کہ عروہ بن مسعود ثقفی ہیں اور حضرت موسیٰ علیہ السلام بھاری جسم والے ہیں۔ گندم گوں رنگ، دراز قامت، گھنے بال تہ بہ تہ داتت اور ماتھے پر بل رکھنے والے ہیں۔ گویا کہ وہ ازدشنوءہ سے ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پس خدا کی قسم ہے کہ وہ میرے ہم شکل اور ہم خصلت ہیں جب آپ نے یہ حلیے بیان فرمائے تو قریش نے نہ مانا بلکہ شور مچایا اور ایک دوسرے پر گرنے لگے۔ (روح البیان ج ۲ ص ۱۰۵ در منثور ج ۴ ص ۱۴۸)

تصدیق صدیق

امام حاکم نیشاپوری نے اپنی کتاب مستدرک شریف میں یہ حدیث سند سے بیان کی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مسجد اقصیٰ تک سیر کرائی گئی آپ نے صبح صادق ہونے کے بعد لوگوں سے معراج کے واقعات بیان فرمائے تو بعض ایسے لوگ مرتد ہو گئے جو آپ کے ساتھ ایمان لا چکے تھے اور تصدیق کر چکے تھے۔ وہ حضرت ابوبکر صدیق کی طرف یہ خبر لے کر دوڑتے ہوئے پہنچے۔ پھر کہنے لگے کیا آپ کو پتہ ہے کہ آپ کے دوست نے کیا کہا؟ انہوں نے کہا ہے کہ اسے بیت المقدس تک سیر کرائی گئی اور صبح صادق سے پہلے مکہ میں واپس آ گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا کیا آپ نے یوں ہی فرمایا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہاں یوں ہی کہا ہے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ اگر آپ نے یوں ہی فرمایا ہے تو ضرور بالضرور تحقیق آپ نے سچ فرمایا ہے۔ لوگ کہنے لگے کیا آپ اس کی تصدیق کرتے ہیں کہ وہ ایک ہی رات میں بیت المقدس میں گئے۔ اور پھر صبح سے پہلے واپس آ گئے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں اس سے زیادہ بعید از عقل بات کو مانتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ آپ کے پاس جبرائیل علیہ السلام صبح اور شام آسمان سے

خبریں لاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ آپ کا نام اس لئے اس دن سے ابوبکر صدیق ہو گیا۔ اس طرح شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا؟

(ف) نمبرا اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بھی جسمانی معراج کی حدیث مروی ہے تو جس روایت میں ان سے انکار کی روایت ہے اس میں تاویل کی جائے یا اس کو روحانی معراج پر محمول کیا جائے ورنہ تعارض لازم آئے گا۔

نمبر۲ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی اس دلیل کا حاصل یہ ہے کہ جب حضرت جبرائیل علیہ السلام آسمان سے زمین پر وحی لاتا ہے اور اس کو میں مانتا ہوں کہ وہ ایک لاہوتی ہے۔ مرکز سے ناسوتی مرکز میں آسکتے ہیں تو میں کیونکر اس بات کو نہ مانوں کہ اس عالم ناسوت سے عالم بالا میں حضور علیہ السلام کا جانا کیونکر محال ہے۔

بیت المقدس کا ظہور

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے آپ کو حطیم میں دیکھا کہ قریش مجھ سے میرے سفر معراج کے متعلق پوچھتے تھے سوانہوں نے مجھ سے بیت المقدس کی کئی باتیں پوچھیں کہ جن کو میں نے (بوجہ ضرورت نہ سمجھنے کے) ضبط نہ کیا تھا۔ سو مجھ کو اس قدر کٹھن ہوئی کہ ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ پس اللہ تعالیٰ نے اس کو میرے لئے ظاہر کر دیا کہ میں اس کو دیکھتا ہوں اور جو مجھ سے پوچھتے تھے میں ان کو بتلاتا جاتا تھا۔ (مسلم شریف ج ۱ ص ۹۶)

(ف) یہاں دو مسئلے بیان کئے جاتے ہیں۔ پہلا مسئلہ یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ جب آصف بن برخیا نے دعا پڑھی تو کہتے ہیں کہ وہ تخت ہوا میں لایا گیا اور سلیمان علیہ السلام اور تخت کے درمیان دو مہینہ کی راہ تھی۔ (حیوۃ الحیوان اردو ج ۱ ص ۱۴۲) اور بعض کہتے ہیں کہ چشم زدن میں زمین کے اندر چلا گیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے سامنے زمین پر ظاہر ہو گیا اور وسیط میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس تخت کو وہاں معدوم کر دیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس نئے وجود سے موجود کر دیا۔ (تفسیر حسینی ج ۲ ص ۱۴۱)

اور بزرگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا انکار نہیں ہو سکتا کہ تخت کو جہاں تھا وہاں معدوم ہو گیا اور جہاں حضرت سلیمان علیہ السلام تھے وہاں موجود ہو گیا۔ یہ ولی کی کرامت ہوتی ہے اور نبی کا معجزہ ہوتا ہے۔ (روح البیان ج ۲ ص ۸۹۹) لیکن بیت المقدس بصورت مثالی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے منکشف ہوا۔ لان المعلوم ان اھل بیت المقدس لم یفقدوہ تلك الساعة من بلدھم کیونکہ یہ بات سب کو معلوم ہے کہ بیت المقدس کو اس وقت جب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے لایا گیا۔ لوگوں نے اسے اصلی مقام میں اپنے شہر ایلیاء سے گم نہ پایا۔ (سیرت حلبیہ ج ۱ ص ۴۰۹)

''اولیاء کرام کی کرامت'' دوسرا مسئلہ یہ ہے نمبر ۱ جس طرح بیت المقدس کا مکشوف ہونا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معجزہ ہے۔ اسی طرح خانہ کعبہ کا اولیاء کرام کی زیارت کے لئے جانا بھی کرامت ہے جیسا کہ روح البیان ج ۲ ص ۴۰۶ پر لکھا ہے۔ ومنہ زیارت الکعبة ببعض الاولیا اور بعض اولیاء کے لئے زیارت کعبہ بھی اس قسم سے ہے۔ نمبر ۲ علامہ شامی نے لکھا ہے والانصاف ما ذکرہ الامام النسفی حین سئل عما یحکی ان الکعبة کانت تزور واحدا من الاولیاء ھل یجوز القول به فقال نقضا للعادة علی سبیل الکرامة لاھل الولایة جائز عند اھل السنة (شامی ج ۲ ص ۸۶۷) انصاف کی بات وہ ہے جو امام نسفی نے ذکر کی ہے جب ان سے پوچھا گیا کہ ایسی بات کرنی جائز ہے۔ جیسا کہ حکایت کرتے ہیں کہ کعبہ کئی اولیاء کی زیارت کرنے کو جاتا ہے تو انہوں نے فرمایا کہ خلاف عادت کرامت کے طور پر اہل سنت کے نزدیک اولیاء کے لئے یہ جائز ہے۔ نمبر ۳ علامہ ابن نجیم رحمۃ اللہ علیہ تحریر فرماتے ہیں الکعبة اذا رفعت عن مکانھا لزیارۃ اصحاب الکرامة ففی تلك الحالة جازت الصلوۃ الی ارضھا (بحر الرائق ج ۱) کعبہ شریف جب صاحب کرامت اولیاء کی زیارت کے لئے چلا جائے تو اس حالت میں ہر زمین کعبہ مقدسہ کی سمت کو منہ کرنے سے نماز ادا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اس بارہ میں دو حکایات پیش کی جاتی ہیں۔ نمبر ۴ جس روز خواجہ ابراہیم بن ادہم نے توبہ

کی تو جس قدر آپ کے پاس بردے تھے اپنے اپنے سامنے سب کو آزاد کیا اور حج کے لئے روانہ ہوئے اور پاپیادہ ہر قدم پر دوگانہ نفل ادا کرتے ہوئے چودہ سال کے عرصہ میں مکہ معظمہ پہنچے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ کعبہ اپنی جگہ پر نہیں۔ آپ کو حیرت ہوئی۔ آواز آئی کہ اے ابراہیم! صبر کرو کعبہ ایک بڑھیا کی زیارت کے لئے گیا ہوا ہے۔ ابھی آجائے گا۔ جوں ہی خواجہ صاحب نے یہ بات سنی آپ پہلے کی نسبت متحیر ہوئے اور کہا بڑھیا کون ہے؟ چنانچہ اس کے دیکھنے کے لئے آرزومند ہوئے کہ جا کر دیکھوں تو سہی جونہی جنگل میں پہنچے حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کو دیکھا کہ بیٹھی ہوئی ہیں۔ اور کعبہ اس کے گرد طواف کر رہا ہے۔ حضرت ابراہیم بن ادھم رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں غیرت آئی۔ چنانچہ انہوں نے حضرت رابعہ بصریہ رحمۃ اللہ علیہا کو زور سے آواز دی کہ تو نے شور برپا کر رکھا ہے۔ اس نے کہا میں نے شور برپا نہیں کیا بلکہ تو نے کیا ہے۔ چودہ سال کے بعد تو خانہ کعبہ پہنچا اور دیدار نصیب نہ ہوا کیونکہ تیری خواہش خانہ کعبہ کی زیارت تھی اور میری خواہش کعبہ کے مالک سے تھی۔ (تذکرۃ الاولیاء ص ۵۴) از شیخ فرید الدین عطار رحمۃ اللہ علیہ انیس الارواح ص ۱۱) یعنی ملفوظات خواجہ محمد عثمان صاحب ہارونی رحمۃ اللہ علیہ مرتبہ خواجہ غریب نواز خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ (حصہ کتاب ہشت بہشت)

(۵) ایک مرتبہ حضرت (امام ربانی مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ) کو زیارت بیت اللہ کا شوق از حد غالب ہوا ایک روز اس بے قراری میں آپ نے دیکھا کہ تمام عالم جن و انس نماز پڑھتے ہیں اور حضرت صاحب کی جانب سجدہ کرتے ہیں۔ حضرت صاحب اس معاملہ سے نہایت متحیر ہوئے۔ اسے متوجہ کشف اسرار ہوئے۔ معلوم ہوا کہ کعبہ معظمہ آپ کی ملاقات کے لئے آیا ہے اور آپ کا احاطہ کئے ہوئے اس سبب سے جو کوئی شخص کعبہ کو سجدہ کرتا ہے وہ آپ کی طرف معلوم ہوتا ہے اس اثناء میں الہام ہوا کہ تو ہمیشہ زیارت کعبہ کا مشتاق رہتا ہے۔ اس واسطے ہم نے کعبہ کو تیری زیارت کے واسطے بھیجا ہے۔ حالات مشائخ نقشبندیہ از مولوی محمد حسن صاحب بجنوری ص ۱۵۵) مکتوبات امام ربانی

مجدد الف ثانی قدس سرہ دفتر نمبر جلد نمبر مکتوب نمبر۔

(ف) دربار عالیہ سرہند شریف میں ایک چار دیواری ہے جہاں سیاہ پتھر کا فرش ہے۔ تمام زائرین وہاں جا کر دوگانہ نفل ادا کرتے ہیں ان کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ اس جگہ خانہ کعبہ آ کر ٹھہرا تھا کہ حضرت امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کی زیارت کے لئے آیا تھا اور اب یہاں اس کے انوار و برکات موجود ہیں جو کہ اصحاب کشف پر منکشف ہوتے ہیں۔ اس وقت تک تین سو سال گزر گئے اور ہزارہا بزرگوں نے وہاں زیارت کی مگر کسی نے انکار نہ کیا اور نہ ہی کسی کا اعتراض منقول ہے۔ مصنف کتاب ہذا کو بھی اس مقدس مقام کی زیارت اور اس میں نفل پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ والحمد للّٰہ علی ذلک۔

قافلوں کے حالات

معراج کی رات قافلوں کے حالات پر مشتمل احادیث کو بہت علماء نے کہیں طول اور کہیں اختصار کے ساتھ مختلف عبارات میں بیان فرمایا جن کتابوں سے یہ مضمون اخذ کیا جا رہا ہے۔ ان کے نام بمع حوالہ صفحات حسب ذیل ہیں۔ تفسیر کشاف ج ۲ ص ۳۵۱) تفسیر روح البیان ج ۲ ص ۴۰۶، سیرت حلبیہ ج ۱ ص ۴۲۱، مدارج النبوۃ ج ۱ ص ۲۷، خصائص کبریٰ ج ۱ ص ۱۸۰، معارج النبوۃ ج ۳ ص ۱۹۹، زرقانی شرح مواہب ج ۲ ص ۱۶۲ اس بارہ میں دو روایات ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ یہ تین قافلے تھے اور دوسری روایت یہ ہے کہ یہ ایک قافلہ تھا مگر اس کے تین حصے ہو گئے تھے اور وہ دوران سفر میں ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے تھے اور میرے نزدیک صحیح یہی روایت ہے۔ مواہب میں لکھا ہے کہ آپ سے آسمان کے حالات نہ پوچھے کیونکہ اس سے وہ ناواقف تھے جب آپ نے بیت المقدس کے نشانات بتائے تو کفار حیران ہو کر کہنے لگے جو کچھ حضور علیہ السلام نے فرمایا سب درست ہے۔ لیکن یہ احتمال ہے کہ آپ نے کسی ایسے شخص سے سن کر یاد کر لئے ہوں جو وہاں گیا ہو اور بیت المقدس کے علامات سے باخبر ہو کر آپ نے فرمایا اس سے واضح ثبوت کون سا ہے جس سے تمہیں صداقت کا یقین ہو سکے تو کہنے لگے

اخبرنا عن عیرنا ھل لقیت منھا شیئا (سیرت حلبیہ) آپ ہم کو ہمارے قافلہ کے حالات سے مطلع فرمائیے کہ آپ کو ان میں سے کسی کے ساتھ ملاقات ہوئی ہے۔

(الف) آپ نے فرمایا ہاں (ایک شخص کا نام لے کر ارشاد فرمایا جو راوی کو یاد نہ رہا) فرمایا نبی فلاں کے قافلہ پر مقام روحاء میں گزرا۔ ان کا اونٹ گم ہو گیا تھا وہ اسے تلاش کر رہے تھے میں ان کے پالان اور سامان کی طرف آیا۔ وہاں کوئی شخص نہ تھا پانی کا ایک پیالہ وہاں رکھا ہوا تھا۔ میں نے اسے پی لیا اور سرپوش دے کر اس ڈھک دیا کہ اس کی جگہ اس کو ویسے ہی رکھ دیا جیسے کہ رکھا ہوا تھا اور وہ قافلہ بدھ کے دن سورج غروب ہوتے ہی یہاں پہنچ جائے گا پھر تم لوگ ان سے دریافت کر لینا کہ جب وہ اپنا گم شدہ اونٹ تلاش کر کے اپنے سامان کی طرف واپس ہوئے تو کیا انہوں نے پیالہ کو پانی سے خالی پایا یا نہیں؟ اور ان سے یہ بھی پوچھنا کہ جب تم اونٹ کی تلاش میں سرگرداں تھے اور تم کو کسی نے پکار کر کہا کہ تمہارا اونٹ فلاں جگہ ہے اور تم حیران ہو کر کہنے لگے شام کے ملک میں یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کیسے ہے پھر تم نے اس آواز پر عمل کرنے کے بعد اونٹ پایا یا نہ؟ قریش نے کہا ہاں ٹھیک ہے یہ بہت بڑی نشانی ہے۔

(ب) پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک شخص کا نام لے کر فرمایا کہ میں بنی فلاں کے قافلہ پر گزرا (فلاں کی جگہ جس کا نام ہے راوی کو یاد نہیں رہا) مقام ذی مروہ پر دو شخص ایک اونٹ پر سوار تھے۔ ان کا اونٹ براق کی تیز رفتاری کی وجہ سے بھاگا اور کودا اور وہ دونوں سوار گر گئے۔ ان میں سے فلاں شخص کا ہاتھ کلائی سے ٹوٹ گیا۔ بدھ کے دن ٹھیک دوپہر کو وہ قافلہ یہاں مکہ میں آجائے گا۔ پھر آپ دونوں سے دریافت کر لینا۔ انہوں نے کہا بہت اچھا یہ نشانی بھی ٹھیک ہے۔

(ج) انہوں نے کہا آپ ایک اور قافلہ کے حالات سنائیں حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام نے فرمایا کہ میں اس قافلہ سے مقام تنعیم پر گزرا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ اس قافلہ کی پوری ماہیت سے آگاہ فرمائیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا وہ بنی فلاں کا تھا اس قافلہ

کے آگے آگے ایک خاکستری رنگ کا اونٹ چل رہا تھا۔اس پر دو دھاری دار بوریاں غلہ کی لدی ہوئی تھیں اوراس پر ایک سیاہ حبشی سوار ہے اور فلاں شتر سوار کو سردی لگی تو وہ اپنے غلام سے کمبل مانگ رہا تھا اور وہ قافلہ قریب آگیا۔طلوع شمس کے وقت پہنچ جائے گا۔جب آ جائیں تو دریافت کر لینا انہوں نے کہا یہ تیسری نشانی بھی خوب اچھی طرح ٹھیک ہے۔

قافلوں کی آمد

ہر قافلہ کے متعلق حضور علیہ السلام نے اوقات مقرر فرمائے ان مقررہ اوقات میں قافلوں کی تاک میں کچھ رومی بٹھا دیئے گئے۔جن کی تشریح لف نشر غیر مرتب طور پر کی جاتی ہے یعنی جس قافلہ کا ذکر سابق بیان میں اولاً تھا۔وہ آخر میں مذکور ہے اور جو آخر میں بیان ہوا۔وہ اولاً ذکر کر دیا ہے۔

(ج) طلوع آفتاب سے پہلے کچھ لوگ کذی پہاڑی پر آ بیٹھے اور قافلہ کی انتظار کرنے لگے اور کچھ لوگ سورج کی انتظار میں مقرر کر دیئے گئے کہ سورج کب نکلے گا رواں ہنوز دور بود حق تعالیٰ جرائیل علیہ السلام را بفرستاد تا ازیں سو فرشتہ آفتاب را نگا میداشت واز اں سو زمین در ہم نوردید تا سخن دوست راست گردد (معارج النبوۃ ج ۳ ص ۱۹۹)
قافلہ ابھی دور تھا کہ حق تعالیٰ نے جرائیل علیہ السلام کو بھیجا تا کہ ایک طرف سورج کو فرشتہ نگاہ رکھے (کہ طلوع نہ ہونے دے) اور دوسری طرف سے جرائیل علیہ السلام زمین کو لپیٹے (تا کہ سورج کا کنارہ زمین سے برآمد ہونے تک قافلہ سفر طے کر سکے) تا کہ دوست کی بات سچی ثابت ہو جائے۔فانہ قائل یقول ھذہ الشمس قد طلعت و قال اخر ھذہ نعیر قد اقبلت (کشف ج ۲ ص ۲۵۱) ناگہاں ان میں سے ایک آدمی بولا یہ سورج نکل آیا اور ان کے دوسرے آدمی نے کہا اے یہ لو قافلہ آگیا۔

شترے کہ دو غرارہ مخطط براں بود کہ پیش پیش کارواں آمد و بعد ازاں تحقیق آں چند نشانی نمودند ہمچناں بود کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرمودہ

(معارج النبوۃ ج ۳ ص ۱۹۹)

خاکستری رنگ کا اونٹ جس پر دو دھاری دار بوریاں لدی ہوئی تھیں اس قافلہ کے آگے آگے تھا۔ اس کے بعد چند نشانیوں کی تحقیق کی گئی تو اس طرح ہوا جس طرح کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا۔

(ب) پھر دوپہر کو ایک بہت بڑی جماعت اس پہاڑ پر آئی۔ عین نصف نہار کے وقت قافلہ پہنچ گیا۔ جیسا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا تھا:

شتر ایشاں رسیدہ بود یکے افتادہ ودستش شکستہ گفتند راست مے گوید در صحرائے بر ما مثل برق طف بگوشت (معارج النبوۃ ج ۳ ص ۱۹۹)

ان کا اونٹ جب پہنچا تو جو شخص گرا تھا اس کا ہاتھ کلائی سے ٹوٹا ہوا تھا۔ اس نے کہا کہ آپ سچ کہتے ہیں کہ جنگل میں بجلی کی طرح آپ ہم پر گزرے (جس سے اونٹ کودا)

(الف) غروب کے وقت تیسرے قافلہ کی تاک میں لوگ بیٹھ گئے۔ آفتاب نزدیک غروب رسید بود کہ ہنوز نیامد پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دعا کر دو حبس کردہ نگاہ داشتہ شد پس قدوم آوردند (مدارج النبوۃ ج ۱ ص ۱۷۲) سورج غروب ہونے کو نزدیک ہو گیا کہ قافلہ ابھی تک نہ پہنچا تھا پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا کی اور سورج روک دیا گیا پھر جب وہ آئے اس وقت سورج غروب ہوا

فلما کان ذلك اليوم اشرقت قريش ينظرون و قد ولى النهار ولم تجى فدعا النبى صلى الله عليه وسلم فزيد له فى النهار ساعة و حبس عليه الشمس۔ (خصائص الکبریٰ ج ۱ ص ۱۸۰)

پھر جب وہ دن آیا (جس وقت تیسرا قافلہ آنا تھا) قریش سب باہر آ کر پہاڑ پر تاک میں بیٹھے تھے کہ سورج غروب ہونے کے قریب ہو گیا اور قافلہ نہ آیا اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا کی ایک ساعت دن بڑھ گیا اور سورج رک گیا (پھر جب قافلہ پہنچا اس وقت سورج غروب ہوا) پھر ان سے برتن کا قصہ پوچھا گیا۔ انہوں نے خبر دی کہ ہم نے پیالہ میں پانی رکھ کر اوپر سے ڈھکنا دے دیا تھا۔ جب ہم واپس آئے تو

ڈھکنا سے بند تھا مگر پانی نہ پایا۔ پھر ان لوگوں نے بتایا جن کا اونٹ بھاگ گیا تھا کہ ہم نے وادی میں ایک آواز سنی جو اونٹ کی طرف ہم کو بلا رہا تھا۔ چنانچہ ہم نے اس کے اشارہ سے اونٹ کو پالیا۔

پھر وہ کہنے لگے کہ ولید سچ کہتا تھا کہ (معاذ اللہ) آپ جادوگر ہیں۔

ہزار معجزہ گر پیش منکرے آری
چو جاہل است بسحرش کند منسوب
نزد بے بصراں خواب مے نماید زشت
پیش معتقداں زشت مے نماید خواب

اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِیْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ (پ۱۵ ع۶) اور وہ دکھلاوا جو ہم نے آپ کو دکھلایا سو اس کو ہم نے لوگوں کے لئے آزمائش بنایا جس سے لوگوں کا امتحان ہو گیا۔ حتیٰ کہ پختہ لوگوں نے سن کر مان لیا اور خام لوگوں نے انکار کر دیا۔ عرب میں پانی کی اباحت، اب یہاں یہ سوال ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان لوگوں کا پانی بلا اجازت کیوں استعمال فرمایا تو اس کا جواب یہ ہے کہ وشرب الماء للغیر جائز لانه كان عند الرب كاللبن مما يباح لكل مخرج من انباء السبيل (روح البیان ج ۲ ص ۴۰۶) اور دوسرے شخص کے لئے پانی کا پینا عرب کے رواج میں جائز تھا۔ جیسا کہ دودھ کو پینا ہر اس مسافر کو مباح تھا جو راہ گزر چلتا تھا۔

یہودی کا مسلمان ہونا

روایت ہے کہ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام معراج سے واپس تشریف لائے۔ اسی دن آپ گھر سے باہر گئے تو ایک کنیز کو دیکھا تو آٹے کی مشکیزہ کندھوں پر اٹھائے ہوئے روتی تھی۔ اور چلتی تھی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس سے رونے کا سبب پوچھا تو اس نے کہا کہ میں یہودی کی کنیز ہوں مجھے اس نے چکی پر بھیجا تھا کہ دانے پیا

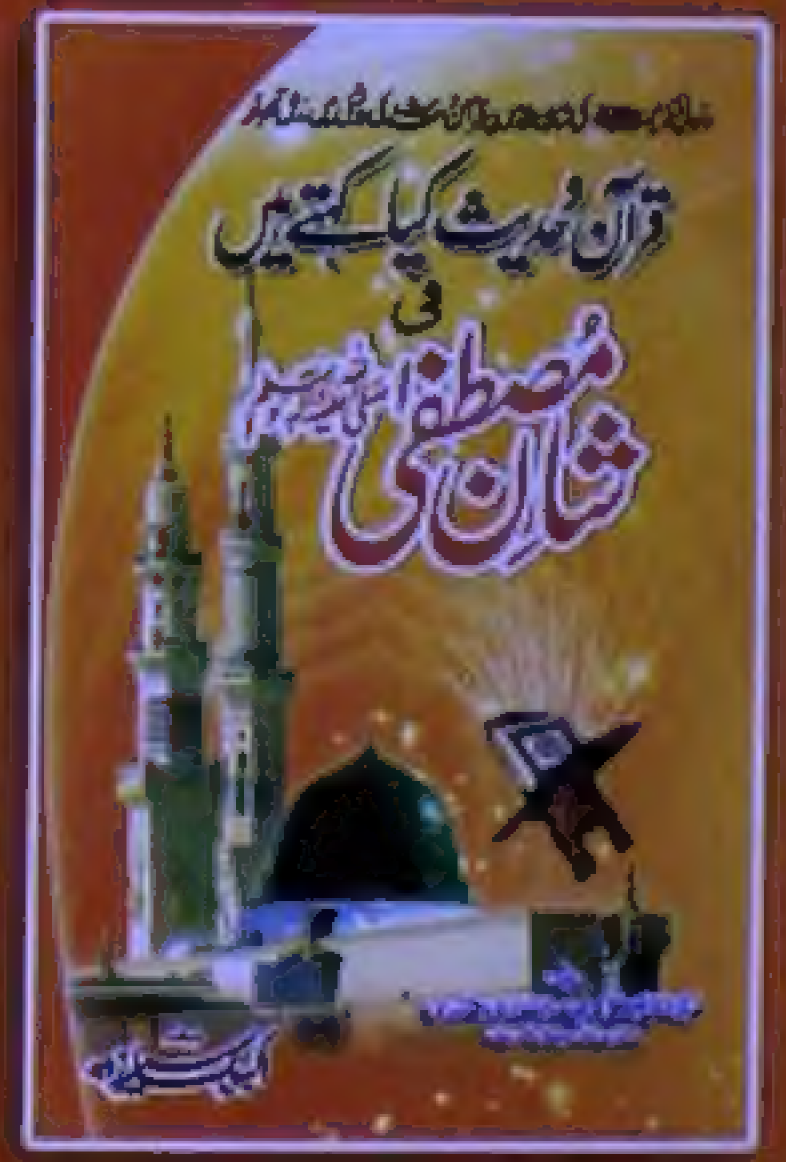
لاؤں میں بیمار ہوں مجھے دیر ہوگئی اب ڈر لگتا ہے کہ وہ مالک مجھ پر ناراض ہوگا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے آٹے کا مشکیزہ اپنے دوش مقدس پر اٹھایا اور اس کنیز کو ہمراہ لے کر یہودی کے دروازہ پر پہنچے۔ وہاں دروازہ کھٹکھٹایا یہودی گھر سے دروازہ پر آیا۔ عرض کیا آپ آج کس طرح یہاں تشریف لائے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کنیز کی تکلیف کا قصہ سناتے ہوئے سفارش کی تب وہ یہودی کہنے لگا کہ آج رات آپ کو معراج ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں تجھے کس طرح پتہ چلا ہے۔ چنانچہ وہ یہودی چلا گیا تمام قبیلے کو اکٹھا کر کے ہمراہ لایا اور تورات میں سب کو پڑھ کر سنایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج کی نشانی یہ ہے کہ صبح کو وہ ایک کنیز کی مشکیزہ اٹھا کر یہودی کے پاس سفارش کرے گا جب یہودیوں کو یقین ہوا تو سب اڑ یمان لائے اور یوں کہا:

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ

(معارج النبوۃ ج ۳ ص ۲۱۲)

ہماری چند دیگر مطبوعات









ناشر
اکبر بک سیلرز
زبیدہ سنٹر ۴۰ اردو بازار لاہور Ph: 042 - 37352022